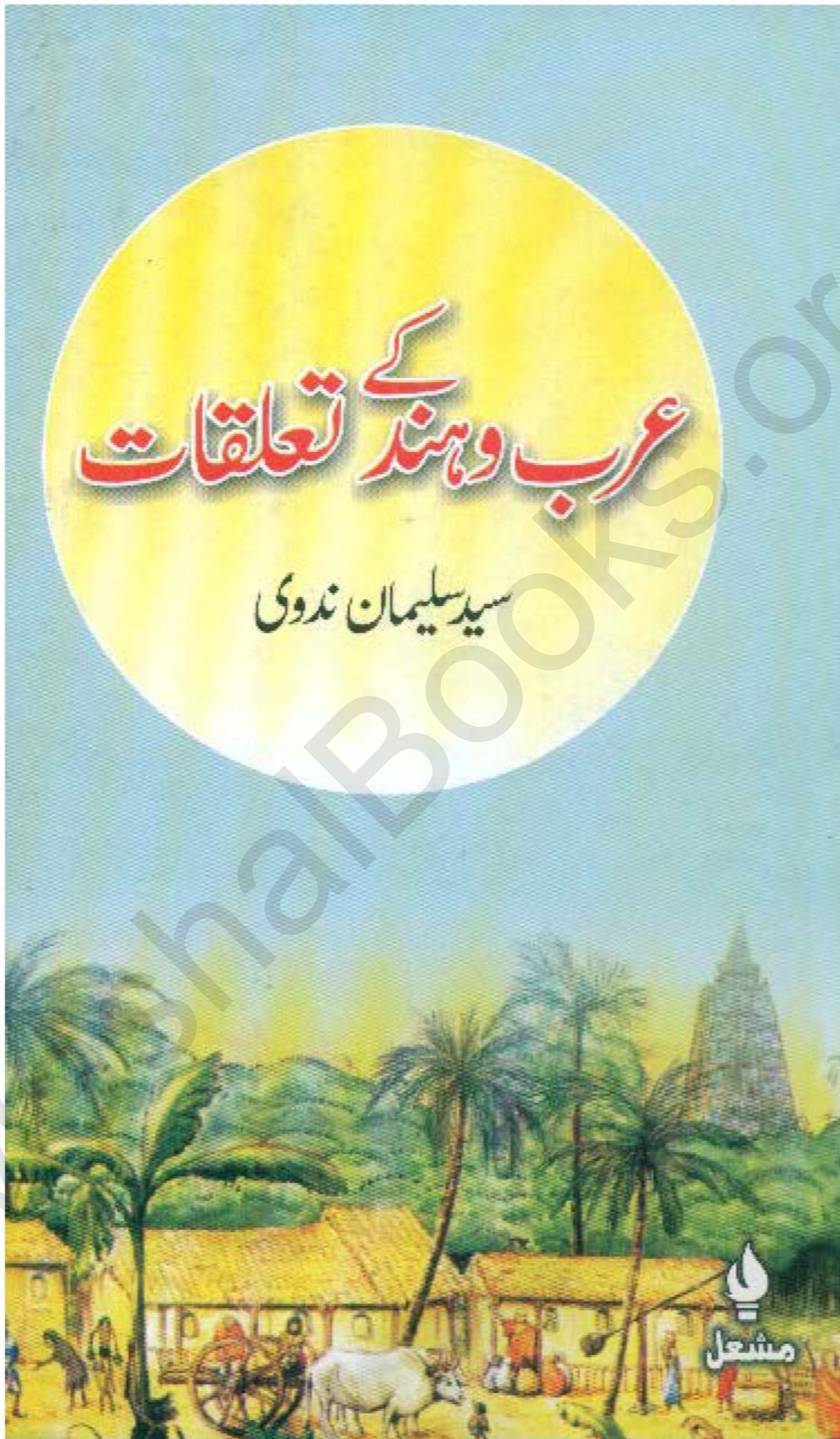


عرب وہند کے تعلقات
سید سلیمان ندوی
مشعل

عرب و ہند کے تعلقات

سید سلیمان ندوی

مشعل بکس
آر بی۔۵، سیکنڈ فلور، عوامی کمپلیکس، عثمان بلاک،
نیو گارڈن ٹاؤن لاہور۔۵۴۶۰۰ پاکستان

عرب و ہند کے تعلقات

سید سلیمان ندوی

ناشر: مشعل بکس
آر۔ بی۔ ۵۔ سیکنڈ فلور، عوامی کمپلیکس، عثمان بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن لاہور،
54600، پاکستان
فون و فیکس: 042-35866859
E-mail: mashbks@brain.net.pk
http://www.mashalbooks.org

فہرست

عرب و ہند کے تعلقات

تعلقات کا آغاز اور ہندوستان کے عرب سیاح

عرب اور ہندوستان دونوں ملک دنیا کی دو عظیم الشان قوموں کی مذہبی تیرتھ اور عبادت گاہ ہیں اور دونوں اپنی اپنی جگہ پر اپنی اپنی قوموں کے نزدیک پاک اور مقدس ہیں۔ اس مسئلہ میں بہت سے اختلافات ہیں کہ ہندوستان کے اصلی باشندے کون ہیں؟ آریہ قوم کا دعویٰ تو آپ نے سنا ہوگا۔ مگر کیا عربوں کا پرانا دعویٰ بھی آپ نے سنا ہے؟ آریہ قوم اس ملک میں چند ہزار برس گزرے ہوں گے کہ ایشیائے وسطیٰ سے پنجاب میں وارد ہوئی اور پھر آگے بڑھ کر گنگا جمنا کے دوآبہ میں پھیل گئی۔ مگر اہل عرب کا دعویٰ یہ ہے کہ ہندوستان سے ان کا تعلق صرف چند ہزار برس کا نہیں بلکہ پیدائش کے شروع سے یہ ملک ان کا ''پدری وطن'' ہے۔

حدیثوں اور تفسیروں میں جہاں حضرت آدم کا قِصّہ ہے۔ وہاں متعدد روایتوں سے یہ بیان آتا ہے کہ حضرت آدم جب آسمان کی جنت سے نکالے گئے تو وہ اسی زمین کی ''جنت'' میں جس کا نام ''ہندوستان جنت نشان'' ہے اتارے گئے۔ سراندیب (لنکا) میں انہوں نے پہلا قدم رکھا جس کا نشان اس کے ایک پہاڑ پر موجود ہے۔ ابن جریرؒ ابن ابی حاتم اور حاکم[1] میں ہے کہ ہندستان کی اس سرزمین کا نام جس میں حضرت آدم اترے ''سجنا'' ہے۔ کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ ''دجنا'' ہندی کا ''دکھنا'' یا ''دکھن'' ہے جو ہندوستان کے جنوبی حصے کا مشہور نام ہے؟ اور چونکہ عرب کے ملک میں متعدد قسم کی خوشبوئیں اور مسالے اسی جنوبی ہند سے جاتے

۱- تفسیر در منشور سیوطی جلد اول صفحہ ۵۵۔ مصر میں یہ اور اس کے بعد کی روایتیں موجود ہیں۔ ساتھ سبعۃ المرجان فی تاریخ ہندوستان کا پہلا باب پڑھنا چاہئے۔

تھے اور پھر عربوں کے ذریعہ وہ تمام دنیا میں پھیلتے تھے اس لئے ان کا بیان ہے کہ یہ چیزیں ان تحفوں کی یادگاریں ہیں جو حضرت آدم اپنے ساتھ جنت سے لائے تھے۔ ان تحفوں میں سے چھوہارے کے سوا دو پھل یعنی لیموں اور کیلے ہندوستان ہی میں موجود ہیں۔ ایک اور روایت میں ہے کہ امرود بھی جنت ہی کا میوہ تھا جو ہندوستان میں پایا جاتا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ جنت سے چار دریا نکلے ہیں۔ نیل، فرات، جیجوں، سیجون۔ نیل تو مصر کا دریا ہے جس پر مصر کی زراعت کا دارومدار ہے۔ اسی طرح فرات کی جو اہمیت عراق کی سرسبزی و شادابی کے لئے ہے وہ ظاہر ہے۔ جیجون ترکستان کا دریا ہے اور ترکستان کے لئے اس کی وہی حیثیت ہے جو نیل و فرات کی مصر و عراق میں ہے اور سیجون کے متعلق ہے کہ ہندوستان کے دریا کا نام ہے۔ کیا جنت کے اس چوتھے دریا کو ''گنگا'' سمجھا جائے؟ بعض لوگوں نے اس کو دریائے سندھ قرار دیا ہے۔

میر آزاد بلگرامی نے سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان میں کئی صفحے ہندوستان کے ان فضائل کے بیان کے نذر کئے ہیں اور اس میں یہاں تک کہا ہے کہ جب آدم سب سے پہلے ہندوستان اترے اور یہاں ان پر وحی آئی تو یہ سمجھنا چاہئے کہ یہی وہ ملک ہے جہاں خدا کی پہلی وحی نازل ہوئی اور چونکہ نور محمدی حضرت آدم کی پیشانی میں امانت تھا اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ابتدائی ظہور اسی سرزمین میں ہوا۔ اسی لئے آپ نے فرمایا کہ ''مجھے ہندوستان کی طرف سے ربانی خوشبو آتی ہے''۔ یہ تمام روایتیں فن حدیث کے لحاظ سے بہت کم درجہ ہیں۔ تاہم ان سے اتنا ثابت ہوتا ہے کہ یہ جو عام طور سے سمجھا جاتا ہے کہ مسلمانوں کا تعلق ہندوستان سے محمود غزنوی کے فتوحات کے سلسلہ میں ہوا اور وہ اس کے بعد یہاں آ کر آباد ہوئے یہ کس قدر غلط ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ وہ اس ملک کو اپنا مفتوحہ ملک نہیں بلکہ اپنا موروثی پدری وطن سمجھتے ہیں اور جو نہیں سمجھتے ہیں ان کو سمجھنا چاہئے۔ خیر یہ تو تاریخ کی یاد سے پہلے کی باتیں ہیں۔ اگر تاریخی نظر سے دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ وہ محمود سے سینکڑوں برس پہلے ہندوستان آ چکے تھے اور جگہ جگہ ان کی نو آبادیاں قائم تھیں۔

اسلام کے بعد عربوں اور مسلمانوں میں نسبی حیثیت سے سب سے بڑا درجہ سادات یعنی سیدوں کا ہے۔ موجودہ سادات خاندانوں کا بہت بڑا حصہ حضرت امام حسین کے صاحبزادہ حضرت امام زین العابدین کی نسل سے ہے۔ حضرت زین العابدین کی ماں عرب نہ

تھیں۔ایرانیوں کا دعویٰ ہے کہ وہ ایرانی تھیں اور خاندان شاہی سے تھیں۔مگر مورخوں میں سے بعض نے ان کو سندھ کی بتایا ہے[1] اگر یہ اخیر قول صحیح ہو تو اس کے ماننے میں کیا عذر ہوسکتا ہے کہ عرب واسلام کے سب سے شریف ومقدس خاندان کے پیدا کرنے میں ہندوستان کا بھی حصہ ہے؟ اور یہ کہنا بھی صحیح ہوگا کہ اور مسلمان ہوں یا نہ ہوں مگر سادات آل زین العابدین علی ہمیشہ سے نیم ہندوستانی ہیں۔

شمالی ہندوستان میں درہ خیبر سے آنے والے مسلمان ترکوں اور افغانوں کا زمانہ چوتھی صدی ہجری کا آغاز ہے چنانچہ محمود نے لاہور ۴۱۸ھ میں فتح کیا۔لیکن جنوبی ہندوستان بار ملیبار اور کارومندل سے گجرات تک کا علاقہ اس کے سینکڑوں برس بعد تک بھی مسلمانوں کے قبضہ میں نہیں آیا۔ گجرات سلطان علاؤ الدین خلجی نے سنہ ۶۹۷ میں فتح کر کے دلی کے مقبوضات میں شامل کیا اور مدراس کی طرف صرف ایک دفعہ سلطان علاؤ الدین کی فوجوں نے اسی زمانہ میں ملیبار اور کارومندل کے ساحل تک عبور کیا تھا لیکن وہ فتح ناپائیدار تھی اور بعد کو بیجانگر کی دیوار نے صدیوں تک افغانوں اور مغلوں کو آگے بڑھنے نہیں دیا۔دکن کی بہمنی سلطنت کی پوری زندگی بیجانگر کے ساتھ لڑائی جھگڑوں میں کٹی مگر کرشنا سے آگے وہ کسی طرح نہ بڑھ سکی۔البتہ بہمنی سلطنت کی راکھ سے جو پانچ شعلے اٹھے انہوں نے بڑی مشکل سے سنہ ۱۵۶۵ء میں اس کو جلا کر بے نام ونشان کیا۔ پھر بھی چھوٹی چھوٹی ہندو ریاستیں عالم گیر کے زمانہ تک قائم رہیں۔ارکاٹ' میسور اور مدراس کے علاقوں پر انہوں نے یوں ہی اُچٹتا سا قدم رکھا لیکن ان میں سے کوئی بھی دیر تک وہاں جم نہ سکا۔

اس پیمائش سے میرا مقصد یہ ہے کہ میں دکھاؤں کہ ہندوستان کے کن علاقوں پر درۂ خیبر سے اٹھنے والی موجوں کا براہ راست یا بالواسطہ اثر کب پڑا اور ہمارے مضمون کا تعلق ہندوستان کے کس علاقہ سے کس وقت تک ہے۔

پنجاب سنہ ۴۱۴ھ ۱۰۲۳ء' سندھ سنہ ۵۸۲ھ ۱۱۸۶ء' دہلی' قنوج' اودھ' بنارس' سنہ ۵۸۹ھ ۱۱۹۳ء' بہار و بنگال' سنہ ۹۵۔۵۹۳ھ ۹۹۔۱۱۹۵ء' دکن (دیوگیر) سنہ ۶۹۳ھ ۱۲۹۴ء' گجرات سنہ ۶۹۷ھ ۱۲۹۷ء' مہاراشٹر' مدراس سنہ ۷۱۲ھ ۱۳۱۲ء

اس لئے عربوں اور ہندوؤں کے باہمی تعلقات کی تشریح میں ہر صوبہ کے متعلق اس

۱۔ دیکھو کتاب المعارف ابن قتیبہ اور ابن خلکان تذکرہ علی بن حسین زین العابدین رضی اللہ عنہا

کے خیبر سے آنے والی قوموں کے ہاتھوں سے مفتوح ہونے تک ہم اس کے حالات بیان کر سکتے ہیں۔

ہندوستان اور عرب دنیا کے وہ ملک ہیں جو ایک حیثیت سے ہمسایہ اور پڑوسی کہے جا سکتے ہیں۔ ان دونوں کے بیچ صرف سمندر حائل ہے جس کی سطح پر ایسی وسیع اور لمبی چوڑی سڑکیں نکلی ہیں جو ایک ملک کو دوسرے سے باہم ملاتی ہیں۔ یہ دونوں ملک ایک سمندر کے دو آمنے سامنے کے خشکی کے کنارے ہیں۔ اس جل تھل سمندر کا ایک ہاتھ اگر عربوں کے ارض حرم کا دامن تھامے ہے تو اس کا دوسرا ہاتھ ہندوؤں کے آریاورت کے قدم چھوتا ہے۔ دریا کنارے کے ملک فطرۃً تجارتی ہوتے ہیں۔ یہی پہلا رشتہ ہے جس نے ان دونوں قوموں کو باہم آشنا کیا۔ عرب تاجر ہزاروں برس پہلے سے ہندوستان کے ساحل تک آتے تھے اور یہاں کے بیوپار اور پیداوار کو مصر اور شام کے ذریعہ یورپ تک پہنچاتے تھے اور وہاں کے سامان کو ہندستان، جزائر ہند، چین اور جاپان تک لے جاتے تھے۔

عربوں کا راستہ یہ تھا کہ وہ مصر و شام کے شہروں سے چل کر خشکی خشکی بحر احمر (ریڈ سی) کے کنارے کنارے حجاز کو طے کر کے یمن تک پہنچتے تھے اور وہاں سے بادبانی کشتیوں پر بیٹھ کر کچھ تو افریقہ اور حبشہ کو چلے جاتے تھے اور کچھ وہیں سے سمندر کے کناروں کو طے کر کے خلیج فارس کے ایرانی ساحلوں سے گزر کر یا تو بلوچستان کی بندرگاہ تیز میں اتر پڑتے تھے یا پھر آگے بڑھ کر سندھ کی بندرگاہ دیبل (کراچی) میں چلے آتے تھے اور پھر اور آگے بڑھ کر گجرات اور کاٹھیاوار کی بندرگاہ تھانہ (ممبئی) کھمبایت چلے جاتے تھے۔ پھر آگے بڑھتے تھے اور سمندر سمندر کالی کٹ اور راس کماری پہنچتے تھے اور پھر کبھی مدراس کے کسی کنارے پر ٹھہرتے تھے اور کبھی سراندیپ، انڈیمان ہو کر پھر سیدھے مدراس کی مختلف بندرگاہوں پر چکر لگاتے ہوئے خلیج بنگال میں داخل ہو جاتے تھے اور بنگال کی ایک دو بندرگاہوں کو دیکھتے ہوئے برہما اور سیام ہو کر چین چلے جاتے تھے اور پھر اسی راستہ سے لوٹ آتے تھے۔

الغرض اس نقشہ سے معلوم ہوگا کہ ان کے جہازات ہندوستان کے تمام دریائی شہروں اور جزیروں میں برابر چکر لگایا کرتے تھے اور تاریخ کی یاد سے پہلے سے ان کی مسلسل آمدورفت جاری تھی۔

دنیا کی پہلی دریائی تاجر قوم کا نام فرنیشن ہے۔ یہ یونانی نام ہے۔ عبرانی میں ان کا نام

کنعانی ہے اور آرامی بھی ان کو کہتے ہیں۔ اہل عرب ان کو ارم کہتے ہیں اور یہی نام قرآن پاک میں ہے عاد اور ذات العماد ''بڑے بڑے ستونوں اور عمارتوں والے عاد ارم'' اور اسی مناسبت سے عربی تفصیل کے ذریعہ سے ''بہشت ارم'' ہماری زبان میں بھی بولتے ہیں۔

یہ کون قوم تھی؟ محققین کا بیان ہے کہ یہ عرب تھے جو ساحل بحرین کے پاس سے اٹھ کر شام کے ساحل پر جا بسے تھے۔ بحرین گویا مشرق میں مشرقی ملکوں کی بندرگاہ ان کی تھی اور تائر شام میں بحر روم (میڈی ٹیرینین سی) کے کنارے ان کی مغربی بندرگاہ تھی جہاں سے وہ یونان کے جزیروں میں اور یورپ کے شہروں اور شمالی افریقہ کے کناروں تک چلے جاتے تھے اور ادھر مشرق میں وہ ایران' ہندوستان اور چین تک کی خبر لیتے تھے۔ اسی قوم کے ذریعہ سے یونان میں تہذیب وتمدن کا آغاز ہوا اور شمالی افریقہ کے کنارے کارتھیج کی بنیاد پڑی لیکن ان کے جو اثرات مشرقی ملکوں میں پڑے ان کا پورا اندازہ نہیں لگایا گیا ہے۔ یہ سب کو معلوم ہے کہ ہندوستان کی تمام تحریریں بلکہ تمام آرین تحریریں بائیں طرف سے لکھی جاتی ہیں لیکن اس آریاورت کی ابتدائی تحریریں حیرت سے سنا جائے گا کہ سامی طرز تحریر کی طرح داہنی طرف سے شروع ہوتی تھیں۔ علاوہ اس کے گنتی کے لکھنے کا طریقہ بھی اسی تاجر قوم سے شاید سیکھا گیا تھا۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا (طبع ۱۱) کے مضمون سنسکرت کا لکھنے والا یہاں کی ابتدائی تحریر کی تاریخ ان الفاظ میں بیان کرتا ہے۔

''ہندوستانی حروف کی ابتدا کا مسئلہ ابھی شکوک سے گھرا ہوا ہے۔ ہندوستانی تحریر کے قدیم ترین نمونے وہ کتبات ہیں جو چٹانوں پر کندہ ہیں۔ یہ پالی زبان (وہ پراکرت جو جنوبی بودھ مذہبی تحریروں کے لئے استعمال کی جاتی تھی) کے وہ مذہبی احکام ہیں جن کو (سنہ ا۔۲۵۳ ق م) میں موریہ خاندان کے شہنشاہ اشوک نے کندہ کرایا تھا اور یہ شمالی ہند میں' شمالی مغربی سرحد پر' پشاور کے مضافات اور گجرات میں گرنار سے لے کر مشرقی ساحل پر' کٹک کے ضلع میں جوکادہ اور دھولی تک پھیلے ہوئے ہیں انتہائے مغرب کے وہ کتبات جو کپوردا گڈھی یا شہباز گڈھی اور منصورہ کے قرب و جوار میں ہیں دوسرے کتبات کے حروف تہجی سے بالکل جداگانہ حروف میں لکھے گئے ہیں۔ وہ داہنی جانب سے بائیں جانب پڑھے جاتے ہیں۔ ان کو عموماً ''آرین پالی'' کہا جاتا ہے۔ یہ حروف یونانی اور ایرینا کے ہندی ستھین حکمرانوں کے سکوں میں بھی استعمال کئے گئے ہیں۔ رہے دوسرے حروف جو بائیں جانب سے داہنی جانب

پڑھے جاتے ہیں ''ہندی پالی'' حروف کہلاتے ہیں۔ مقدم الذکر نے جن کو کھروشتی (خروشتی) یا گندھارا (لیلی) حروف بھی کہا جاتا ہے اور جو بظاہر کسی سامی (اور شاید آرامی) زبان سے ماخوذ ہیں ہندوستان کی بعد کی تحریروں میں کوئی اثر نہیں چھوڑا ہے۔ دوسری طرف ہندی پالی (یا براہمی) حروف جن سے موجودہ ہندوستانی حروف ماخوذ ہیں بہت زیادہ مشکوک الاصل ہیں۔ اور اگرچہ اشوک کے وقت تک اس خط نے بہت زیادہ ترقی کر لی تھی اور اس کو علمی مقاصد میں حیرت انگیز طور پر استعمال کیا جانے لگا تھا تاہم اس کے بعض حروف کا قدیم فینیقی حروف سے (جو شاید خود مصری ہیروفلیفی خط سے ماخوذ تھے) تشابہ یہ خیال پیدا کرتا ہے کہ شاید یہ بھی سامی الاصل ہوں۔ اس کے اپنے ملک میں روشناس ہونے کے وقت اور ذریعہ کا پتہ شاید اب کبھی بھی نہ چلے۔ بہرحال پروفیسر بولر (Prof. buhler) نے یہ نظریہ پیش کیا ہے کہ شاید عراق کے تاجروں نے آٹھویں صدی ق م میں ان حروف کو یہاں روشناس کرایا ہو۔ تاہم موریہ اور اندھرا کتبات میں ان حروف نے جو مکمل شکل اختیار کر لی ہے اور جس وسیع حلقہ میں وہ پھیلے ہوئے ہیں ان چیزوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس کے تسلیم کرنے میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ ہندوستان میں اشوک سے بہت پہلے فن کتابت کا مختلف اغراض ومقاصد کے لئے استعمال ورواج موجود تھا۔ یہ واقعہ کہ اس عہد کے ادبیات میں تحریر کا کہیں بھی ذکر نہیں ہے شاید اس بنا پر ہو کہ برہمن اپنی مقدس تصانیف کو ضبط تحریر میں لانا پسند نہیں کرتے تھے۔

> ''اب رہا ہندوستان میں اعداد کا سوال تو عیسوی سنہ کے ابتدائی دور میں خروشتی کتبات میں جو طریقہ ہے وہ یہ ہے کہ ابتدائی تین عدد لکیروں کے ذریعہ سے ظاہر کئے جاتے ہیں۔ چار ایک جھکے ہوئے کراس (صلیب) کی طرح ہے اور ۵۔۹ تک اس طرح ۴(+)۱ وغیرہ تا ۴(+)۴(+)۱۔ اس کے علاوہ ۱۰، ۲۰ اور ۱۰۰ کے لئے خاص اعداد ہیں۔ اور باقی دہائیوں کو دس ملا کر یوں لکھا جاتا ہے۔ مثلاً ۵۰=۲۰(+)۲۰(+)۱۰۔ اس طریقہ کے متعلق ثابت ہو چکا ہے کہ یہ سامی اور شاید ارامی ہے۔ براہمی کتبات میں چھٹی صدی عیسوی تک ایک دوسری قسم کے اعداد استعمال کئے گئے ہیں۔ ایک سے تین تک کے لئے آڑی لکیریں ہیں پھر ۴۔۹ تک اکائیوں اور ۱۰، ۹۰

'۱۰۰ اور ۱۰۰۰ کے لئے خاص علامات ہیں۔ یہ طریقہ بہت ممکن ہے کہ مصر سے ماخوذ ہو اور کسور اعشاریہ کیلئے یہ طریقہ جو سب سے پہلے گجرات کے کتبہ میں ملتا ہے شاید یہیں کے منجمین یا ریاضی دانوں کی ایجاد ہو۔''

لیکن اس سے بھی زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ مہا بھارت کے زمانہ میں بھی ہندوستان میں ایسے لوگ تھے جو عربی زبان سے واقف تھے۔ گو مشکل سے اس کا یقین آ سکتا ہے تاہم چونکہ ایک بڑے پنڈت نے اس کو مانا ہے اس لئے مجھے اس کے انکار کی جرأت نہیں۔ ''ستیارتھ پرکاش'' کے مصنف سوامی دیانند جی نے گیارھویں سمولقس (پہلا پرؤ ادھیایہ ۱۴۷) میں لکھا ہے ''کہ مہا بھارت میں جب کوروؤں نے لاکھ کا گھر بنا کر پانڈوؤں کو اس کے اندر جلا کر پھونک دینا چاہا تو ودر جی نے یدھشتھر کو عربی زبان میں بتایا اور یدھشتھر جی نے اسی عربی زبان میں ان کو جواب دیا'' اگر یہ بیان صحیح ہے تو عربوں اور ہندوؤں کا رشتہ کتنا پرانا ثابت ہوتا ہے۔

عربوں اور ہندوؤں کے درمیان تعلقات کا ایک اور ذریعہ بھی تھا۔ اس کی صورت یہ تھی کہ شہنشاہ ایران کا قبضہ بلوچستان اور سندھ پر اکثر رہا۔ اس قبضہ کے تعلق سے سندھ کے بعض جنگجو قبیلوں کے فوجی دستے ایرانی فوج میں داخل تھے۔ ان جنگجو قبیلوں میں سے دو کا ذکر عربوں نے کیا ہے اور وہ جاٹ (زط) اور میڈ ہیں۔ یہ دونوں سندھ کی مشہور قومیں تھیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ عبداللہ بن مسعود صحابی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک خاص شکل وصورت کے لوگوں کو دیکھا تھا جن کی نسبت انہوں نے یہ بتایا کہ ''ان کا چہرہ جاٹوں کی طرح تھا۔''[۱] اس سے معلوم ہوگا کہ اہل عرب چھٹی صدی عیسوی میں بھی جاٹوں سے واقف ہے۔ ایرانیوں کو جب شکست ہوئی تو یہ بہادر جاٹ ہوا کا رخ دیکھ کر چند شرطوں کے ساتھ مسلمانوں کے لشکر سے آ کر مل گئے۔ سپہ سالار اسلام نے ان کی بڑی عزت کی اور ان کو اپنے قبیلوں میں داخل کر لیا۔ حضرت علی نے جنگ جمل کے موقع پر بصرہ کا خزانہ ان ہی جاٹوں کی نگرانی میں چھوڑا تھا[۲] امیر معاویہ نے ان کو رومیوں کے مقابلہ کے لئے شام کے ساحلی شہروں میں لے جا کر بسایا اور ولید بن عبدالملک نے اپنے زمانہ میں ان کو انطاکیہ میں لے جا

۱- ترمذی ابواب الامثال

۱- تاریخ طبری

کرآباد کیا۔[1]

لفظ ہند

مسلمانوں کی آمد سے پہلے اس پورے ملک کا کوئی ایک نام نہ تھا۔ ہر صوبے کا نام الگ الگ تھا۔ یا باہر ریاست کا نام اس کی راجدھانی کے نام سے مشہور تھا۔ اہل فارس نے جب اس ملک کے ایک صوبہ پر قبضہ کیا تو اس دریا کا نام جس کو اب دریائے سندھ کہتے ہیں او رجس کا نام عربوں کی زبان میں مہران ہے ہندھو رکھا۔ پرانی ایرانی زبان اور سنسکرت میں س اور ہ آپس میں بدلا کرتے ہیں۔ اس کی متعدد مثالیں ہیں اس لئے فارس والوں نے اس کو ہندھو کہہ کر پکارا اور اس سے اس ملک کا نام ہند پڑ گیا۔ عربوں نے جو سندھ کے علاوہ اس ملک کے دوسرے شہروں سے بھی واقف تھے انہوں نے سندھ کو سندھ ہی کہا۔ لیکن اس کے علاوہ ہندوستان کے دوسرے شہروں کو ہند قرار دیا اور آخر یہی نام تمام دنیا میں مختلف صورتوں میں پھیل گیا اور ہ کا حرف الف ہو کر فرنچ میں اند اور انڈیا اور اس کی مختلف صورتیں ہو کر تمام دنیا میں مشہور ہو گیا اور خیبر سے آنے والی قوموں نے اس کا نام ''ہندواستھان'' رکھا جو فارسی تلفظ میں ''ہندوستان'' بولا جاتا ہے۔ یہ عجیب حیرت انگیز بات ہے کہ ''ہند'' کا لفظ عربوں کو ایسا پیارا معلوم ہوا کہ انہوں نے ملک کے نام پر اپنی عورتوں کا یہ نام رکھا۔ چنانچہ عربی شاعری میں یہ نام وہ حیثیت رکھتا ہے جو فارسی میں لیلیٰ اور شیریں کی ہے۔

ہندوستان پر عربوں کے حملے

الغرض یہ دوہرے تہرے تعلقات تھے جن کے سبب سے اسلام کے بعد عربوں کو ہندوستان کی طرف توجہ ہوئی اور انہوں نے ایران کی فتح کے بعد اس کی نوآبادیات اور دوسرے مقبوضات کو اپنے تصرف میں لانا ضروری سمجھا اور اس طرح مکران اور بلوچستان کے بعد سندھ کی سرحد ان کے سامنے تھی۔ پھر ان کو اپنے تجارتی جہازوں کی حفاظت کے لئے ہندوستان کی کسی ساحلی بندرگاہ کی تلاش تھی۔ چنانچہ حضرت عمر کے زمانہ حکومت میں عرب جہازوں کے بیڑے کسی معقول بندرگاہ کے قبضہ کے لئے ہندوستان کے سواحل پر منڈلانے لگے۔ آج ممبئی کا پررونق شہر جہاں آباد ہے اسی کے قریب تھانہ (تانہ) جواب بھی موجود ہے

۱- بلاذری۔ ذکر اساورہ

چھوٹا سا بندر تھا۔ سب سے پہلے سن ۱۵ھ (سن ۶۳۶ء) میں اسی بندرگاہ پر عربوں نے بحرین کے گورنر کے حکم سے پہلا حملہ کیا۔ اس کے بعد بھروچ (بروص) پر فوج کشی کی اور اسی زمانہ میں ایک دوسرے عرب مغیرہ نام نے دیبل پر جو سندھ کی بندرگاہ تھی اور جو ٹھٹھہ یا موجودہ کراچی کے قریب تھا حملہ کیا۔ اس کے چند برس کے بعد حضرت عثمان کے زمانہ میں ایک دریائی دستہ ان بندرگاہوں کی دیکھ بھال کر کے واپس چلا گیا۔ حضرت علی کے عہد میں سنہ ۳۹ ھ (سنہ ۶۶۰ء) سے ایک عرب سردار باقاعدہ ان اطراف کی نگرانی کرنے لگا اور آخر وہ سنہ ۴۲ ھ (سنہ ۶۶۳ء) میں مارا گیا۔ سنہ ۴۴ھ (سن ۶۶۵ء) میں امیر معاویہ نے مہلب نامی سردار کو سندھ کی سرحد کا نگراں بنا کر بھیجا اور اس کے بعد عربوں کی حکومت میں یہ ایک مستقل عہدہ قرار پا گیا۔

سنہ ۸۶ ھ (سنہ ۷۰۵ء) میں دمشق کے تخت شاہی پر جب ولید اموی بیٹھا اور اسکی طرف سے حجاج عراق و ایران و مکران و بلوچستان یعنی حکومت کے مشرقی مقبوضات کا نائب مقرر ہوا تو اس نے ہندوستان اور ہندوستان کے جزیروں کے ساتھ اپنے تعلقات اور مضبوط کئے۔ عرب تاجر برابر آتے جاتے رہتے تھے مگر ساتھ ہی ساتھ ہندوستان کے اکثر ساحلوں سے بحری قزاق ان جہازوں پر ڈاکہ ڈالا کرتے تھے۔ چنانچہ البیرونی کے زمانہ تک (سنہ ۴۲۴ھ) سومنات اور کچھ بحری ڈاکوؤں کی سب سے بڑی جائے پناہ تھی[1] بہر حال واقعہ یہ ہے کہ لنکا میں کچھ عرب سوداگر تجارت کرتے تھے۔ ان کا وہاں انتقال ہو گیا۔ لنکا کے راجہ نے ان کی عورتوں اور بچوں کو ایک جہاز پر سوار کر کے عراق روانہ کیا۔ راستہ میں سندھ کی بندرگاہ دیبل کے قریب ڈاکوؤں نے اس پر چھاپہ مارا اور عورتوں کو پکڑ لیا۔ ان عورتوں نے اس مصیبت کے وقت حجاج کی دہائی دی۔ حجاج کو جب اس کی خبر ہوئی تو اس نے سندھ کے راجہ داہر کو لکھ بھیجا کہ ان عورتوں کو حفاظت کے ساتھ میری پاس بھجوا دو۔ راجہ نے معذرت کی کہ یہ دریائی ڈاکوؤں کا کام ہے جو ہمارے قبضہ میں نہیں۔ عراق کے نائب نے اس معذرت کو قبول نہ کیا۔ اسی دوران میں یہ واقعہ بھی پیش آیا کہ مکران سے کچھ عرب مجرم اور باغی بھاگ کر سندھ میں پناہ گزیں ہوئے اور انہوں نے راجہ داہر کی ماتحتی میں اپنا ایک جتھا بنا لیا۔ اس واقعہ نے بھی حجاج کو مشتعل کیا۔ چنانچہ اس نے اپنے نوجوان بھتیجے محمد بن قاسم کی سرکردگی میں شیراز

۱- کتاب الھند ص ۱۰۲ لندن

سے چھ ہزار فوج سندھ روانہ کی اور کچھ فوج مع سامان کے دریائی راستہ سے سندھ کی طرف بھیجی اور اس کی کمک کے لئے ایران کے پرانے راستہ سے خشکی کی طرف سے بھی فوجیں بھیجیں۔ سنہ ۹۳ھ میں محمد بن قاسم سندھ پہنچا اور تین برس کے عرصہ میں چھوٹے کشمیر کی سرحد ملتان سے (عرب پنجاب کو چھوٹا کشمیر کہتے تھے) لیکر کچھ تک اور ادھر مالوہ کی سرحد تک قبضہ کر لیا اور پورے سندھ میں اس نے نہایت عدل وانصاف اور امن کی سلطنت قائم کر دی۔ راجہ داہر کے ساتھ مل کر جن ہندی سپاہیوں نے عربوں کا سب سے زیادہ مقابلہ کیا ان کا نام بلاذری نے جس نے سنہ ۲۵۵ھ (۸۵۵ء) میں اپنی کتاب لکھی ہے۔ تکاکرہ بتایا ہے جو ''ٹاہر'' کی عربی جمع ہے۔ سنہ ۹۶ھ میں ولید نے وفات پائی اور اس کی جگہ تخت پر سلیمان بیٹھا۔ اس کو حجاج اور اس کے خاندان اور کارندوں کے ساتھ ذاتی عداوت تھی۔ اس لئے اس سال حجاج کے مقرر کردہ دوسرے افسروں کے ساتھ محمد بن قاسم کو بھی اس نے سندھ سے واپس بلا لیا اور بالآخر اپنے ذاتی انتقام کے نشہ میں اس کو قتل کرا دیا۔ اس قتل کے اسباب میں راجہ داہر کی دو بیٹیوں کا افسانہ ذکر کے قابل نہیں کہ اس کی تردید بارہا ہو چکی ہے۔ بلکہ یہ واقعہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جب قاسم سندھ سے واپس جانے لگا تو سندھ کی رعایا نے اپنے نیک دل اور عادل فاتح کی جدائی میں آنسو بہائے اور اس کی یادگار میں اس کا بت بنا کر کھڑا کیا۔ (۱)

بہرحال اس کے بعد مختلف گورنر یہاں مقرر ہو کر آتے رہے۔ سنہ ۱۰۷ھ میں جنید گورنر ہو کر آیا۔ یہ بلند حوصلہ افسر تھا۔ اس نے سندھ سے کچھ پر حملہ کیا۔ پہلے مرمد آیا اور یہاں سے مانڈل اور پھر دھنج پہنچا اور وہاں سے بھروچ کی بندرگاہ تک گیا اور اس کے ایک افسر نے اجین (مالوہ) تک دھاوا کیا اور وہاں سے پھر سید اور بھیل مال کو فتح کرتا ہوا گجرات پہنچا اور وہاں سے پھر سندھ واپس آ گیا مگر یہ تمام فتوحات کی حیثیت ایک گزر جانے والی آندھی سے زیادہ نہیں۔ سنہ ۱۳۳ھ (سنہ ۷۵۱ء) میں عربی حکومت کے دفتر کا ورق الٹ گیا۔ امویوں کی جگہ عباسی آئے، شام کی بجائے عراق سلطنت کا صوبہ قرار پایا اور حکومت کا مرکز دمشق سے ہٹ کر بغداد چلا گیا۔ اس انقلاب نے ہندوستان کو عرب سلطنت کے مرکز سے بہت زیادہ قریب کر دیا۔ سنہ ۱۴۰ھ (سنہ ۷۵۹ء) میں ہشام سندھ کا گورنر ہو کر آیا۔ اس نے عمر بن جمل نام ایک

۱- تاریخ فتوح البلدان بلاذری۔ باب فتح سندھ

افسر کو جہازوں کا ایک بیڑا دے کر گجرات بھیجا۔ وہ لوٹ مار کر چند روز میں ناکام واپس آ گیا اور آخر ہشام نے خود ایک بیڑا لے کر بھروچ کے قریب گندھار پر قبضہ کیا اور یہاں اس نے اپنی فتح کی یادگار میں ایک مسجد بنوائی۔ یہ اس ملک گجرات میں اسلام کا پہلا قدم تھا اور سندھ کے علاوہ ہندوستان میں یہ پہلی مسجد تھی۔

منصور کے بعد مہدی خلیفہ ہوا۔ اس کے حکم سے عبدالملک نے گجرات پر پہلا حملہ کیا اور سنہ ۱۶۰ھ (سنہ ۷۷۸ء) میں باربد کو جس کا ہندی نام بھاربھوت ہے اور جو بھروچ کے قریب ہے اس کو فتح کیا لیکن فوج میں اتفاقاً وبا پھوٹ گئی جس میں ایک ہزار سپاہی مر گئے۔ اس سانحہ سے پریشان ہو کر عرب الٹے پاؤں پھر گئے۔

بغداد کی سلطنت معتصم باللہ عباسی تک جس کی وفات سنہ ۲۲۷ھ میں ہوئی مضبوط رہی اور اس کے بعد روز بروز ایسی کمزور ہوتی گئی کہ اس کا تعلق سندھ اور ہندوستان سے ٹوٹ گیا۔ کچھ دن تک عرب امراء یہاں خود مختار بنے رہے لیکن بالآخر ہندو راجاؤں نے پھر قبضہ کر لیا اور بعد کو صرف دو مشہور عرب ریاستیں یہاں قائم رہ گئیں جن میں ایک ملتان میں تھی اور دوسری سندھ کے عربی شہر منصورہ میں۔ یہاں یہ واقعہ ذکر کے قابل ہے کہ ان ہندو راجاؤں نے بھی مسلمان رعایا کے ساتھ رواداری کا برتاؤ کیا اور ان کی مسجدوں کو اسی طرح اپنی جگہ پر برقرار رہنے دیا (۱)

سندھیوں کی شکست کا راز

اس سے پہلے کہ آگے بڑھیں یہ معلوم کرنا ہے کہ چند ہزار عربوں کی فوج جو دور دراز راستوں سے آئی ہو ایک ہی حملہ میں اس ملک پر کیونکر قابض ہو گئی۔ سندھیوں کی شکست بھی میرے نزدیک اسی ایک سبب کا نتیجہ ہے۔ جس کے ذریعہ سے دنیا میں ہر قوم دوسری قوم کی محکوم بنی ہے۔ عربوں کے بیانات سے یہ قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ اس وقت یعنی پہلی صدی ہجری کے آخر اور آٹھویں صدی عیسوی کے اول میں سندھ میں بودھ مذہب کا رواج تھا۔ اہل عرب بودھوں کو سنیہ کہتے تھے (اس لفظ پر آئندہ بحث ہو گی) تمام جغرافیہ نویسوں نے یہاں بدھ [۲] نام ایک آبادی کا ذکر کیا ہے جس کا صحیح نام

۱- یہ تمام واقعات فتوح البلدان میں ہیں۔

۲- بشاری مقدسی اور ابن حوقل ذکر سندھ

چچ نامہ میں بدھپور ہے[1] پھر یہاں نو و یہار(۲) نام پرستش گاہ کا ذکر ملتا ہے جو خاص بودھ معبد کا نام ہے۔ ان کے پجاری کا نام سنیہ ملتا ہے جو برہمنوں کے حریف تھے۔ الیٹ صاحب بھی اسی دعویٰ میں کہ اس وقت سندھ کا مذہب بدھ تھا ہمارے ہم آواز ہیں۔ کہتے ہیں:

''چونکہ بدھ مت سندھ میں اس وقت مسلمہ طور پر رائج تھا۔ جب مسلمانوں کو پہلے پہل ہندوستانی قوم پرستی سے سابقہ پڑا۔ اس لئے لازمی طور پر اس نام (بد) کا ماخذ بدھ ہے نہ کہ فارسی لفظ بد (بت) جو غالباً خود بھی لفظ بودھ کی محرف شکل ہے۔ بہت سے آثار اس بات کے موجود ہیں کہ بدھ مت اس عہد میں وادی سندھ میں پھیلا تھا۔ نہ صرف مخصوص طور پر چینی سیاحوں کے تذکرے اور ابن خرداذبہ کا بیان اس کی تائید کرتا ہے بلکہ مصنفین کے چند ضمنی اشارات و تعلیمات بھی ہیں جن میں خاص طور پر کوئی تذکرہ برہمنوں اور بدھوں کا بحیثیت ایک دوسرے کے حریف ہونے کے نہیں ہے کیونکہ ان دونوں کا امتیاز باہمی (خصوصا طرز عبادت' ایصال ثواب) قصص مذہبی عام طور پر اس قدر نازک ہے کہ ناواقف اور مغرور بدیسیوں کی توجہ مشکل سے ادھر منعطف ہو سکتی تھی۔ چنانچہ جہاں کہیں پجاریوں کا تذکرہ ہے عموماً ان کو ''سنی'' کہا گیا ہے۔ سلطنت کا ہاتھی سپید ہوتا تھا جو ایک نہایت معنی خیز بات ہے۔ ایک ہزار برہمن (پجاری) جس نام سے کہ ان کا عربی کتابوں میں تذکرہ ہے اور جو چاہتے تھے کہ اپنے قدیم مذہبی معتقدات اور رسم ورواج کو قائم رکھیں ان کو محمد بن قاسم نے خلیفہ وقت کی اجازت سے فرمان دیا تھا کہ وہ اپنے ہاتھوں میں کچکول لے کر ہر صبح کو در بدر پھر کر اپنی روزی حاصل کریں اور یہ ایک مخصوص مذہبی رسم ہے جو بدھ پجاریوں میں جاری ہے اور سب سے آخر یہ کہ مجسمے بنا کر یا کسی اور طور پر اپنے فاتحوں کی جسمانی یادگار قائم کرنا' یہ تمام امور بدھوں کے خصائص طبعی کی طرف اشارہ کرتے ہیں نہ برہمنوں کی۔ ان اثباتی دلائل کے علاوہ منفی

۱- الیٹ جلد اول صفحہ ۱۳۸

۲- ایضا ۱۵۲' ۱۵۳

> شہادت بھی اس امر سے ہوتی ہے کہ کوئی تذکرہ ستی، جنیو، گئو پوجا، اشنان (یا نہان) ہون پجاریوں کے ہتھکنڈوں اور دوسرے پیشوایانہ تحکمات، جوگیانہ نفس کشی یا دیگر رسوم و اعمال نہیں ملتا''۔

سندھ کی سب سے پہلی پرانی اسلامی تاریخ جو عام طور پر چچ نامہ کے نام سے مشہور ہے (اور جس کے دوسرے نام تاریخ الہند و السند اور منہاج المسالک ہیں) کے مطالعہ سے پوری طرح واضح ہو جاتا ہے۔ سندھ میں بودھوں اور برہمنوں کے درمیان اختلاف اور مخاصمت برپا تھی اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں مذہب بعض گھرانوں میں اس طرح بھی پھیلے ہوئے تھے کہ ایک ہندو ہے تو دوسرا بودھ ہے۔ اسی بنا پر سندھ کے راجاؤں کے حالات پڑھ کر مجھے یہ فیصلہ کرنا پڑا ہے کہ راجہ چچ ہندو برہمن تھا۔ اس نے چھوٹے چھوٹے بدھ راجاؤں کو لڑ بھڑ کر مٹا دیا یا باجگزار بنا لیا تھا[1] یہ راجہ چھٹی صدی عیسوی کے آخر میں سندھ میں فرمانروا تھا۔ اس کے بعد راجہ چندر اس کا بھائی راجہ ہوا۔ یہ بودھ مت کا پرجوش پیرو تھا اور جن لوگوں نے اپنا مذہب پہلے چھوڑ دیا تھا ان کو بزور اس نے بودھ بنایا[2] ہندو برہمنوں نے یہ دیکھ کر سر اٹھایا۔ ناچار وہ معرکوں میں نکلا مگر کامیاب نہیں ہوا۔ اس کے بعد چچ کا بیٹا راجہ داہر اس کی جگہ بیٹھا۔ یہ مجھے ہندو برہمن معلوم ہوتا ہے۔

تاریخ قیاسات سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اس وقت جب مسلمان سندھ کی سرحد پر تھے ملک میں ان دونوں مذہبوں کے اندر جنگ برپا تھی اور بودھ برہمنوں کے مقابلہ میں اپنے کو بے دست و پا پا کر مسلمان کی طرف صلح و محبت کا ہاتھ بڑھا رہے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ عین اس وقت جب محمد بن قاسم کی فاتح فوج شہر نیروں میں پہنچتی ہے تو وہاں کے باشندوں نے اپنے سمنیوں یعنی بودھ پجاریوں کو پیش کیا اور معلوم ہوا کہ ''انہوں نے اپنے سفراء خاص عراق حجاج کے پاس بھیج کر امان حاصل کر لی ہے''۔ چنانچہ نیروں کے لوگوں نے محمد کا شاندار استقبال کیا۔ اس کے لئے رسد کا انتظام کیا اور اس کو اپنے شہر میں داخل کیا اور صلح کی پوری پابندی کی۔ اس کے بعد جب اسلامی فوج نہر سندھ کو عبور کر کے سدوساں پہنچتی ہے تو پھر سمنیہ بودھ لوگ صلح کے قاصد بنتے ہیں[3] اسی طرح سیوستان میں ہوتا ہے کہ سمنی لوگ

۱- چچ نامہ الیت ج ا ص ۱۴۲، ۱۵۲

۲- ایضا ۱۵۲، ۱۵۳

۳- بتضری ص ۴۳۷، ۴۳۸

(بودھ) بجے رائے اپنے راجہ کو چھوڑ کر بخوشی مسلمانوں کا ساتھ دیتے ہیں اوران کو بدل قبول کرتے ہیں۔ سندھ میں کا کا کوئی مشہور عقلمند اور سیاستداں تھا۔ جاٹ روسا اس کے پاس جا کر مشورہ کرتے ہیں کہ کیا مسلمانوں کی فوج پر شب خون مارا جائے؟ وہ جواب میں کہتا ہے ''اگر تم ایسا کر سکو تو بہتر ہے مگر سنو ہمارے پنڈتوں اور جوگیوں نے جنتر دیکھ کر یہ پیشن گوئی کر دی تھی کہ اس ملک کو ایک دن مسلمان فتح کر لیں گے''۔ لوگ اس کی بات نہیں مانتے اور نقصان اٹھاتے ہیں۔ کا کا نے کہا ''تم خوب جانتے ہو کہ میرا ارادہ اور عزم مشہور ہے لیکن بودھوں کی کتابوں میں پیشن گوئی پہلے ہی لکھی جا چکی ہے کہ ہندوستان کو مسلمان فتح کر لیں گے اور میں بھی یقین رکھتا ہوں کہ درحقیقت ایسا ہی ہونے والا ہے''۔ اس کے بعد کا کا محمد بن قاسم کے پاس چلا جاتا ہے اور جاٹوں کے ارادہ سے اس کو آگاہ کرتا ہے اور اپنی کتابوں کی پیشنگوئی اس کو سناتا ہے محمد بن قاسم اسکو بہ عزت تمام لیتا ہے اور اس کو اور اس کے ساتھیوں کو انعام و اکرام اور خلعت سے سرفراز کرتا ہے۔ اسی طرح راجہ داہر کے بہت سے مخالف افسر (غالباً بودھ) خود آ کر اطاعت کرتے ہیں[1]

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سندھ کے بودھوں نے ایک طرف مسلمانوں کو اور دوسری طرف برہمنوں کو تولا تو ان کو مسلمان بہتر نظر آئے اور دوسری وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ اس سے پہلے ترکستان و افغانستان کے بودھوں کے ساتھ مسلمانوں نے جو حسن سلوک کیا اور ان لوگوں نے جس کثرت اور سرعت کے ساتھ اسلام کو اختیار کیا اس کا اثر اس ملک کے بودھوں پر بھی پڑا۔

ہندوستان کے عرب سیاح اور جغرافیہ نویس

اس وقت عربی زبان میں جغرافیہ کی سب سے پہلی کتاب جس میں ہندوستان کا کچھ حال ملتا ہے وہ ابن خردازبہ (سنہ ۲۵۰ھ) کی کتاب المسالک والمما لک ہے۔

۱- ابن خردازبہ سنہ ۲۵۰ھ

یہ نویں صدی عیسوی میں معتمد خلیفہ عباسی کے زمانہ میں ڈاک اور خفیہ اطلاعات کے محکمہ کا افسر تھا۔ اس لئے اس نے بغداد سے مختلف ملکوں کی مسافتوں اور آمد و رفت کے راستوں کی تشریح میں یہ کتاب لکھی ہے۔ اس میں اس نے ہندوستان کے بری اور بحری تجارتی راستوں کی

۱- چچ نامہ الیٹ ص ۱۰۶

تفصیل بیان کی ہے اور یہاں کی مختلف ذاتوں کا تذکرہ کیا ہے۔ یہ گو خود ہندوستان نہیں آیا مگر اس کے عام معلومات کی بنیاد بطلیموس کے جغرافیہ پر ہے اور خاص خاص معلومات اس کے محکمہ کے سرکاری اطلاعات پر مبنی ہیں اور تاجروں اور مسافروں سے اپنے عہدہ کی وجہ سے اس کی ملاقاتیں برابر ہوتی رہتی تھیں اس لئے اس کے یہ ذاتی معلومات گویا ایک ہندوستانی سیاح کے برابر تھے۔ اس کی کتاب سنہ ۱۸۸۹ء میں مطبع بریل لیڈن میں دی غوجی (De Goeje) نے شائع کی ہے۔

ابن خرداذبہ نے سندھ کے تحت میں جن شہروں کا ذکر کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل عرب بلوچستان کے بعد سے لے کر گجرات تک سب کو سندھ سمجھتے تھے۔ چنانچہ اس نے سندھ کے یہ شہر گنائے ہیں: قیقان، بنہ، مکران، مید، قندھار، قصدار، بوقان، قندابیل، قنز پور، ارمابیل، دیبل، قنبلی، کنبایاذ کھمبایت، سہبان، سدوسان، راسک، روز، ساوندری، ملتان، مندل، بیلمان، سرشت، کیرج، مرمد، قالی (کالی) دہنج، بروص (بھروچ) (ص ۵۵) پھر ہندوستان کے مشہور شہروں کے نام لئے ہیں۔ سامل، هورین (اجین) قالون، قندھار (گندھارا)، قشمیر (کشمیر) (۶۸)

ابن خرداذبہ کہتا ہے کہ "ہندوستان میں ۷ ذاتیں ہیں (۱) شاکشری (چھتری) یہ اس ملک کے شرفاء ہیں۔ انہیں میں سے بادشاہ ہوتے ہیں، ان کو سب سجدہ کرتے ہیں، وہ کسی کو سجدہ نہیں کرتے (۲) براہمہ (برہمن) یہ شراب اور نشہ کی چیز نہیں پیتے (۳) کستری (کھتری) یہ تین پیالوں تک پی لیتے ہیں۔ برہمن ان کی بیٹی لے لیتے ہیں مگر ان کو دیتے نہیں۔ (۴) شودر۔ یہ کھیتی والے ہیں (۵) بیش (ویش) یہ پیشوں والے ہیں (۶) شندال (چنڈال) یہ کھلاڑی اور کلاونت ہیں۔ ان کی عورتیں خوبصورت ہوتی ہیں اور (۷) ذنب (ڈوم) یہ گاتے بجاتے ہیں۔ ہندوستان میں ۴۲ قسم کے مذہب جاری ہیں۔ کوئی خدا اور رسول دونوں کو مانتا ہے، کوئی ایک کو مانتا ہے، کوئی کسی کو نہیں مانتا ہے۔ ان کو اپنی جادوگری اور جنتر منتر پر بڑا ناز ہے" (ص ۷۱)

۲۔ سلیمان تاجر سنہ ۲۳۷ھ

یہ سب سے پہلا عرب سیاح ہے جس کا سفرنامہ ہم تک پہنچا ہے۔ سنہ ۱۸۱۱ء میں پیرس میں سلسلۃ التواریخ کے نام سے یہ چھپا ہے۔ یہ ایک سوداگر تھا جو عراق کی بندرگاہ سے چین تک

سفر کیا کرتا تھا اور اس طرح یہ ہندوستان کے پورے ساحل کا چکر لگایا کرتا تھا۔ اس نے اپنے یہ مختصر حالات سنہ ۲۳۷ھ میں لکھے ہیں جس کو آج قریب قریب گیارہ سو برس ہوتے ہیں۔

یہ سب سے پہلا ماخذ ہے جس میں بحر ہند کا نام دریائے ہرگند ہم کو ملتا ہے اور پھر اسی نام سے اہل عرب نے اس کو یاد کیا ہے۔ ہرگند سمندر کے اس حصہ کو کہتے ہیں جو جنوبی ہند کے کناروں سے بہتا ہے۔ سلیمان کہتا ہے کہ ''مشہور ہے کہ اس میں انیس سو کے قریب جزیرے ہیں۔ ان جزیروں پر ایک عورت کی حکومت ہے۔ ان میں عنبر اور ناریل کے درختوں کی کثرت ہے۔ ایک جزیرہ دوسرے جزیرے سے دو تین فرسخ پر واقع ہے۔ یہاں کے لوگ بڑے صناع ہیں۔ یہ کرتہ دونوں آستینوں دامنوں اور گریبان کے ساتھ بن لیتے ہیں اور اسی طرح جہاز بناتے ہیں۔ سب سے آخری جزیرہ کا نام سراندیپ ہے اور ان میں سے ہر جزیرہ کا نام دیپ ہے۔ اسی سراندیپ میں حضرت آدم کا نقش پا ہے۔ ان سب سے پیچھے جزیرہ انڈیمان ہے۔ یہاں کے لوگ وحشی ہیں' بدصورت اور کالے ہوتے ہیں۔ گھنگھریلے بال' ڈراؤنے چہرے' لمبے پاؤں' ننگ دھڑنگ' آدمی کو زندہ پکڑ کر کھا جاتے ہیں۔ خیریت ہے کہ ان کے پاس کشتیاں نہیں ہیں ورنہ ادھر سے جہازوں کا گزرنا مشکل ہوتا''۔ جنوبی ہند کے بعض ساحلوں کے متعلق لکھتا ہے کہ ''وہ صرف ایک لنگوٹی باندھتے ہیں''۔

اس نے ایک عجیب بات یہ نقل کی ہے جس سے اس زمانہ کے لوگوں کی تنقیدی نظر تمام دنیا کے متعلق معلوم ہوتی ہے کہ ''اہل ہند اور اہل چین کا متفقہ بیان ہے کہ دنیا میں صرف چار بادشاہ ہیں سب سے اول عرب کا بادشاہ' یہ شہنشاہ اور تمام بادشاہوں کا بادشاہ سب سے دولتمند ہے اور ایک بڑے مذہب کا بادشاہ ہے۔ پھر چین کے بادشاہ کا نمبر ہے۔ پھر روم کے بادشاہ کا۔ پھر ہندوستان کے راجہ بلہرا (ولبھ رائے گجرات کا راجہ) کا''۔

اس نے ہندوستان کے سواحل کے ۴ بادشاہوں کا ذکر کیا ہے جن میں پہلا نام راجہ بلہرا کا ہے۔ ''جو سب راجاؤں کا راجہ ہے۔ اس کے فوجی وظیفوں کا نظام عربوں کی طرح ہے۔ اس کے سکے بھی ہیں۔ اس پر راجہ کا سنہ راجہ کی مسند نشینی سے شروع ہوتا ہے۔ ہندوستان کے سب راجاؤں سے زیادہ یہاں کے راجہ عربوں سے محبت رکھتے ہیں۔ ان کا اعتقاد ہے کہ اسی لئے ان کے راجاؤں کی عمریں بڑی ہوتی ہیں۔ پچاس پچاس برس تک وہ راج کرتے ہیں۔

ان کے ملک کا نام کمکم (کوکن) ہے ''جو سمندر کے کنارے ہے۔ آس پاس کے راجاؤں سے اس کی لڑائیاں رہا کرتی ہیں''۔ لفظ بلہرا کی اصلیت پر ابتدائی محققوں میں کچھ اختلافات رہے مگر اب یہ بہ تحقیق ثابت ہو گیا ہے کہ بلہر ادراصل ولبھ رائے کی خرابی ہے اور کمکم کوکن کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ ولبھ رائے کا خاندان یہاں مدتوں تک حکمراں رہا ہے۔

ولبھ رائے کے بعد جزر کے بادشاہ کا ذکر ہے۔ جزر' اصل میں گجر ہے۔ گوجر راجہ گجرات کے راجہ تھے۔ کہتا ہے کہ ''اس راجہ کے پاس فوجیں بہت ہیں' اس کے پاس جیسے گھوڑے ہیں ویسے کسی راجہ کے پاس نہیں لیکن یہ عربوں کا سخت دشمن ہے۔ اس کا ملک بھی سمندر کے دہانے پر ہے۔ اس کے پاس مویشی جانور بہت ہیں۔ ہندوستان کے تمام ملکوں میں سے سب سے زیادہ یہ ملک چوری سے محفوظ ہے''۔

''اس کے بعد طافن کا بادشاہ ہے۔ اس کا ملک بہت تھوڑا ہے۔ یہاں کی عورتیں بہت خوبصورت ہیں۔ یہاں کا راجہ سب سے صلح رکھتا ہے اور عربوں سے محبت رکھتا ہے۔'' لفظ طافن کی اصلیت میں یورپین محققوں کا اختلاف ہے۔ یہ لفظ طافن کے بجائے طاقن بھی بعض نسخوں میں ملا ہے۔ اس کو بعضوں نے موجودہ اورنگ آباد دکن کے قریب بتایا ہے۔ بعض اس کو کشمیر کے پاس لے گئے ہیں لیکن میرے نزدیک یہ طاقن لفظ ہے اور یہ دکھن کی خرابی ہے۔

''اس کے بعد رھمی کا راجہ ہے جس کے پاس راجہ بلہرا اور دوسرے راجاؤں سے زیادہ فوج ہے۔ اس کی فوج کے ساتھ پچاس ہزار ہاتھی ہوتے ہیں۔ اس کے ملک میں ایسے سوتی کپڑے ہوتے ہیں جو کہیں اور جگہ نہیں ہوتے''۔ کپڑوں کی تعریف کی بنا پر سمجھا جاتا ہے کہ یہ ڈھاکہ کے قریب کسی راما نام راجہ کی حکومت تھی۔

اس نے ہندوستان کے بہت سے قوانین بھی لکھے ہیں۔ مثلاً یہ کہ ''جب ایک دوسرے پر کوئی دعویٰ کرتا ہے تو ملزم کے سامنے لوہا گرم کر کے رکھا جاتا ہے اور اس کے ہاتھ پر پان کے سات پتے رکھ کر لوہا رکھ دیا جاتا ہے اور وہ اس کو لے کر آگے پیچھے چلتا ہے۔ پھر وہ اس لوہے کو گرا دیتا ہے اور اس کے ہاتھ کو کھال کی ایک تھیلی میں رکھ کر بادشاہی مہر اس پر کر دی جاتی ہے۔ تین دن کے بعد دھان لا کر اس کو دئے جاتے ہیں کہ وہ ان کو چھیل کر چاول نکالے تو اگر اس کے ہاتھ پر اثر نہیں ہوتا تو وہ سچا سمجھا جاتا ہے اور مدعی پر جرمانہ کر کے خزانہ شاہی میں داخل کیا جاتا ہے۔ کبھی گرم لوہے کے بجائے لوہے یا تانبے کے برتن میں پانی گرم

کیا جاتا ہے اور اس میں ایک لوہے کی انگوٹھی چھوڑ دی جاتی ہے اور اس کو کہا جاتا ہے کہ ہاتھ ڈال کر انگوٹھی اس میں سے نکال لے'' سلیمان کہتا ہے کہ ''میں نے بعض لوگوں کو دیکھا کہ ان کے ہاتھ بالکل صحیح و سالم نکل آئے''۔ یہ بھی کہتا ہے کہ ''یہاں مردے جلائے جاتے ہیں۔ صندل' کافور اور زعفران اس میں ڈالتے ہیں اور راکھ ان کی ہوا میں اڑا دیتے ہیں۔ یہاں یہ بھی قاعدہ ہے کہ جب راجہ مرتا ہے تو اس کے ساتھ اس کی سب رانیاں بھی جل کر ستی ہو جاتی ہیں لیکن یہ صرف خواہش پر موقوف ہے کوئی جبر نہیں ہے''(۵۰)

یہ بھی وہ بیان کرتا ہے کہ ''یہاں سلطنت موروثی ہے ان کے ولی عہد ہوتے ہیں۔ اسی طرح یہاں جو دوسرے عہدے اور پیشے ہیں وہ بھی موروثی ہیں اور یہاں کے کل راجہ مل کر ایک بڑے راجہ کے ماتحت نہیں بلکہ ہر ایک کا راج علیحدہ علیحدہ ہے۔ کوئی کسی کے ماتحت نہیں لیکن ولبھ رائے (بلہرا) سب راجاؤں میں بڑا ہے''(۵۱)

''یہاں شادی بیاہ سے پہلے لڑکا اور لڑکی والے پہلے پیام وسلام کرتے ہیں۔ پھر تحفہ تحائف بھیجتے ہیں اور شادی میں خوب ڈھول' جھانجھ بجاتے ہیں اور جس قدر ممکن ہو دان دیتے ہیں''(۵۳) تمام ہند میں بدکاری کی سزا دونوں ملزموں کا قتل ہے۔ اسی طرح چوری کی سزا بھی قتل ہے۔ ہندوستان میں اس کا طریقہ یہ ہے کہ چور کو ایک نوکیلی مخروطی لکڑی پر بٹھاتے ہیں اور وہ لکڑی نیچے سے حلق تک چلی آتی ہے''(۵۴)

آج یہ سن کر تعجب ہوگا کہ ہندوستان میں لوگ کبھی لمبی لمبی داڑھیاں بھی رکھتے تھے۔ ہمارے سیاح کا بیان ہے کہ ''یہاں میں نے تین تین ہاتھ کی داڑھیاں دیکھیں'' (۵۵) ''جب کوئی مرتا ہے تو اس کے عزیز داڑھی اور مونچھ کا بھدر کراتے ہیں۔ جب کوئی قید کیا جاتا ہے تو سات دن تک اس کو کھانا پانی نہیں دیتے۔ یہاں ہندو جج بیٹھ کر مقدمات فیصل کرتے ہیں۔ ڈاکو کی سزا بھی قتل ہے۔ جانور کو ذبح کر کے نہیں بلکہ اس کو کسی چیز سے مار کر کھاتے ہیں۔ اہل ہند دوپہر کے کھانے سے پہلے نہاتے ہیں' مسواک کرتے ہیں' بے مسواک کئے نہیں کھاتے''۔ (۵۶) ایک عرب کے لئے سب سے تعجب کی بات ہے کہ کسی ملک میں چھوہارا نہ ہو۔ ہمارے عرب سیاح کو بھی یہی تعجب ہے۔ کہتا ہے کہ ''ہندوستان میں چھوہارے کا درخت نہیں اور سب پھل ہیں اور ایک پھل ایسا ان کے پاس ہے جو ہمارے یہاں نہیں'' (۵۶) ہو نہ ہو یہ آم ہوگا۔ ہندوستان میں انگور بھی نہیں۔ انار البتہ ہیں۔ ہمارے تکلف پسند

سیاح کو اس پر تعجب ہے کہ ''ہندوستان میں زمین پر فرش بچھانے کا رواج نہیں'' (۵۴)
''بیوی رکھنے کی تعداد بھی یہاں مقرر نہیں جتنی چاہے رکھے'' ''ان کی غذا چاول ہے'' (۵۴)
''چین کے مذہب کی اصل ہندوستان ہی سے ہے۔ بودھوں کے مجسمے پوجتے ہیں۔ طب، نجوم اور فلسفہ ہندوستان میں ہے'' (۵۷) ''جانوروں میں یہاں گھوڑے کم ہیں''۔ (۵۷)
چین ہندوستان سے زیادہ صاف ستھرا ملک ہے۔ دونوں ملکوں میں بڑے بڑے دریا ہیں۔ ہندوستان میں جنگل بہت ہیں اور چین پورا آباد ہے۔ اہل ہند کا لباس یہ ہے کہ ایک کپڑا کمر سے باندھتے ہیں اور دوسرا اوپر ڈال لیتے ہیں۔ مرد اور عورت سب سونے اور جواہرات کے زیور پہنتے ہیں''۔

۳-ابوزید حسن سیرافی سنہ ۲۶۴ھ

سیراف خلیج فارس کی مشہور بندرگاہ تھی۔ ابوزید یہیں کا رہنے والا تھا۔ سنہ ۲۶۴ھ کا سنہ اس کی کتاب میں ملتا ہے اور مسعودی سیاح سنہ ۳۰۰ھ میں سیراف میں اس سے ملا تھا۔ یہ بھی ایک عرب تاجر تھا۔ اس نے سلیمان تاجر کے سفرنامہ کو پڑھ کر اس کے پچیس، تیس برس کے بعد اس کا تکملہ لکھا ہے۔ وہ بھی سیراف اور ہندوستان اور چین کے درمیان دریائی تجارتی سفر کیا کرتا تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ ''ہمارے زمانہ میں چین کے سیاسی انقلابات کے سبب سے وہاں سے اب لوگوں کے تجارتی کاروبار بند ہو گئے ہیں''۔ اس نے دعویٰ کیا ہے کہ ''میں پہلا شخص ہوں جس نے یہ دریافت کیا کہ ہندوستان اور چین کا سمندر اوپر سے پھر کر بحر متوسط (میڈیٹیرین) میں مل گیا ہے'' (۸۸) یہ سب سے پہلا عرب سیاح ہے جو جاوہ کے بادشاہ مہراج کا ذکر کرتا ہے اور اس کے مقابل میں ملک قمار (راس کماری) کا نام لیتا ہے اور کہتا ہے کہ یہاں کا راجہ مہراج کا ماتحت ہے اور یہاں بدکاری اور شراب دونوں منع ہیں۔ یہاں ان کا نام و نشان نہیں۔ (۹۴) ہندوستان اور چین دونوں جگہ تناسخ کا عام اعتقاد اتنا پختہ ہے کہ لوگ جان دے دینا معمولی کام سمجھتے ہیں (۱۰۱) اور کہتا ہے کہ ولبھ رائے اور دوسرے راجاؤں میں کوئی کوئی ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جان بوجھ کر اپنے کو آگ میں جلا ڈالتے ہیں۔ (۱۱۵) یہاں راجہ بناتے وقت یہ کرتے ہیں کہ راجہ کے باورچی خانہ میں چاول پکائے جاتے ہیں اور تین سو چار سو آدمی اپنی خوشی سے آتے ہیں۔ راجہ کے سامنے ایک پتے پر یہ چاول رکھ دیئے جاتے ہیں۔ راجہ اس میں سے ذرا سا اٹھا کر کھاتا

ہے۔ پھر ایک ایک آدمی راجہ کے سامنے جاتا ہے۔ راجہ ان کو تھوڑے تھوڑے چاول اپنے سامنے سے دیتا جاتا ہے۔ یہ کل آدمی راجہ کے ساتھی ہوتے ہیں۔ جب راجہ مرتا ہے تو یہ سب بھی اس کے ساتھ اس دن آگ میں جل جاتے ہیں۔ اس قسم کے متعدد واقع ہمارے سیاح نے بیان کئے ہیں۔ وہ یہ بھی کہتا ہے کہ ''یہاں بارش زیادہ ہوتی ہے اور اسی پر یہاں کی کھیتی کا مدار ہے'' (۱۲۶) پھر وہ بھکشو یعنی بودھ فقیروں کا ذکر کرتا ہے جو ننگے بدن سر او ربدن کے بال بڑھائے اور ناخن بڑھائے گلوں میں انسانی کھوپڑیوں کی مالا پہنے۔ دیس دیس پھرتے رہتے ہیں۔ جب ان کو بھوک لگتی ہے تو کسی کے دروازے پر کھڑے ہو جاتے ہیں'' (۱۲۹) ساتھ ہی اس نے جنوبی ہند کی دیوداسیوں کا بھی تذکرہ کیا ہے (۱۲۹) اس کے بعد ملتان کے مشہور بت کا حال لکھا ہے پھر ناریل والے ملک کا ذکر کرتا ہے اور اس کی تجارت کا حال بیان کرتا ہے اور آخر میں کہتا ہے کہ ''ہندوستان کے راجہ کانوں میں سونے کے بالے جن میں بڑے بڑے قیمتی موتی ہوتے ہیں پہنتے ہیں اور گلے میں مالا پہنتے ہیں۔ جن میں بیش قیمت جواہرات ہوتے ہیں اور یہی موتی اور جواہرات ان کی دولت اور خزانہ ہیں اور اسی طرح درجہ بدرجہ فوجوں کے سپہ سالار اور افسر بھی اسی قسم کے زیور پہنتے ہیں۔ یہاں امیر لوگ آدمی کی گردن پر سوار ہوتے ہیں۔ اس کے ہاتھ میں چترہ (چھتر) ہوتا ہے جس میں مور کے پر لگے ہوتے ہیں'' (۱۴۵)

اس سیاح کو یہ دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ یہاں دو آدمی بھی ایک ساتھ مل کر نہیں کھاتے اور نہ ایک دستر خوان پر کھاتے ہیں اور اس کو برا عیب سمجھتے ہیں۔ راجاؤں اور امیروں کے یہاں یہ دستور ہے کہ ناریل کی چھال کا تھالی سا کوئی برتن روز بنتا ہے اور وہ ہر ایک کے سامنے رکھا جاتا ہے۔ کھانے کے بعد جھوٹا کھانا مع اس چھال کی تھالی کے پھینک دیا جاتا ہے'' (۱۶۴) وہ یہ بھی شہادت دیتا ہے کہ ''یہاں کے اکثر راجا اپنی رانیوں کو پردہ نہیں کراتے جو بھی ان کے دربار میں جائے وہ ان کو دیکھ سکتا ہے'' (۱۶۷)

۴۔ ابودلف مسعر بن مہلہل یذموعی سن ۳۳۱ھ

یہ بڑا عرب سیاح ہے۔ اس کا زمانہ سنہ ۳۳۱ھ سے سنہ ۳۷۷ھ تک یقیناً ثابت ہے۔ یہ بغداد سے ترکستان آیا اور شاہ بخارا' نصر سامانی المتوفی سنہ ۳۳۱ھ سے ملا۔ وہاں سے ایک

چینی سفیر کے ساتھ چین روانہ ہو گیا۔ پھر چین سے نکل کر ترکستان، کابل، تربت اور کشمیر ہو کر ملتان، سندھ اور ہندوستان کے جنوبی سواحل (کولم) تک پہنچا۔ اس کی کتاب کا کچھ ٹکڑا برلن میں سنہ ۱۸۴۵ء میں لاطینی ترجمہ کے ساتھ چھپا ہے مگر میری نظر سے نہیں گزرا ہے البتہ کچھ اس کے خلاصے ابن ندیم نے کتاب الفہرست میں اور یاقوت نے معجم البلدان میں اور قزوینی نے آثار البلاد میں دئے ہیں وہ دیکھے ہیں۔ اس نے ملتان کے بت خانہ کا مفصل تذکرہ کیا ہے۔ اسی طرح مدراس کی پیداوار اور مصنوعات کا ذکر کیا ہے۔ غالباً یہ پہلا عرب سیاح ہے جو ہندوستان میں خشکی کے راستے سے داخل ہوا۔

۵- بزرگ بن شہریار سنہ ۳۰۰ھ

یہ ایک جہاز راں تھا جو اپنے جہازات عراق کی بندرگاہ سے ہندوستان کے ساحلوں اور جزیروں سے لے کر چین اور جاپان تک لے جاتا اور لے آتا تھا۔ اس نے عجائب الھند کے نام سے اپنے اور اپنے دوسرے ساتھیوں کے دریائی مشاہدات عربی میں قلم بند کئے ہیں جن میں جنوبی ہند اور گجرات کے متفرق واقعات ملتے ہیں۔ ان میں سب سے اہم واقعہ ایک ہندو راجہ کا قرآن کا ہندی میں ترجمہ کرا کر سننا ہے۔ اس نے ہندوستان کے شہروں میں سے کولم، کلہ، کشمیر زیرین (پنجاب)، صیمو و (چیمود) سوبارہ، ٹھٹھہ، تھانہ، مانکیر (مہانگر دلبھ رائے کی راجدھانی) اور سیلون کا نام لیا ہے۔ یہاں کے جوگیوں ان کی ریاضتوں اور اپنے آپ کو مار ڈالنے اور جلا ڈالنے کے بہت سے قصے لکھے ہیں۔ اس کتاب میں عجیب بات یہ ہے کہ جابجا تاجروں اور سوداگروں کے لئے بنیانیہ کا لفظ استعمال کیا ہے جو صریحاً ہندی لفظ بنیا ہے۔ اس زمانہ میں چھوٹی کشتی کو عرب ملاح بارجہ کہتے تھے۔ یہ لفظ ہندی لفظ "بیڑا" ہے۔ اس کی عربی جمع بوارج ہے۔ مگر اس کتاب میں بوارج کا لفظ دریائی ڈاکوؤں کے لئے بھی بار بار بولا گیا ہے۔ ہنڈول ڈولی اور ڈولہ کے معنی میں اور بلنج پلنگ کے معنی میں اس میں استعمال ہوا ہے۔

ہندوؤں کے چھوت چھات کا بھی اس میں ذکر ہے (۱۱۸)

کتاب سنہ ۱۸۸۶ء میں لیڈن میں چھپی ہے۔ اس کا فرنچ ترجمہ تو اسی کے ساتھ شائع ہوا ہے مگر انگریزی ابھی اسی مہینہ میں چھپ کر نکلا ہے۔

۶۔مسعودی سنہ ۳۰۳ھ

مسعودی جس کا نام ابوالحسن علی تھا ایک بلند پایہ مورخ جغرافیہ نویس اور سیاح کی حیثیت سے مشہور ہے۔ اس نے اپنی عمر کے پچیس برس سیر و سیاحت میں بسر کیے۔ اس نے اپنے وطن بغداد سے سفر شروع کیا اور عراق و شام و آرمینیا' روم (ایشیائے کوچک) افریقہ' سوڈان' زنگ کے علاوہ چین' تبت' ہندوستان اور سراندیپ کا سفر کیا اور توی میں اس نے ہندوستان' چین' عرب' حبش' فارس' روم کے دریاؤں کی سیر کی۔ اس کی متعدد ضخیم کتابوں میں سے صرف دو تاریخی کتابیں موجود ہیں' ایک کتاب التنبیہ والشراف ہے جو مختصر ہے۔ دوسری اس سے بڑی ہے اس کا نام ''مروج الذہب و معادن الجوہر'' ہے۔ یہ دوسری کتاب زیادہ پر معلومات ہے۔ یہ گویا اسلام کی تاریخ ہے۔ مگر اس کے مقدمہ میں تمام دنیا کی قوموں کی اجمالی تاریخ ہے۔ منجملہ اس کے ہندوستان بھی ہے۔ اس نے دریاؤں کے حالات بہت مفصل لکھے ہیں۔ اس کے بیان سے یہ عجیب بات معلوم ہوتی ہے کہ جس طرح آج جہازراں کمپنیوں اور ان کے جہازات کے نام ہوتے ہیں اسی طرح جہازوں کے مالکوں کی نسبت سے بھائیوں اور بیٹوں اینڈ برادرس اینڈ سنز کے طریقہ سے ان جہازوں کے نام بھی رکھے جاتے تھے جو بحر ہند میں آتے جاتے تھے۔ اس نے سب سے پہلے دریائے رائد (راوی) اور گنگ کا اور پنجاب کے پانچوں دریاؤں کا بار بار نام لیا ہے (۳۷۲) اور یہ بتایا ہے کہ ان میں سے ہر ایک کہاں کہاں سے نکلا ہے۔ قنوج جو مشہور قنوج کے علاوہ سندھ میں واقع تھا اور جس کے راجہ بوودہ کے نام سے مشہور تھے اس کا ذکر کیا ہے اور اس کا موقع بتایا ہے۔ یہ لکھا ہے کہ ''تبت کے پہاڑوں سے زیادہ بڑے پہاڑ نہیں دیکھے'' (۳۸۹) ان پہاڑوں سے ظاہر ہے کہ کوہ ہمالیہ مراد ہے۔ یہ بھی لکھا ہے کہ ''ہندوستان میں بہت سی بولیاں بولی جاتی ہیں'' (۳۸۱۔۱۶۳) عجیب بات یہ ہے کہ اس نے قندھار کو درھبوط (راجپوتوں) کا ملک بتایا ہے (۳۷۲) کھنبایت میں وہ سنہ ۳۰۳ھ میں پہنچا تھا۔ وہ اس وقت راجہ ولبھہ رائے کے ماتحت ایک برہمن بنیا (؟) کے زیر حکومت تھا (۲۵۴) ملتان سنہ ۳۰۰ھ کے بعد اپنا پہنچنا وہ ظاہر کرتا ہے اور وہاں کے مسلمان عرب بادشاہ اور وزراء کے نام بتاتا ہے۔ (۳۷۶)

مسعودی نے اپنی کتاب مروج الذہب سنہ ۳۳۲ھ میں سیر وسیاحت ختم کرنے کے بعد لکھی ہے۔ پیرس میں نو جلدوں میں یہ کتاب فرنچ ترجمہ کے ساتھ شائع ہوئی اور مصر میں کئی دفعہ شائع ہو چکی ہے۔

۷-اصطخری سنہ ۳۴۰ھ

ابو اسحاق ابراہیم بن محمد فارسی مشہور اصطخری کے نام سے ہے۔ بغداد کے محلّہ کرخ کا رہنے والا تھا۔ بہت بڑا سیاح تھا۔ ایشیا کے اکثر ملکوں کی سیاحت کی تھی۔ جغرافیہ میں اس کی دو کتابیں ہیں کتاب الاقالیم اور کتاب مسالک الممالک۔ پہلی کتاب سنہ ۱۸۳۹ء میں گوتھا میں اور دوسری کتاب سنہ ۱۸۷۰ء میں لیڈن میں چھپی ہے۔ اس میں عرب اور ایران کے بعد ماوراء النہر، کابلستان، سندھ اور ہندوستان کا ذکر ہے۔ بحر ہند کا جس کو وہ بحر فارس کہتا ہے مفصل تذکرہ کیا ہے۔ وہ ہندوستان سنہ ۳۴۰ھ (سنہ ۹۰۱ء) میں آیا تھا۔ وہ اپنے ہمعصر سیاح ابن حوقل سے یہیں ملا تھا۔ اس نے بھی ولبھ رائے کے شہر مہانگر کا تذکرہ کیا ہے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس سلطنت کے ٹکڑے ہو چکے تھے۔ لکھتا ہے کہ اس کے ماتحت بہت سے راجہ ہیں۔ اس کے علاوہ ملتان، منصورہ، سمند، الور، دریائے سندھ کا ذکر کیا ہے۔ اس کا کارنامہ صرف ملکوں کا حال لکھنا نہیں بلکہ دنیا کا نقشہ تیار کرنا ہے جس میں سندھ کا نقشہ بھی ہے۔

۸-ابن حوقل سنہ ۳۳۱ھ (سنہ ۹۴۳ء) سنہ ۳۵۸ھ (سنہ ۹۷۹ء)

یہ بغداد کا ایک تاجر تھا۔ سنہ ۳۳۱ھ مطابق سنہ ۹۴۳ء کو اس نے بغداد چھوڑا اور یورپ، افریقہ اور ایشیا کے ملکوں کا سفر کیا۔ اسپین اور سسلی سے لے کر ہندوستان تک کی زمین اس نے چھان ماری۔ اس نے بھی ملکوں کے نقشے تیار کئے مگر افسوس ہے کہ اس کے مطبوعہ نسخہ میں یہ نقشے نہیں دیئے ہیں مگر الیٹ صاحب نے اس کا ایک قلمی ناقص نسخہ شاہ اودھ کے کتب خانہ میں دیکھا تھا۔ اس نسخہ سے انہوں نے اپنی کتاب میں سندھ کا وہ نقشہ دیا ہے جو ان کو ابن حوقل کے اس قلمی نسخہ میں ملا تھا۔ یہ نقشہ غلط ملط ہونے پر بھی غالباً ہندوستان کے کسی صوبہ کا پہلا جغرافی نقشہ ہے جو دنیا میں تیار ہوا۔ اس نقشہ میں گجرات سے لے کر سیستان تک کی آبادیوں کا محل وقوع دکھایا ہے۔ یہ پہلا عرب سیاح اور جغرافیہ نویس ہے جس کی کتاب میں ہندوستان

کی پوری لمبائی چوڑائی بتانے کی کوشش کی گئی ہے۔ کہتا ہے ''ہندوستان کے ملک میں سندھ' کشمیر اور تبت کا حصہ داخل ہے'' (۹)

''ہندوستان کی سرزمین کے پورب فارس کا دریا ہے اور اس کے اتر میں چین ہے''

(۱۱) ''ہندوستان کی سرزمین کی لمبائی مکران سے منصورہ' بودھ اور تمام صوبہ سندھ سے لے کر یہاں تک کہ قنوج تک ختم ہو پھر اس سے آگے بڑھ کر تبت تک چار مہینوں کا راستہ ہے' چوڑائی فارس کے دریا سے لے کر قنوج تک تین مہینوں کا راستہ ہے''۔ یہ بیان کتنا ہی ناقص ہو مگر ہندوستان کی حد بندی کی یہ پہلی کوشش ہے۔

۹- بشاری مقدسی سنہ ۳۷۵ھ

شمس الدین محمد بن احمد بشاری شام کے ملک میں بیت المقدس کا رہنے والا تھا۔ اس نے اپنی کتاب سنہ ۳۷۵ھ میں ختم کی ہے۔ اس نے صرف اپنے زمانہ کی دنیائے اسلام کا سفر کیا' ہندوستان بھی آیا مگر سندھ سے آگے نہیں بڑھا۔ اس کی کتاب کی خاص خصوصیت ملکوں کے نقشے تھے مگر وہ مطبوعہ کتاب میں نہیں۔ اس کی کتاب کا نام ''احسن التقاسیم فی معرفتہ الاقالیم'' ہے۔ کتاب کا آخری باب سندھ پر ہے۔ ہمارے سامنے اس کا وہ نسخہ ہے جو دوسری دفعہ سنہ ۱۹۰۶ء میں لیڈن میں چھپا ہے۔

مقدسی کی کتاب کی ایک اور خاص بات ہے کہ اس نے ملک کی تقسیم صوبوں پر اور صوبوں کی شہروں پر کی ہے پھر ہر ایک کا علیحدہ علیحدہ ذکر کیا ہے اور ہر جگہ کی تجارت' پیداوار' صنعت' مذاہب اور سکوں کا حال لکھا ہے اس لئے اس کتاب کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ اس طرح سندھ کا حال اس نے ۱۴ صفحوں میں لکھا ہے۔

۱۰- البیرونی سنہ ۴۴۰ھ

کتاب الہند کے مصنف سے لوگ اس قدر واقف ہیں کہ اس کا حال بیان کرنے کی ضرورت نہیں' صرف اس قدر کہنا کافی ہے کہ البیرونی جو اصل میں خوارزم (خیرا) کا رہنے والا تھا وہ جب ہندوستان آیا تو محمود غزنوی کے حملے غالباً شروع نہیں ہوئے تھے۔ مگر اس نے اپنی کتاب محمود کے دو برس بعد لکھی ہے اس نے کتاب الہند کے علاوہ اور بہت سی کتابیں لکھی ہیں جن میں سے قانون مسعودی خاص ذکر کے قابل ہے جو اب تک چھپی

نہیں۔ اس میں ہندوستان کے بہت سے شہروں کے نام لکھے ہیں اور ان کا طول بلد اور عرض بلد مقرر کیا ہے۔

کتاب الہند کی اصل عربی پھر اس کا انگریزی اور ہندی ترجمہ تک شائع ہو چکا ہے۔ اس میں ہندوستان کا پورا جغرافیہ تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔

۱۱- ابن بطوطہ سنہ ۷۷۹ھ (سنہ ۱۳۷۷ء)

یہ سیاح مراکش کا باشندہ تھا اور محمد تغلق کے زمانہ میں ہندوستان آیا تھا اور اس کے چپہ چپہ کو اس نے دیکھا تھا۔ اس نے اپنے سفر نامہ عجائب الاسفار میں جس خوبی سے اپنے مشاہدات کا ذکر کیا۔ ہے وہ کہانی سب کو معلوم ہے۔ ہمارے لئے اس کے بیان کا سب سے اہم حصہ جنوبی ہند کے اس وقت کے حالات ہیں جب مسلمانوں نے اس کو فتح نہیں کیا تھا۔

۱۲- دوسرے مورخین اور جغرافیہ نویس

اوپر کی سطروں میں صرف ان صاحبوں کا میں نے ذکر کیا ہے جو ہندوستان خود آئے مگر ان کے علاوہ بہت سے ایسے عرب جغرافیہ نویس یا ایسے عرب مورخ ہیں جنہوں نے ہندوستان کا حال لکھا ہے جن میں سے ایک ابن رستہ (سنہ ۲۹۰ھ) دوسرا قدامہ بن جعفر (سنہ ۲۹۶ھ) پھر بلاذری (سنہ ۲۷۹ھ ۸۹۲ء) ہے جس کی فتوح البلدان بہت قیمتی کتاب ہے نیز ابن ندیم بغدادی (سنہ ۳۷۰ھ) کی کتاب الفہرست۔

یہ تو شروع کے لوگ ہیں اور آخر کے لوگوں میں صوفی دمشقی (سنہ ۷۹۸ھ سنہ ۱۳۲۶ء) ہے جس کی کتاب عجائب البر والبحر ہے سسلی کا عرب جغرافیہ نویس ادریسی (سنہ ۵۶۰ھ سنہ ۱۱۵۶ء) ہے ایران کا زکریا قزوینی (سنہ ۶۸۲ھ سنہ ۱۲۸۳ء) جس کی کتاب آثار البلاد ہے ابوالفدا (سنہ ۷۳۲ھ سنہ ۱۳۳۱ء) جس کی کتاب تقویم البلدان ہے یاقوت (سنہ ۶۲۷ھ سنہ ۱۲۲۹ء) جس کی ضخیم کتاب معجم البلدان ہے مصر کا نویدی (سنہ ۷۳۳ھ سنہ ۱۳۳۱ء) ہے جس کی کتاب نہایۃ الادب فی فنون الادب ہے اور شہاب الدین عبری (سنہ ۷۴۸ھ سنہ ۱۳۴۶ء) جس کی کتاب کا نام مسالک الابصار وممالک الامصار ہے۔

ادریسی کے مختلف ٹکڑے اور نہایۃ الادب کی ۵ جلدیں اور مسالک الابصار کی صرف

ایک ایک جلد مصر میں چھپی ہے۔ان سب میں ہندوستان کا کچھ نہ کچھ حال ہے۔اگر ان تمام کتابوں سے ہندوستان کے متعلقہ حالات و بیانات کو یکجا کر دیا جائے تو الیٹ صاحب کے ادھورے کام کی تکمیل ہو جائے اور قرون وسطیٰ کے ہندوستان کے متعلق بہت سے نئے معلومات ہمارے سامنے آ جائیں۔اسکا افسوس ہے کہ یورپین مورخوں نے قدیم ہندوستان کے بیان میں یونانی بیانات کو جو اہمیت دی ہے اور اس کی بال کی کھال نکالنے اور جھوٹ کو سچ کر دکھانے اور ایک ایک نام کی تطبیق و تحقیق میں جو محنت کی ہے اگر اس کا کچھ حصہ عربوں کے بیانات پر بھی وہ صرف کرتے تو یونانی اور فارسی تاریخوں کے درمیان جو چند صدیوں کا غار رہ جاتا ہے وہ بہت کچھ پٹ جاتا۔

باب:۲

تجارتی تعلقات

عربوں کا ملک تین طرف سے سمندروں سے گھرا ہے۔ ملک میں آبادی کے مطابق کافی سرسبزی اور شادابی بھی نہیں۔ ایسا ملک قدرتی طور سے تجارتی ہوگا۔ پھر خوش قسمتی سے اس کی چاروں طرف دنیا کے بڑے بڑے ملک واقع ہیں۔ ایک طرف عراق' دوسری طرف شام' تیسری طرف مصر اور افریقہ' سامنے ہندوستان' ایک رخ پر ایران۔ ان تمام ملکوں سے عربوں کے براہ راست پرانے تعلقات تھے۔ یہاں ہم کو صرف ہندوستان سے بحث ہے۔ بحرین' عمان' حضرموت' یمن' حجاز' یہ مقامات ہیں جو بحر احمر' بحر ہند اور خلیج فارس پر آباد ہیں اور قدرتاً انہیں کو اس بحری تجارت کا موقع حاصل تھا۔ اس سے پہلے عربوں کی ہندوستانی بحری آمد ورفت کا نقشہ دکھایا گیا ہے کہ ہندوستان کے ساحل سے جہازات چل کر یمن کی بندرگاہ میں پہنچتے تھے اور وہاں سے ان کا سامان اونٹوں پر لاد کر خشکی کے راستہ سے بحر احمر کے کنارے کنارے شام اور مصر آتا تھا اور وہاں سے بحر روم ہو کر یورپ چلا جاتا تھا۔

ہم کو جب سے دنیا کے تجارتی حالات کا علم ہے ہم عربوں کو کاروبار میں مصروف پاتے ہیں اور اسی راستہ سے ان کے قافلوں اور کاروانوں کو شام اور مصر تک آتے جاتے دیکھتے ہیں۔ اس وقت ہمارے پاس دنیا کی بین الاقوامی تاریخ کی سب سے پرانی کتاب توراۃ ہے۔ اس میں حضرت ابراہیم کی دو ہی نسل بعد حضرت یوسف کے زمانہ میں ہم اس تجارتی قافلہ کو اسی راستہ سے گزرتے ہوئے پاتے ہیں اور یہ وہی کارواں ہے جو حضرت یوسف کو مصر پہنچاتا ہے۔ (پیدائش ۳۷:۲۵) اس راستہ کا ذکر یونانی مورخوں نے بھی کیا ہے۔ الغرض حضرت یوسف کے عہد سے لے کر مارکو پولو اور واسکوڈی گاما کے زمانہ تک ہندوستان کی تجارت کے مالک عرب ہی رہے۔(۱)

۱- الفنسان کی تاریخ ہند کا دسواں باب (تجارت)

یونانیوں نے جب مصر پر قبضہ کرلیا تو انہوں نے اس تجارت کو براہ راست اپنے ہاتھ میں لے لیا کیونکہ مصر سے شام تک کا راستہ ان کے لئے پرامن تھا اور اس طرح عربوں کی تجارت کی وہ پہلی رونق باقی نہیں رہی۔ انسائیکلو پیڈیا برطانیکا ''عرب'' کا مضمون نگار لکھتا ہے۔

''جنوبی مغربی عرب (حضرموت اور یمن) کی خیر و برکت کا سب سے بڑا سبب اس زمانہ میں یہ تھا کہ مصر اور ہندوستان کے درمیان کا تجارتی سامان پہلے سمندر کی راہ سے یہاں آتا تھا اور پھر خشکی کی راہ سے مغربی ساحل پر جاتا تھا۔ یہ تجارت اس زمانہ میں بند ہوگئی کیونکہ مصر کے بطلیموسی بادشاہوں نے ہندوستان سے اسکندریہ تک براہ راست ایک راستہ بنالیا۔''(۱)

معلوم ہوتا ہے کہ اس مقصد کے لئے یونانیوں نے جزیرہ سقوطرہ پر قبضہ کر کے وہاں نو آبادی قائم کر لی تھی جس کی یادگار مسلمان عرب جہاز رانوں کو وہاں بعد کو بھی نظر آئی۔(۲)

مگر یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ تجارت بالکل یونانیوں کے ہاتھوں میں نہیں چلی گئی کیونکہ حضرت مسیح سے دو صدی پہلے آگا تھرشیدس یونانی مورخ بیان کرتا ہے کہ ''جہازات ہندوستان کے ساحل سے سبا (یمن) آتے ہیں اور وہاں سے مصر پہنچتے ہیں۔''(۳)

اسی طرح آرٹی میڈروس جو مسیح سے سو برس پہلے تھا وہ کہتا ہے ''سبا (یمن کی ایک قوم) آس پاس کے لوگوں سے تجارتی اسباب خریدتے ہیں اور وہ اپنے ہمسایوں کو دیتے ہیں اور اسی طرح دست بدست وہ اسباب شام اور جزیرہ تک پہنچ جاتا ہے۔(۴)

اس قسم کے اور دوسرے بیانات سے بھی یہ ثابت ہے کہ عرب اس زمانہ میں بالکل مٹ نہیں گئے بلکہ یونانیوں کے ساتھ ساتھ ان کا کام بھی باقی رہا۔(۵)

ہندوستان اور عرب کا دوسرا راستہ جو خلیج فارس کے ذریعہ تھا وہ ہمیشہ کھلا رہا اور سواحل کے پارسی اور عرب خشکی اور تری سے ہمیشہ اپنا سامان لاتے اور لے جاتے رہے۔ وہ ہندوستان کے پورے ساحلی مقامات اور بحر ہند کے ایک ایک جزیرہ کو دیکھتے بھالتے بنگال

۱- طبع گیارھواں جلد ۲ ص ۲۶۴

۲- سفرنامہ ابوزید ص ۱۳۴ طبع پیرس

۳- الفنسٹن کی تاریخ ہند جلد اول صفحہ ۱۸۲ سنہ ۱۹۱۶ع

۴- تفکر Duncker کی تاریخ قدیم (History of Antiquities) جلد اول صفحہ ۳۱۰، ۳۱۲

۵- الفنسٹن صاحب کی بھی یہی تحقیق ہے۔ دیکھو ان کی تاریخ ہند جلد اول صفحہ ۱۸۲، سنہ ۱۹۱۶

اور آسام ہو کر چین کو چلے جاتے تھے اور پھر وہاں سے اسی راستہ سے واپس آ جاتے تھے۔

یورپ اور ہندوستان کا راستہ نہایت اہم تھا اور ہے اور اسی کے ذریعہ تاریخ میں بڑے بڑے انقلابات ہوئے ہیں۔ گزر چکا ہے کہ یہ راستہ پہلے خالص عربوں کے ہاتھوں میں تھا' جب یونانیوں نے حضرت مسیح سے تقریباً تین سو برس پہلے مصر پر قبضہ کیا تو وہ اس دریائی شاہراہ پر قابض ہو گئے۔ حضرت مسیح کے چھ سو برس بعد جب اسلام آیا اور عربوں نے عروج پایا تو چھٹی صدی مسیحی میں وہ مصر سے لے کر اسپین تک چھا گئے اور ساتھ ہی بحر روم پر بھی وہ قبضہ پا گئے اور بحر روم کے اہم جزیروں کویت اور سائپرس وغیرہ کو بھی انہوں نے اپنے مقبوضات میں داخل کر لیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دنیا میں تجارت اور سوداگری کی یہ سب سے بڑی سڑک عربوں کے ہاتھ میں آ گئی اور صدیوں تک وہ اس پر قابض رہے۔ چودھویں صدی عیسوی میں یورپ کی عیسائی قوموں نے عربوں کو رومی سرزمینوں سے نکالنے کی پوری کوشش کی مگر عین اس وقت جب وہ اسپین اور شمالی افریقہ میں کامیاب ہو رہے تھے اور راستہ کو صاف کر رہے تھے کہ ایشیائے کوچک سے ترکوں نے سر نکالا اور پھر بحر روم کا یہ راستہ مسلمانوں ہی کے پاس رہ گیا۔ اس وقت نے یورپ کی قوموں کو مجبور کیا کہ وہ ہندوستان کا کوئی دوسرا راستہ پیدا کریں۔ اسی کوشش کا نتیجہ ہے کہ شمالی افریقہ اور بحر روم کو چھوڑ کر جنوبی افریقہ کے راستہ سے ہندوستان کا سراغ لگایا گیا۔ اس راستہ میں ڈچ اور پرتگال اور بعد کو انگریز اور فرانسیسی بھی شریک ہو گئے اور ہندوستان کی وہ تجارت جو عربوں کے ہاتھوں میں تھی اس کو ان سے لڑ بھڑ کر چھیننے لگے۔ اس کشمکش میں اہل مغرب اور اہل مشرق کی ایک سخت دریائی جنگ بھی ہندوستان کے سواحل پر ہوئی۔ اس جنگ میں مشرق کو شکست ہوئی اور یہی شکست اہل مشرق کی تمام آئندہ شکستوں کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ اس جنگ میں مصری' عربی اور دکن کی مختلف ہندو اور مسلمان سلطنتوں کے جنگی جہازوں کے بیڑے ایک ساتھ مل کر یورپین جہاز راں قوموں کے جہازوں سے لڑتے تھے۔ اس شکست کا یہ نتیجہ ہوا کہ تقریباً اس زمانہ سے آج تک تمام جزائر ہند اور سواحل کی تجارت اہل یورپ کے ہاتھ میں آ گئی۔ مدراس کے عرب تاجروں کو جن کو موپلا کہتے ہیں جو اس وقت ہندوستان کے اس گوشہ اور جزیروں کی تجارت کے مالک تھے ان کے جہازوں کو ہر طرح تباہ و برباد کر دیا گیا۔

اس کے بعد بھی بحر روم کے قریب تر راستہ کی ملکیت کا خیال اہل یورپ کے دل سے

دور نہیں ہوا چنانچہ اس کو اور قریب تر کرنے کے لئے بحر احمر (ریڈسی) اور بحر روم کے درمیان کی پتلی خشکی کھود کر نہر سویز نکالی گئی اور پھر مصر اور سویز پر قبضہ ضروری خیال کیا گیا تاکہ یورپ اور ہندوستان کا یہ اہم تاریخی راستہ ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو جائے۔

یہ وہ واقعات ہیں جو ہندوستان اور اس کے جزائر پر یورپین قوموں کے تاجروں کی آمدروفت کے سلسلہ میں ہندوستان کی ہر تاریخ میں لکھے ہوئے ملتے ہیں۔ ان واقعات سے عربوں اور ہندوؤں کے تجارتی تعلقات کی تاریخ کے مختلف دور نمایاں ہوتے ہیں۔

ہندوستان اور عرب کا دوسرا تجارتی راستہ جس کا تعلق خلیج فارس سے تھا وہ بدستور عربوں کے ہاتھوں میں ہمیشہ نظر آتا رہا ہے البتہ عمان' حضر موت اور عراق میں مختلف سلطنتوں کے ادلنے بدلنے اور بندرگاہوں کے ٹوٹنے اور بننے سے تجارتی مرکز اس شہر سے یا اس بندرگاہ سے اس بندگاہ میں منتقل ہوتا رہا۔

بندرگاہ ابلہ

عربوں کے سنہ ۱۴ھ میں عراق پر قبضہ کرنے سے پہلے ایرانیوں کے زمانہ میں ہندوستان کے لئے خلیج فارس کا سب سے بڑا اور مشہور بندرگاہ ابلہ تھا جو بصرہ کے قریب واقع تھا۔ ابلہ سے ہندوستان کی تجارتی آمدروفت اس کثرت سے تھی کہ اہل عرب ابلہ کو ہندوستان ہی کا ایک ٹکڑا سمجھتے تھے۔ چین اور ہندوستان سے آنے والے جہازات یہیں ٹھہرتے تھے اور یہیں سے روانہ ہوتے تھے [۱]

ہندوستان کے بیوپار اور پیداوار کو عربوں کی نگاہ میں جو اہمیت حاصل تھی اس کا اندازہ اس سے ہوگا کہ حضرت عمر نے ایک عرب سیاح سے پوچھا کہ ہندوستان کے متعلق تمہاری رائے کیا ہے؟ اس نے تین مختصر فقروں میں اس بلاغت کا جواب دیا جس سے زیادہ بلیغ کوئی جواب نہیں ہوسکتا۔ اس نے کہا ''بحرھا در و جبلھا یاقوت وشجرھا عطر'' اس کے دریا موتی ہیں اس کے پہاڑ یاقوت ہیں اور اس کے درخت عطر ہیں [۲]

۱- ابلہ کے حالات کے لئے دیکھو الاخبار الطّوال ابوحنیفہ دینوری سنہ ۲۲۸ھ صفحہ ۱۳۳ (لیڈن) ومعجم البلدان یاقوت رومی ج ۱ ص ۸۸ و ج ۲ ص ۱۹۶ (مصر) وتاریخ بصرہ نعمان اعظمی (بغداد) حاشیہ ص ۱۱

۲- الاخبار الطّوال دینوی ص ۳۲۶ (لیڈن)

عراق کی فتح کے بعد حضرت عمر کو فکر ہوئی کہ عراق کی یہ بندرگاہ بھی عربوں کے قبضہ میں آئے چنانچہ سنہ ۱۴ھ میں آپ نے اس پر قبضہ کرنے کا حکم دیا اور لکھا کہ "اس کو مسلمانوں کا تجارتی شہر (قیروان یعنی کاروان) بنا دیا جائے" [1] چنانچہ اس وقت سے لے کر سنہ ۲۵۶ھ تک یہ بندرگاہ قائم رہی [2] زنگیوں کی لڑائی میں سنہ ۲۵۶ھ میں یہ تباہ ہوگئی۔ عراق کی دوسری مشہور بندرگاہ بصرہ کے نام سے سنہ ۱۴ھ ہی میں عربوں نے بنا لی تھی مگر وہ ابلہ کی تجارتی حیثیت کو فنا نہ کرسکا اور اس کی وجہ غالباً یہ ہوئی کہ بصرہ خالص تجارتی مرکز ہونے کے بجائے عربوں کا جنگی اور سیاسی مرکز زیادہ بن گیا۔ مگر اس پر بھی ہندوستان، چین اور حبشہ کی تجارت کا رخ رفتہ رفتہ ادھر مڑنے لگا اور اس نے سیاسی انقلابات کے باوجود بڑی رونق حاصل کر لی خصوصاً پہلی صدی ہجری کے آخر میں سندھ پر عربوں کے قبضہ ہو جانے کے سبب سے یہ ہندوستان کی آمدورفت کا مرکز بن گیا۔ کشتیوں اور جہازوں کے داخلہ کا محصول اس قدر بڑھ گیا تھا کہ وہ بغداد کی خلافت کا بڑا مالیہ ہوگیا۔ آخر میں سنہ ۳۰۶ھ میں مقتدر باللہ کے زمانہ میں اس کی سالانہ میزان ۲۲۵۷۵ دینار رہ گئی تھی۔

ہندوستان کے لئے خلیج فارس کی اس کے بعد سب سے بڑی بندرگاہ سیراف ہوئی۔ یہ بصرہ سے سات دن کی مسافت پر ایرانی حدود میں واقع تھی۔ تیسری صدی ہجری میں اس کے اقبال کا ستارہ طلوع ہوا بڑے بڑے جہاز رانوں، بحری تاجروں اور دریائی سوداگروں کا مقام بن گیا۔ ہندوستان اور چین کو یہیں سے جہازات روانہ ہوتے تھے اور وہاں سے جو جہازات سامان لے کر آتے تھے وہ یہیں آتے تھے۔ تیسری صدی ہجری میں اس بندرگاہ کی جو کیفیت تھی اس کا حال ابوزید کے بیان سے معلوم ہوتا ہے۔ وہ کہتا ہے "یہ فارس کی بہت بڑی بندرگاہ ہے اور یہ بہت بڑا شہر ہے۔ جہاں تک نظر کام کرتی ہے اس میں صرف عمارتوں کا سلسلہ نظر آتا ہے۔ اس میں کھیتی یا زراعت خود نہیں ہوتی بلکہ سب چیزیں دریا کی راہ سے باہر سے آتی ہیں" (۳)

چوتھی صدی ہجری کے بیچ میں بشاری مقدسی نے جب اس کو دیکھا ہے تو وہ اس کا یہ

۱- معجم البلدان یاقوت جلد ۲ صفحہ ۱۹۶ (مصر)

۲- تاریخ بصرہ الاعظمی (بغداد) حاشیہ صفحہ ۱۱

۳- معجم البلدان یاقوت ج ۵ ص ۱۹۳ (مصر)

حال بیان کرتا ہے۔

''میں نے یہاں کی عمارتوں سے زیادہ خوبصورت عمارتیں تمام اسلامی دنیا میں نہیں دیکھیں۔ یہ عمارتیں سال کی لکڑی اور اینٹوں کی بنی ہیں۔ نہایت بلند ہیں۔ ایک ایک گھر کی قیمت ایک ایک لاکھ درہم سے زیادہ ہے۔''(۱)

اسی زمانہ کے قریب اصطخری نے اس کو دیکھا تھا۔ کہتا ہے: ''یہ بڑائی میں شیراز کے برابر ہے اس کی عمارت سال کی لکڑی کی ہے۔ یہ لکڑی زنگستان افریقہ سے دریا کی راہ سے آتی ہے۔ دریا کے کنارے کئی کئی منزلوں کے مکانات ہیں۔ یہاں کے باشندے عمارت پر بڑی رقم خرچ کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ ایک ایک تاجر تیس تیس ہزار اشرفی ایک ایک مکان پر خرچ کرتا ہے سامنے باغ ہوتے ہیں، پانی سے پہاڑ آتا ہے''(۲)

بشاری کا بیان ہے کہ دیلمیوں کی سلطنت کے کسی انقلاب سے اور زلزلہ کے سبب سے سنہ ۳۶۶ھ میں وہ برباد ہو گیا تھا۔ اس کے بعد لوگوں نے اس کو پھر آباد کرنا چاہا(۳) اور کیا بھی اور کچھ روز اور اس کو کامیابی حاصل بھی ہوئی۔ یاقوت حموی نے چھٹی صدی ہجری کے آخر میں اس کو دیکھا تھا۔ اس کا بیان ہے کہ ''اس زمانہ میں وہاں ٹوٹے پھوٹے پرانے نشانات کے سوا کچھ نہیں۔ کچھ غریب غربا وہاں آباد ہیں اور اس کی بربادی کا سبب یہ ہوا کہ ابن عمیرہ نے جزیرہ قیس کو آباد کر کے اس کی اہمیت مٹا دی۔

قیس

قیس یا کیش۔ یہ خلیج فارس میں ''عمان کے پاس ایک جزیرہ تھا اس نے سیراف کو مٹا کر ہندوستان اور چین کی تجارت پر قبضہ کر لیا۔ اس کا حاکم عمان کا بادشاہ تھا۔ یاقوت نے چھٹی صدی ہجری میں جب اس کو دیکھا ہے تو یہ چھوٹا سا جزیرہ ہندوستانی تجارت کی بدولت نہایت خوبصورت اور سرسبز و شاداب بن گیا تھا۔ ہندوستان کے تمام جہازات یہیں آ کر ٹھہرتے تھے۔ اس جہازی آمدورفت کا نتیجہ یہ تھا کہ یاقوت کہتا ہے کہ ''اس چھوٹے سے جزیرہ کے عرب حاکم کی قدر و منزلت ہندوستان کے راجاؤں میں بہت بڑی ہے کیونکہ اس کے پاس

۱- احسن التقاسیم (لیڈن) ص ۴۲۶

۲- بحوالہ معجم البلدان یاقوت جلد ۵ ص ۱۹۳ (مصر)

۳- احسن التقاسیم ص ۴۶۴

جہاز اور کشتیاں بہت ہیں'' [۱] قزوینی (سنہ ۶۸۶ھ) کہتا ہے کہ ''قیس ہندوستان کی تجارت کی منڈی اور اس کے جہازات کا بندر ہے۔ ہر عمدہ چیز جو ہندوستان'' میں ہوتی ہے وہ یہاں لائی جاتی ہے'' [۲]

ہندوستان کی بندرگاہیں

ہندوستان کی بندرگاہوں کے نام ہم کو پہلی صدی ہجری سے ملنے شروع ہوتے ہیں اور تیسری صدی تک بکثرت نام بڑھ جاتے ہیں اور پھر آخر تک وہی قائم رہتے ہیں جن میں سے عربوں کے نزدیک خلیج فارس کے بعد سب سے پہلے بلوچستان کی بندرگاہ تیز' پھر سندھ کی بندرگاہ دیبل تھا' گجرات میں تھانہ' کھنبایت' سوبارہ' جیسور' مدراس میں کولم ملی' ملیبار' راس کماری (قمار) اس کے بعد یا جزائر میں چلے جاتے تھے یا بنگال ہوکر پھر وہاں سے قامرون (قامروب یا کامروپ) یعنی آسام چلے جاتے تھے پھر وہاں سے چین۔ انہیں بندرگاہوں کے نام عربی جغرافیوں میں آیا کرتے ہیں۔ ابن حوقل نے دسویں صدی عیسوی میں سندھ کی بندرگاہ دیبل کی نسبت لکھا ہے کہ ''یہ تجارت کی بہت بڑی منڈی ہے اور یہاں مختلف قسم کی تجارتیں ہوتی ہیں'' [۳]

دریائی تجارتی راستے

سلیمان تاجر تیسری صدی ہجری میں ان جہازوں کے راستے اس طرح بتاتا ہے کہ ''پہلے بصرہ اور عمان سے تمام سامان سیراف آجاتا ہے اور یہاں سیراف میں وہ جہازوں پر لادا جاتا ہے اور یہیں سے پینے کا میٹھا پانی ساتھ لے لیا جاتا ہے۔ یہاں سے لنگر اٹھا تو مسقط آ کر لنگر ڈالتے ہیں۔ یہاں سے پھر پینے کا پانی لیتے ہیں۔ اس کے بعد یہاں سے جہاز ہندوستان کو روانہ ہو جاتے ہیں اور ایک مہینہ میں کولم ملی پہنچتے ہیں۔ یہاں سے چین جانے والے جہازات چین چلے جاتے ہیں۔ کولم ملی جہازوں کے بنانے اور درست کرنے کا کارخانہ ہے اور یہاں سے میٹھا پانی بھی لے لیتے ہیں اس کا محصول چینی جہازوں سے ایک

۱- معجم البلدان یاقوت جلد ۷ ص ۱۲۶ (مصر) و ج ۵ ص ۱۹۳

۲- آثار البلاد قزوینی مطبوعہ یورپ صفحہ ۱۶۱

۳- سفرنامہ ابن حوقل صفحہ ۲۳۰۔ یورپ

ہزار درہم اور دوسرے جہازوں سے دس دینار سے لے کر ایک دینار تک لیتے ہیں‘‘[1]

سلیمان کے پچیس برس کے بعد ابوزید سیرافی بیان کرتا ہے ’’ہندوستان کے داہنے ہاتھ عمان کو جہاز پہنچتا ہے۔ یہاں سے عدن، عدن سے جدہ، جدہ سے جار (شام کا ساحل) پھر قلزم یہاں سمندر ختم ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد بربر کے سواحل پر سمندر پھرتا ہے اور حبشہ جاتا ہے۔ سیراف والوں کے جہازات جب جدہ پہنچ جاتے ہیں تو یہاں سے آگے نہیں بڑھتے۔ مصر جانے والے جہازات یہاں تیار رہتے ہیں۔ سیراف کے جہازوں سے سامان اتار کر مصری جہازوں میں لادے جاتے ہیں اور وہ ان کو قلزم لے جاتے ہیں۔ سیراف والے ہندوستان اور چین کے سمندروں سے زیادہ واقف ہیں۔ اس کے علاوہ ہندوستان اور چین کی بحری تجارت میں جو نفع ہے وہ دریائے قلزم کی تجارت میں نہیں‘‘[2]

ابن خردازبہ جو تیسری صدی کے شروع میں تھا۔ جدہ کی تجارتی تعریف میں کہتا ہے کہ ’’یہاں سندھ، ہندوستان، زنجبار، حبشہ اور فارس کی چیزیں ملتی ہیں‘‘[3] ساتھ ہی وہ بصرہ سے ہندوستان کے راستہ اور مسافتوں کی تفصیل اس طرح کرتا ہے۔

بصرہ سے جزیرہ خارک	۵۰	فرسنگ
جزیرہ خارک سے جزیرہ الون	۸۰	فرسنگ
جزیرہ لاوان سے جزیرہ ابرون	۷	فرسنگ
جزیرہ الون سے جزیرہ خین	۷	فرسنگ
جزیرہ خین سے جزیرہ کیش	۷	فرسنگ
جزیرہ کیش سے جزیرا ابن کاوان	۱۸	فرسنگ
جزیرہ ابن کاوان سے جزیرہ ہرمز	۷	فرسنگ
جزیرہ ہرمز سے ثارا	۷	دن کی راہ

کہتا ہے کہ یہی ثارا فارس اور سندھ کی حد فاصل ہے۔ یہاں سے جہاز دیبل روانہ ہوتا ہے۔

۱- سفرنامہ سلیمان تاجر ص ۱۵، پیرس سنہ ۱۸۱۱ء ص ۱۰، ۱۶

۲- سفرنامہ ابوزید ص ۱۳۶۔ پیرس سنہ ۱۸۱۱

۳- کتاب المسالک ابن خردازبہ صفحہ ۶۱۔ لیڈن

ثارا سے دیبل	۸	دن کی راہ
دیبل سے دریائے سندھ کا دہانہ	۲	فرسنگ
دریائے سندھ سے اوتکین	۴	دن کا راستہ

کہتا ہے کہ اوتکین سے ہندوستان کی سرحد شروع ہوتی ہے۔

اوتکین سے کولی	۲	فرسنگ
کولی سے سندان	۵	دن ۱۸ فرسنگ
سندان سے ملی	۵	دن کی راہ
ملی سے بنین	۲	دن کی راہ

بنین سے راستے علیحدہ علیحدہ ہوتے ہیں تو جو جہاز ساحل کے کنارے چلتے ہیں وہ بنین سے پاٹن جاتے ہیں جو دو دن کا راستہ ہے۔

پاٹن سے سنجلی اور کبشکان	۱	دن کی راہ
یہاں سے گوداوری کا دہانہ	۳	فرسنگ
یہاں سے کیلکان	۲	دن
یہاں سے سمندر	۱۰	فرسنگ
یہاں سے اورنچین	۱۲	فرسنگ

دوسرے جہازات بنین سے سراندیپ پھر جاوہ چلے جاتے ہیں اور بعض بنین ہی سے براہ راست چین چلے جاتے ہیں [۱]

یورپ اور ہندوستان کے تجارتی راستے

مصر و شام و عراق و ایران اور بحر روم و قلزم و بحر ہند پر عربوں کے قبضہ ہو جانے سے بھی مشرق و مغرب کی تجارتی آمد و رفت بند نہیں ہوئی۔ مسلمان تاجر یورپ نہیں جاتے تھے اور رومی ان ملکوں میں نہیں آتے تھے مگر ان دونوں قوموں کے درمیان یہودیوں کی قوم ایسی تھی جو درمیانگی کا کام کرتی تھی۔ وہ اسلامی ملک میں اہل کتاب تھے اور یورپ سے یونانیوں ہی کے زمانہ سے آشنا تھے۔ طرابزند جو بحر اسود (بلیک سی) کے ساحل پر ایشیائے کوچک اور روس

۱۔ ابن خرداذبہ ص ۶۱۔۶۴ (لیڈن)

کی سرحد ہے وہ مسلمان اور عیسائی تاجروں کے ملن کی جگہ تھی۔ وہ اس سے آگے نہیں بڑھتے تھے[1] لیکن یہودی تاجر بڑی آسانی سے اسلامی اور عیسائی دونوں دنیاؤں کو ایک ساتھ عبور کر لیتے تھے۔ ابن خرداذ بہ لکھتا ہے کہ "یہ عربی، فارسی، لاطینی، فرنگی، اسپینی اور سلاوی زبانیں بولتے ہیں۔ یہ یورپ سے پچھم اور پچھم سے پورب، خشکی اور تری میں دوڑتے پھرتے ہیں۔ یہ لونڈی، غلام، دیبا، ریشم کے کپڑے، سمور، پوستین اور تلوار بیچتے ہیں۔ یہ فرنگستان سے سوار ہو کر بحر روم کے مصری ساحل پر آتے ہیں۔ وہاں خشکی پر اتر کر تجارت کے سامان کو جانوروں کی پیٹھوں پر لاد کر قلزم (ریڈ سی) لاتے ہیں۔ یہاں پھر جہاز پر بیٹھ کر جدہ آتے ہیں اور یہاں سے سندھ ہندوستان اور چین جاتے ہیں اور وہاں سے پھر اسی راستہ سے لوٹ آتے ہیں۔ دوسرا راستہ یہ اختیار کرتے ہیں کہ یورپ سے چل کر بحر روم سے نکل کر انطاکیہ (شام) آتے ہیں اور پھر خشکی کی راہ یہاں سے جابیہ (عراق) چلے جاتے ہیں اور وہاں سے نہر فرات میں سوار ہو کر بغداد آتے ہیں۔ پھر جہاز میں سوار ہو کر دجلہ کی راہ سے ابلہ پہنچتے ہیں اور یہاں سے عمان، سندھ، ہندوستان اور چین چلے جاتے ہیں"[1]

روسی تاجر

یہودیوں کے علاوہ ابن خرداذ بہ نے روسی تاجروں کا ذکر کیا ہے جو تری اور خشکی دونوں میں سفر کرتے ہیں اور عیسائی ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں (روسی دسویں صدی عیسوی میں عیسائی ہوئے ہیں) ابن خرداذ بہ کا بیان ہے کہ یہ لوگ سلاوی (صقالیہ) نسل کے ہیں۔ یہ سلاویا سے نکل کر بحر روم میں سوار ہوتے ہیں۔ قیصر روم ان سے دسواں حصہ (عشر) لیتا ہے۔ یہاں سے وہ بحر جرجان (کیسپین سی) کے کسی ساحل پر آ کر اترتے ہیں۔ وہاں سے خشکی کی راہ اونٹوں پر بغداد آتے ہیں اور یہاں عیسائی بن کر جزیہ ادا کرتے ہیں۔

یہ پورا راستہ کبھی خشکی سے بھی طے کرتے ہیں۔ وہ اسپین یا فرانس سے سوس الاقصیٰ (شمالی افریقہ) آتے ہیں وہاں سے طلجہ وہاں سے الجزائر، تیونس اور طرابلس ہو کر مصر، مصر سے رملہ (شام) ہو کر دمشق، دمشق سے کوفہ، پھر بغداد، پھر بصرہ، پھر اہواز، پھر فارس، پھر کرمان، پھر (بلوچستان ہو کر) سندھ، پھر ہندوستان، پھر چین[2]

۱- نطبة الدهر فی عجائب البر والبحر صوفی دمشقی صفحہ ۱۴۶

۲- ابن خرادزبہ صفحہ ۱۵۳، ۱۵۴

خراساں سے ہندوستان کا کاروان

مسعودی جو ہندوستان سنہ ۳۰۵ھ کے قریب آیا تھا اور بلخ وخراسان سے بھی گزرا تھا وہ بیان کرتا ہے کہ "خراسان سے چین کو خشکی کا راستہ بھی ہے اور ہندوستان کا ملک خراسان سے مل جاتا ہے اور سندھ سے ایک طرف ملتان پر اور دوسری جانب منصورہ پر ملتان ہے اور قافلے خراسان سے سندھ کو اور اسی طرح ہندوستان کو برابر آتے جاتے رہتے ہیں۔ جہاں یہ ملک زابلستان (افغانستان) سے مل جاتا ہے" [۱] ابن حوقل جو محمود غزنوی سے پچاس برس پہلے تھا کہتا ہے کہ "کابل اور غزنین ہندوستان کی تجارت کی نکاسی کی جگہ ہیں [۲] اسیوان جس کو عرب عسیفان کہتے ہیں پنجاب میں ایک ہندو ریاست تھی وہاں بھی مسلمان تاجر تھے۔" [۳]

ہندوستان کے بحری سفر کا زمانہ

مسعودی نے بحر ہند کے اتار چڑھاؤ اور تلاطم اور سکون کے زمانے مقرر کئے ہیں اور اس حساب سے جہازات کی روانگی کے مہینے قرار دیئے ہیں۔ لکھا ہے کہ "ہمارے یہاں (شاید بغداد) اور ہندوستان میں موسموں کا فرق ہے۔ ہمارے یہاں سے گرمی میں لوگ ہندوستان سردی گزارنے جاتے ہیں کہ جون (تیر ماہ) کے مہینے میں ہندوستان جہاز کم جاتے ہیں اور جو جاتے ہیں وہ بہت ہلکے ہوتے ہیں اور ان میں زیادہ سامان نہیں لادا جاتا اور ان جہازوں کو تیر ماہی (جون والے) جہاز کہتے ہیں" [۴]

ابوزید سیرافی کا بیان ہے کہ برسات کے زمانہ میں جہازات نہیں چلتے' ہندوستان والے اس زمانہ میں بیٹھ کر کھیتی باڑی کرتے ہیں یا کوئی پیشہ کرتے ہیں۔ اسی برسات پر ان کا گزارا ہے۔ اس میں چاول پیدا ہوتا ہے جو ان کی خوراک ہے۔ [۵]

۱- مروج الذھب مسعودی
۲- ابن حوقل ص ۳۲۸ (یورپ)
۳- فتوح البلدان بلاذری ص ۴۴۶ (لیڈن)
۴- مروج الذھب مسعودی
۵- سفر نامہ ابوزید سیرافی صفحہ ۱۲۶

عربی میں جہاز رانی کے بعض ہندی الفاظ

عربوں کے ہندوستانی سواحل پر دریائی آمدورفت کا یہ اثر ہوا کہ عربی سفرناموں اور جغرافیوں میں اور عرب اور فارسی ملاحوں کی زبانوں پر جہاز اور متعلقات جہاز کے ہندی نام زبانوں پر چڑھ گئے۔ ان میں سے ایک لفظ ''بارجہ'' ہے۔ بیرونی نے بتایا ہے کہ یہ اصل میں ہندی لفظ ''بیڑہ'' ہے جس کو عرب بارجہ کہتے ہیں (ہ عربی میں ج سے بدل جاتی ہے) اور اس کی جمع ''بواج'' آئی ہے اور چونکہ سواحل ہند کے بحری ڈاکو انہیں کشتیوں پر ڈاکے ڈالتے تھے اس لئے بعد کو ''بوارج'' ہندوستانی بحری ڈاکوؤں کو کہنے لگے[۱] جس طرح بحر روم کے دریائی ڈاکوؤں کو ''قرصان'' کہتے ہیں اور آج کل کی عربی زبان میں بارجہ جنگی جہازوں کے بیڑہ کو کہتے ہیں۔

دوسرا لفظ ''دونیج'' ہے جس کی جمع ''دوانیج'' آتی ہے[۲] یہ ہندی ''ڈونگی'' کی عربی شکل ہے۔ تیسرا لفظ ''ہوری'' اب بھی بمبئی والے ہوڑی بولتے ہیں۔

تین لفظ اور ہندوستان یا ہندوستانی جزیروں کی پیداوار ہیں جن کی اصلیت ٹھیک نہیں معلوم ''بلیج'' جہاز کی چھت کو کہتے ہیں ''جوش'' کشتی کے رسے کو اور ''کنبر'' ناریل کی چھال کی رسی کو جو جہازوں کے باندھنے اور تختوں کے سینے میں کام آتی تھی۔ یہ الفاظ ہندی الاصل ہیں[۳] ایک لفظ ایسا ہے جو اس زمانہ کی مشرقی بین الاقوامی بحری تجارت کی مختصر تاریخ ہے۔ یہ لفظ عربی میں ناخوذہ ہے اور اس کی جمع نواخذہ ہے۔ لیکن ہندوستان اس کی فارسی شکل سے زیادہ واقف ہے یعنی ناخدا یہ اصل میں ناؤخدا ہے۔ ناؤ ہندی ہے۔ خدا مالک کے معنی میں فارسی ہے۔ حافظ کہتے ہیں ماخدا داریم ما را ناخدا در کار نیست

ہندوستانی پیداوار اور بیوپار

یہ عرب سوداگر ہندوستان اور ہندوستان کے جزیروں سے اپنے ملک کو کیا لے جاتے تھے اس کا سرسری اندازہ اس بیان سے ہوگا جو سنہ ۱۴ھ میں ایک عرب سیاح نے حضرت عمرؓ

۱- کتاب الھند بیرونی ص ۱۰۲ (لنڈن) الھند بزرگ ص ۱۱۴ (پیرس)

۲- یاقوت حموی کی معجم البلدان لفظ قیس ج ۷ و عجائب الہند بزرگ ص ۶۹ مطبع بریک لیڈن

۳- دیکھو سواء السبیل فی المولد والدخیل ڈاکٹر آرنلڈ

سے کیا تھا کہ ''ہندوستان کا دریا موتی' اس کا پہاڑ یاقوت اور اس کا درخت عطر ہے'' اس سے معلوم ہوگا کہ چھٹی صدی عیسوی میں اہل عرب ہندوستان سے موتی' جواہرات اور خوشبو کی چیزیں لے جاتے تھے۔ نویں صدی عیسوی میں ایک عرب سیاح اس کا سبب بیان کرتا ہے کہ سیراف کے جہاز بحر احمر ہو کر مصر کیوں نہیں جاتے اور جدہ سے لوٹ کر ہندوستان کیوں چلے جاتے ہیں؟ کہتا ہے ''اس لئے کہ وہ چین اور ہندوستان کے سمندر کی طرح جس کے پانی میں موتی اور عنبر ہوتا ہے اور جس کے جانوروں کے منہ میں ہاتھی دانت ہیں اور جس کی پیداوار میں آبنوس' بید' عود' کافور' لونگ' جوزبوا (جائے پھل) بکم' صندل اور ہر قسم کی خوشبو کی چیزیں ہوتی ہیں اور جس کے پرندوں میں طوطا اور مور ہیں اور جس کی زمین کا فضلہ مشک اور زباد (ایک جانور کا خوشبودار پسینہ) ہے'' [۱]

ابن خرداذ بہ (سنہ ۲۵۰ھ) جو آٹھویں صدی عیسوی کے کچھ بعد تھا' وہ ہندوستان کی ان پیداواروں اور چیزوں کی جو عرب اور عراق جاتی تھیں' یہ فہرست دیتا ہے' خوشبو' لکڑیاں' صندل' کافور' لونگ' جوزبوا (جائے پھل) کباب چینی' ناریل اور سن کے کپڑے اور روئی کے مخملی کپڑے اور ہاتھی اور سراندیپ سے ہر قسم کے یاقوت' موتی' بلور اور سنباذج جس سے جواہرات درست کئے جاتے ہیں اور ملیبار سے سیاہ مرچ اور گجرات سے سیسہ اور دکھن سے بکم اور واذی اور سندھ سے کٹ (ایک دوا) اور بانس اور بید [۲]

مسعودی (سنہ ۳۰۳ھ) اور بشاری (سنہ ۳۷۰ھ) دونوں نے کھمبایت (کاٹھیاواڑ) کے جوتوں کی تعریف کی ہے جو یہاں سے بن کر باہر جاتے تھے [۳] تھانہ (بمبئی) کے کپڑے مشہور تھے وہ یا یہیں بنتے تھے یا اندر ملک سے آتے تھے مگر اسی بندرگاہ سے باہر جاتے تھے۔ بہرحال ان کو تھانہ کے کپڑے کہتے تھے۔ [۴]

مسعر بن مہلہل جو سنہ ۳۳۱ھ میں ہندوستان آیا تھا اور جنوبی ہندوستان کی اس نے سیر کی تھی وہ کولم (واقع ٹراونکور مدراس) کے حال میں لکھتا ہے ''یہیں وہ مٹی کے برتن

۱- ابوزید سیرانی ص ۱۳۵ پیرس سنہ ۱۸۱۱ع

۲- کتاب المسالک والممالک ابن خرداذبہ ص ۷۱ (لیڈن)

۳- مروج الذهب مسعودی جلد اول صفحہ ۲۵۳ پیرس' واحسن التقاسیم بشاری (لیڈن) صفحہ ۴۸۲

۴- تقویم البلدان ابوالفدا صفحہ ۳۰۹

(غضائر)[1] تیار ہوتے ہیں جو ہمارے ملک میں چینی کر کے بکتے ہیں لیکن دراصل وہ چینی نہیں ہیں کیونکہ چین کی مٹی کولم کی مٹی سے سخت ہوتی ہے اور آگ پر زیادہ دیر ٹھہر سکتی ہے۔ کولم کی مٹی (غضائر) کا رنگ میلا ہوتا ہے اور چینی مٹی کا سفید اور دوسرے رنگ۔ یہاں ساگون کی لکڑی اتنی لمبی ہوتی ہے کہ کبھی سو ہاتھ تک پہنچ جاتی ہے۔ نیز بقم (بکم) بید نیزہ کی لکڑی بھی وہاں بہت ہے اور ریوند چینی' تیز پات جو نہایت کمیاب ہے اور جو آنکھوں کی بیماری میں بہت مفید ہے اور یہیں سے عوذ' کافود اور لوبان بھی تاجر لے جاتے ہیں[2]۔

ہندوستان سے ایک قسم کا زہر بھی باہر جاتا تھا جس کا نام قزوینی نے ''بیش'' لکھا ہے۔ یہ ''بس'' کی خرابی ہے جو ہندی میں زہر کو کہتے ہیں [3]

الائچی

الائچی جس قدر مفرح اور دل پسند چیز ہے اسی قدر اس کی لغوی اصلیت بھی دلچسپ ہے۔ کارومنڈل اور ملیبار کے بیچ میں ایک راس کا نام راس ہیلی ہے[4] الائچی کا مخزن یہی ہے۔ خیال یہ ہے کہ سنسکرت میں اس کو ایل اور فارسی میں اس کو جو ہیل کہتے ہیں وہ نام اسی راس ہیلی سے لیا گیا ہے۔ اسی ایل سے اردو میں ایلا ئچی (الائچی) کہتے ہیں جس طرح عود کا نام جومنڈل (کارومنڈل سے جاتا تھا' عربوں میں مندل ہو گیا[5]

دسویں صدی عیسوی کے آخر میں مسعودی کہتا ہے کہ ''دیپ (مالدیپ اور سنگلدیپ وغیرہ جزائر ہند) سے ناریل اور یہیں سے بقم (بکم) کی لکڑی' بید اور سونا تاجر لے جاتے ہیں'' [6] مہراج کے جزیروں کی دولت اس طرح وہ بیان کرتا ہے کہ ''ان جزیروں میں طرح طرح کی خوشبوئیں ہیں۔ یہیں سے کافور' عوذ' لونگ' جائے پھل' کباب چینی' جاوتری' بری

۱- غضائر کا واحد غضارہ ہے اس کے معنی خوشبو مٹی کے ہیں مگر غالباً بعد کو یہ چینی کے برتنوں کے معنی میں مستعمل ہوا ہے (دیکھو معجم البلدان یاقوت ج ۸ ص ۳۴۸ لفظ نہروان۔

۲- آثار البلاد قزوینی ص ۷۰' گونجن (سنہ ۱۸۴۸ء)

۳- ایضاً ص ۸۵

۴- ابن بطوطہ ج دوم وتقویم البلدان ابوالفدا ص ۳۵۴

۵- آثار البلاد قزوینی (گونجن) صفحہ ۸۲

۶- مروج الذھب باب ۱۶

الایچی وغیرہ لے جاتے ہیں'' (۱) اور بعض ان جزیروں سے چھوٹی چھوٹی کشتیوں پر بیٹھ کر جو صرف ایک لکڑی کو کھود کر بنا لیتے ہیں ناریل' گنے' کیلے اور ناریل کا پانی لے کر آتے ہیں اور لوہا تبادلہ میں لیتے ہیں (۲)

ابن الفقیہ ہمدانی (سن ۳۳۰ ھ) میں لکھتا ہے کہ ''ہندوستان اور سندھ کو اللہ تعالیٰ نے یہ خصوصیت دی ہے کہ وہاں ہر قسم کی خوشبو جواہرات جیسے یاقوت اور الماس وغیرہ اور گینڈا اور ہاتھی اور مور اور عود' عنبر' لونگ' سنبل' خولنجان' دارچینی' ناریل' ھڑ' توتیا' بکم' بید' صندل' ساگون کی لکڑی اور سیاہ مرچ پیدا ہوتی ہے (۳)

لغت عربی کی قدیم شہادت

اس بات کے جاننے کے لئے کہ ہندوستان سے اہل عرب کیا کیا چیزیں اپنے وطن لے جاتے تھے خود عربی زبان کی لغت میں بعض ذرائع موجود ہیں۔ عرب میں ہندوستان کی بنی ہوئی تلواریں مشہور تھیں اسی لئے تلوار کے نام ہندی' ہندوانی' مہند' عام طور سے عربی میں مشتمل ہیں۔ حسب ذیل الفاظ عربی میں ہندی الاصل ہیں جو اپنی اصلیت اور وطن کا خود پتہ دیتے ہیں۔ یہ زیادہ تر مسالوں اور خوشبوؤں اور دواؤں سے متعلق ہیں۔ ہم نے کوشش کی ہے کہ ان کی اصل ہندی شکل وصورت کا پتہ لگایا جائے تا کہ آج ان کے اہل وطن ان کو اپنے گھر کے عزیزوں کی طرح پہچان سکیں۔

عربی نام	ہندی	اردو
صندل	چندن	صندل
مسک	موشکا	مشک
تنبول	تامبول	پان (تنبول)
کافور	کپور	کافور
قرنفل	کنک پھل	لونگ

۱- ایضا

۲- سلیمان تاجر ص ۱۸

۳- کتاب البلدان ابن الفقیہ الھمدانی ص ۲۵۱ (لیڈن)

فلفل	پپلی، پپلا	گول مرچ (اسی سے غالباً انگریزی لفظ پپر بھی ہے)
فوفل	کوبل	سپاری، ڈلی
زنجبیل	زرنجابیرا	سونٹھ، ادرک
نیلوفر	نیلوپھل	نیلوفر
ھیل	ایل	ایلا یچی (الا یچی)

دوائیں

جائفل	جائے پھل	جائے پھل
اطریفل	تری پھل	اطریفل
شخیرہ	شکھر	توتیا
بلیلج	بہیرا	بہیرا
ھلیلج	ھرہ	ھلیلہ
بلادر	بھلاتکہ	بھلاوہ

عود ہندی، قسط ہندی (کٹ) ساذج ہندی (تیزپات) قرطم ہندی اور تمر ہندی (ہندوستانی کھجور) یعنی املی یہ خود اپنی نسبت اپنے ساتھ رکھتی ہے۔ عود چونکہ کارومنڈل سے جاتی تھی اس لئے عربوں نے اس کا نام ہی مندل رکھ دیا [1]

کپڑوں کے اقسام

عربی	ہندی
قرفس	کرپاس (ململ)
شیت	چھینٹ
فوطہ	پٹ لنگی وال رومال

رنگ

نیلج	نیل

ا- آثار البلاد قزوینی ص ۸۲ گوٹجن سنہ ۱۸۴۸ء

قرمز	کرمج
پھل	
موز	موشہ (کیلا)
نارجیل	ناریل
انبج	آم
لیمون	لیمو (اسی سے انگریزی لیمن ہے)

یہ الفاظ اپنی زبان حال سے خود ظاہر کر رہے ہیں کہ کس دیس میں وہ پیدا ہوئے تھے اور کہاں جا کر یہ نیا رنگ وروپ پیدا کیا۔

قرآن پاک میں تین ہندی لفظ

اس مسئلہ میں اچھا خاصہ علماء میں اختلاف رہا ہے کہ قرآن پاک میں کسی غیر زبان کا لفظ ہے یا نہیں؟ لیکن فیصلہ یہی ہوا کہ غیر زبان کے ایسے الفاظ موجود ہیں جو عربوں کی زبان میں آ کر مستعمل ہو گئے تھے اور وہ اپنی پہلی صورت بدل کر عربی زبان کے لفظ بن گئے۔ حافظ ابن حجر اور حافظ سیوطی نے قرآن پاک کے اس قسم کے لفظ جمع کئے ہیں۔ ہم ہندیوں کو بھی فخر ہے کہ ہمارے دیس کے بھی چند لفظ ایسے خوش نصیب ہیں جو اس پاک اور مقدس کتاب میں جگہ پا سکے۔ پہلے علماء نے جن الفاظ کا ہندی ہونا ظاہر کیا تھا وہ تو لغو وبے بنیاد تھے۔ مثلاً ''ابلعی'' کی نسبت یہہ کہنا کہ ہندی میں اس کے معنے ''پیلے'' کے ہیں یا ''طوبیٰ'' کو ہندی کہنا' جیسا سعید بن جبیر سے روایت ہے[1] بے بنیاد ہے مگر اس میں شک نہیں کہ جنت کی تعریف میں اس جنت نشان ملک کی تین خوشبوؤں کا ذکر ضرور ہے یعنی مسک (مشک) زنجبیل (سونٹھ یا ادرک) اور کافور (کپور)

تورات کی شہادت عربوں کی ہندوستانی تجارت کی قدامت پر

اوپر کے بیانات اور الفاظ کی لغوی تحقیق کو سامنے رکھ کر تورات کے ان مختلف حوالوں پر غور کرو۔ مسیح سے دو ہزار برس پہلے جو عرب تاجر بار ہا مصر کو جاتے دکھائی دیئے

۱- دیکھو الاتقان فی علوم القرآن نوع ۳۸

ہیں ان کا سامان یہ تھا۔ بلسان، صنوبر اور دوسری خوشبودار چیزیں [1] یمن کی ملکہ حضرت سلیمان کے لئے جو تحفہ سنہ ۹۵۰ ق م میں شام لائی تھی وہ بھی ''خوشبو کی چیزیں، بہت سا سونا اور بیش قیمت جواہر'' [2] حزقیال نبی (سنہ ۵۲۸ ق م) کے زمانہ میں اوزال (یمن) سے فولاد، تیز پات اور مسالہ، عرب ہی ملک شام کو لے جاتے تھے۔ حزقیال نبی کہتے ہیں کہ ''اوزال (یمن) سے تیرے بازار میں آبدار فولاد، تیز پات اور مسالہ بیچنے آتے ہیں'' [3] یہ اچھی طرح معلوم ہے کہ لوبان اور قسم قسم کے خوشبو پھول خود یمن میں پیدا ہوتے تھے مگر آبدار فولاد (تلوار) تیز پات اور مسالوں کا ملک وہی آج بھی ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ عربوں کے ہندوستان کے تجارتی تعلقات مسیح سے کم از کم دو ہزار برس پہلے سے ہیں۔

ہندوستان کی پیداوار اور بیوپار عرب سیاحوں کی نظر میں

ہندوستانی پھلوں میں سب سے پہلی چیز ان کی نظر میں ناریل ہے۔ نویں صدی عیسوی کا عرب سیاح ابوزید کہتا ہے کہ ''عمان کے عرب یہ کرتے ہیں کہ وہ ان مقامات میں جہاں ناریل ہوتے ہیں بڑھیوں کے اوزار لے کر چلے جاتے ہیں۔ پہلے وہ ناریل کا درخت کاٹ کر سوکھنے کو چھوڑ دیتے ہیں۔ جب وہ سوکھ جاتا ہے تو اس کے تختے کاٹ ڈالتے ہیں او ناریل کی چھال کو بٹ کر رسی تیار کرتے ہیں اور اسی سے تختوں کو سی کر کشتی تیار کرتے ہیں اور اسی کا مستول بناتے ہیں اور اس کے جھونجھے کو بن کر پال تیار کرتے ہیں۔ جب یہ جہاز بن کر تیار ہو چکتے ہیں تو پھر ان میں ناریل بھرتے ہیں اور ان کو بھر کر عمان لاتے ہیں اور بڑی دولت حاصل کرتے ہیں۔ [4]

ناریل کے بعد وہ لیموں اور آم کے نام بہت تعجب سے لیتے ہیں۔ ابن حوقل (سنہ ۳۵۰ھ) سندھ کے ذکر میں کہتا ہے ''ان کے ملک میں سیب کے برابر ایک پھل ہوتا ہے جس کو ''لیموں'' کہتے ہیں جو بہت کھٹا ہوتا ہے اور ایک اور میوہ ان کے یہاں ہوتا ہے جو شفتالو کی

۱- پیدائش ۳۷:۲۶

۲- دوم ایام ۹:۹

۳- حزقیال ۲۷:۱۹

۴- ابوزید ص ۱۳۱

طرح ہوتا ہے اس کا نام ''انج ''، یعنی آم ہے جس کا مزہ بھی شفتالو کے قریب ہوتا ہے''[۱]

آم کے ہندی عاشق ذرا آم کی یہ عربی قدر دانی ملاحظہ فرمائیں۔

مسعودی کا بیان ہے کہ ''نارنگی اور لیموں بھی ہندوستان کی خاص چیزیں ہیں۔ یہ عرب میں تیسری صدی ہجری میں ہندوستان سے لائے گئے اور پہلے عمان میں پھر وہاں سے عراق و شام تک پہنچے' یہاں تک کہ وہ شام کے ساحلی شہروں اور مصر میں گھر گھر پھیل گئے''، مگران میں مسعودی کہتا ہے کہ ''وہ ہندوستان کا مزہ نہیں'' [۲]

ابن حوقل (سنہ ۳۵۰ھ) سندھ اور گجرات کی پیداوار اور بیوپار کا یہ حال بیان کرتا ہے۔

منصورہ' جس کا پرانا نام برہمن آباد ہے۔ یہاں لیموں اور آم ہیں اور گنے بھی ہیں' نرخ سستے ہیں سرسبزی ہے۔

الور' بڑائی میں ملتان کے برابر ہے' شہر پناہ ہے' دریائے سندھ کے کنارے ہے' نہایت سرسبز وشاداب اور بڑے بیوپار کی جگہ ہے۔

دیبل' دریائے سندھ کے پورب سمندر پر ہے۔ یہ بہت بڑی منڈی ہے اور مختلف قسم کی یہاں تجارتیں ہیں یہ اس ملک کا بندرگاہ ہے غلے بھی ہیں یہاں کی آبادی صرف تجارت اور بیوپار کی وجہ سے ہے۔

کامہل ۔ کامہل سے مکران تک بودھوں اور میدیوں کا ملک ہے۔ یہاں دو کوہان والے اونٹ ہوتے ہیں جن کی خراسان اور فارس میں نسل لینے کے لئے بڑی قدر ہے۔

قندابیل' یہ بوھوں کا تجارتی شہر ہے مکانات چھپروں اور جھونپڑیوں کے ہیں۔

جیمور اور کھنبایت (گجرات وکاٹھیاوار) یہاں زیادہ تر چاول ہے اور شہد بھی بہت ہے۔

کلوان ۔ یہاں غلوں کی کثرت ہے پھل کم ہیں' جانور اور مویشی زیادہ ہیں۔

کنیز کانان (قزدار کا پایہ تخت) ارزانی ہے۔ یہاں انگور اور انار اور سرد میوے ہیں' کھجوریں نہیں ہیں۔قنجپور ۔مکران کا سب سے بڑا خوشبو ہے۔ یہاں گنے' چھوہارے اور فانیذ (ایک قسم کا حلوا) بنتا ہے جو یہاں سے تمام دنیا میں جاتا ہے۔

قندابیل ۔ یہ ہندوستان کے غلوں کی بڑی منڈی ہے۔اس کے بعد بشاری مقدسی

۱- ابن حوقل ص ۲۲۸

۲- مروج الذھب جلد۲ص ۴۳۸ یورپ

(سنہ ۳۷۵ھ) کا بیان کرتا ہے۔

ویہند ۔ یہ منصورہ سے بڑا شہر ہے۔ نہایت پاک و صاف شہر ہے۔ نہایت اچھے پھل' بڑے بڑے درخت' ارزاں نرخ' شہد ایک درہم کا تین من (عربی میں من بہت چھوٹا ہوتا تھا) روٹی اور دودھ کی ارزانی کا حال مت پوچھو' اخروٹ اور بادام کے درخت بکثرت ہیں۔

قنوج (ملتان کے پاس) بڑا شہر ہے' شہر پناہ ہے' یہاں گوشت بہت سستا ہے۔ باغ بکثرت ہیں' منڈی بہت نفع بخش ہے' کیلے یہاں سستے ہیں مگر گیہوں بہت کم ہیں۔ ان کی غذا زیادہ چاول ہے۔

ملتان منصورہ کے برابر ہے۔ وہاں سے زیادہ یہاں پھل نہیں لیکن ارزانی وہاں سے زیادہ ہے۔ روٹی ایک درہم میں ۳۰ من' فانیذ حلوا ایک درہم کا تین من' تجارت میں یہاں کے تاجر جھوٹ نہیں بولتے' یہاں کی تجارت کا حال بہت اچھا ہے۔

طودان سے فانیذ حلوا' سندان سے چاول اور کپڑے جاتے ہیں اور پورے سندھ میں فرش فروش بہت اچھے تیار ہوتے ہیں' باریک کپڑے اور ناریل اور منصورہ سے کھنبایت کے بنے ہوئے جوتے اور سندھ سے ہاتھی اور ہاتھی دانت اور بیش قیمت چیزیں اور عمدہ دوائیں باہر جاتی ہیں اور یہاں کی خاص پیداوار دو پھل ہیں۔ ایک کا نام لیموں ہے اور دوسرے کا آم' جو بہت لذیذ ہوتا ہے مشرق اور فارس میں جو عمدہ بلخی اونٹ ہوتے ہیں۔ وہ سندھی ہی اونٹوں سے نسل لے کر تیار کئے جاتے ہیں اور یہ سندھی اونٹ جن کو پالہ (فالج) کہتے ہیں ان کے دو کوہان ہوتے ہیں اور وہ اتنے قیمتی ہوتے ہیں کہ دوسرے ملکوں میں صرف بادشاہ ہی کی سواری میں وہ کام آتے ہیں۔ اسی طرح کھنبایت کے جوتوں کی بھی قدر ہے [1]

مسعودی نے ہندوستان کے مور کی تعریف کی ہے اور لکھا ہے کہ ''گو ہندوستان سے لے جا کر عراق وغیرہ میں ان کی نسل لے جائی گئی اور تیار کی گئی مگر وہ ہندوستان کا قد و قامت اور رنگ و روپ ان میں نہیں'' [2]

ہندوستان کے باریک کپڑوں کی تعریف ہمیشہ سے ہے اور ہر قوم کے بیانات سے اس کا ثبوت ملتا ہے کہ یہاں نہایت باریک کپڑے بنے جاتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ مصری ممی جن

۱۔ احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم' بشآری مقدسی ص ۴۷۴۔ ۴۸۲ (لیڈن)

۲۔ مروج الذھب جلد ۲ ص ۴۳۸ (لیڈن)

باریک کپڑوں میں لپٹی ہوئی ملتی ہے وہ ہندوستان ہی کی ساخت کے ہیں۔ بہرحال یہ تو قیاس ہے مگر آٹھویں صدی عیسوی کا ایک عرب سیاح سلیمان ہندوستان کے ایک مقام کی نسبت لکھتا ہے کہ "یہاں جیسے کپڑے بنے جاتے ہیں ویسے کہیں نہیں بنے جاتے اور اتنے باریک ہوتے ہیں کہ ایک پورا' کپڑا (یا تھان) ایک انگوٹھی میں آ جاتا ہے۔ یہ کپڑے سوتی ہوتے ہیں اور ہم نے وہ کپڑے خود بھی دیکھے ہیں" [1]

عرب گینڈے کی سینگ بھی یہاں سے چین لے جاتے تھے۔ اس میں تصویریں بن جاتی تھیں۔ اس کی پیٹی بنتی تھی جو اس قدر بیش قیمت ہوتی تھی کہ ایک ایک کی قیمت چین میں دو دو تین تین ہزار اشرفی ہوتی تھی [2]

ایک جانور جس کے پسینہ سے خوشبو نکالتے تھے اس کو عرب تاجر ہندوستان سے مراکش تک لے جاتے تھے [3] کالا نمک بھی ہندوستان سے باہر جاتا تھا [4]

پان (تنبول) کا مفصل بیان عربوں میں مسعودی نے کیا ہے جو تقریباً آج سے نو سو برس پہلے کا بیان ہے۔ کہتا ہے "پان (تنبول) ایک قسم کا پتہ ہوتا ہے جو ہندوستان میں پیدا ہوتا ہے۔ اس کو چونا اور ڈلی ملا کر جب کھاتے ہیں تو انار کے دانوں کی طرح دانت لال ہو جاتے ہیں اور منہ خوشبو ہو جاتا ہے اور قلب میں فرحت ہوتی ہے اور اہل ہند سپید دانت اور جو پان نہیں کھاتا اس کو ناپسند کرتے ہیں"۔ خیر پان کا بیان تو یہاں ضمنی ہے' اس زمانہ میں پان جیسی نازک چیز عرب نہیں پہنچ سکتی تھی مگر ڈلی برابر پہنچتی تھی۔ سنہ ۳۰۵ھ میں مسعودی کہتا ہے کہ "اب آج کل یمن اور حجاز میں مکہ میں لوگ تلی بڑی کثرت سے کھانے لگے ہیں" [5] اب آج ہمارے زمانہ میں تو پان عدن تک سرسبز و شاداب اور مکہ میں سوکھے کثرت سے پہنچنے لگے ہیں۔ یہ ہندوستانیوں کی وضعداری کی برکت ہے۔ بہرحال ڈلی ہندوستان سے عرب اسی زمانہ سے جارہی ہے۔ عود عرب میں راس کماری کا مشہور تھا اور یہیں سے جاتا تھا [6] اور چونکہ

۱- سفرنامہ سلیمان تاجر صفحہ ۳۰ (پیرس)

۲- ایضاً صفحہ ۳۱

۳- تحفۃ الاحباب ابوحامد غرناطی صفحہ ۴۹ (پیرس)

۴- مفاتیح العلوم خوارزمی صفحہ ۲۵۹ (لیڈن)

۵- مروج الذھب ج ۲ ص ۸۴ (پیرس)

۶- سفرنامہ سلیمان و ابوزید صفحہ ۹۳' ۱۳۰

وہ راس کماری کو قمار کہتے تھے اس لئے عود قماری ان کے ہاں مشہور تھا۔ مشک تبت سے لاتے تھے[1] الماس کشمیر کے پہاڑ سے آتا تھا[2]

ہندوستان کی بحری درآمد

یہ چیزیں تو خیر ہندوستان سے باہر جاتی تھیں مگر ان کے بدلے اہل عرب ہندوستان والوں کو کیا لا کر دیتے تھے۔ جزائر والے تو اپنی ضرورت کی چیزیں لیتے تھے جیسے کپڑے۔ بعض جزیروں کے متعلق عربوں نے لکھا ہے کہ وہاں لوگ ننگے رہتے ہیں وہ کپڑے نہیں لیتے لوہا لیتے ہیں۔[3]

تیسری صدی ہجری میں (نویں صدی عیسوی میں) سندھ کے طلائی سکوں کی ہندوستان میں مانگ رہتی تھی۔ وہاں کی ایک اشرفی یہاں تین تین اشرفی کو بکتی تھی۔ مصر سے زمرد کی انگوٹھی بن کر یہاں آتی تھی جو تکلف کے ساتھ ڈبیوں میں رکھی ہوتی تھی۔ مرجان اور ایک اور معمولی پتھر کی جس کا نام دھنج تھا یہاں مانگ تھی[4] شراب بھی مصر سے یہاں آتی تھی[5] اور روم سے ریشمی کپڑے اور سمور اور پوستین اور تلواریں آتی تھیں[6] فارس سے گلاب کا عرق جو مشہور تھا ہندوستان آتا تھا[7] بصرہ سے دیبل (سندھ) کی بندرگاہ میں کھجوریں آتی تھیں[8] کارومنڈل میں عرب سے گھوڑے آتے تھے[9]

کیا اہل ہند بھی جہاز راں تھے؟

ہندوستان کی خشکی اور تری کی ہر قسم کی بیرونی تجارت کے بیان میں کہیں ہندوؤں کا نام

۱۔ ایضا صفحہ ۱۱۱
۲۔ عجائب الھند بزرگ صفحہ ۱۲۸ (پیرس)
۳۔ سفرنامہ سلیمان وابوزید ص ۹
۴۔ سفرنامہ سلیمان وابوزید ص ۱۴۵
۵۔ ابن حوقل ص ۲۳۱
۶۔ ابن خردازبہ ص ۱۵۳ (لیڈن)
۷۔ ابن حوقل ص ۲۱۳
۸۔ تقویم البلدان ابوالفدا ص ۳۴۹
۹۔ ایضا ص ۳۵۵

نہیں آتا اور نہ ہندوؤں کا نام دریائی سفر کرنے والوں اور جہاز چلانے والوں میں کسی نے ذکر کیا ہے۔ یونانیوں سے لے کر عربوں تک کی تاریخ جغرافیہ اور سفرنامے اس سے خالی ہیں اور ہر جگہ ہندوستان کے بحری تاجروں کی حیثیت سے یونانیوں' رومیوں اور عربوں ہی کے نام آتے ہیں یہاں تک کہ مارکوپولو کے سفرنامہ میں بھی عربوں ہی کے نام ہیں اور اسی بنا پر الفنسٹن صاحب وغیرہ نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ دریائے سندھ اور گنگا میں کشتی اور ڈونگی اور سمندر کے کنارے کنارے ایک بندر سے دوسرے بندر تک جانے کے سوا ہندوؤں نے سمندر کو پار کرنے کی ہمت نہیں کی یہاں تک کہ سکندر کے زمانہ میں بھی دریائے سندھ میں یونانیوں کو نہ تو جہاز ملے اور نہ جہاز چلانے والے ہاں' چھوٹی چھوٹی ڈونگیوں اور ناؤں پر مچھوے البتہ ان کو ملتے رہے۔ ہاں' کارومنڈل کے لوگ بے شک جزائر جاوہ میں جانے کی ہمت کر سکے [1]

لیکن ہمیں ان صاحبوں کی اس تحقیق سے اختلاف ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ کل ہندو نہیں لیکن کم از کم سندھ اور گجرات کے لوگ اس سے مستثنٰی ہیں بلکہ منوجی کی شاستر میں ایک ایسا فقرہ ہے جو اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ اس زمانہ کے ہندوؤں میں کچھ لوگ ایسے تھے جو سمندر کے سفر سے آگاہ تھے وہ فقرہ یہ ہے۔ [2]

> ''سمندر کے راستہ میں خیر و عافیت' ملک' وقت' مطلب ان چار کے دیکھنے والے جو سود قرار دیں وہ سود لینا''۔

یونانی مورخ آرین (Arrian) سکندر کے حال میں بیان کرتا ہے کہ ''ہندوستان میں اس کو اپنے جہازات خود تیار کرانے پڑے'' مگر ساتھ ہی یہ بھی لکھتا ہے کہ ''ہندوؤں کی چوتھی ذات میں وہ ہیں جو جہاز بناتے ہیں' چلاتے ہیں یا کھیلتے ہیں (ملاح) ایسے جو دریاؤں کو پار کر لیتے ہیں۔'' [3]

یونانیوں کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ بحر احمر کے دہانہ کے ایک جزیرہ میں جو شاید سقوطرہ ہو عربوں اور یونانیوں کے ساتھ کچھ ہندوؤں کی بھی آبادی تھی۔ [4]

۱- الفنسٹن کی تاریخ ہند' دسواں باب (تجارت)
۲- منوشاستر ترجمہ اردو لالہ سوامی دیال نولکشور
۳- الفنسٹن جلد اول صفحہ ۱۸۲
۴- ایضاً صفحہ ۱۸۳

اس میں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں کہ مالدیپ، لنکا، جاوا اور دوسرے ملائی جزیروں کا اچھا خاصہ حصہ ہندو آبادی پر مشتمل تھا۔ ان کے رسوم اور مذہب بلکہ ان کی زبان تک ہندو ہونے کو ظاہر کرتی ہے۔ عرب سیاحوں اور تاجروں نے اسی لئے ان جزیروں کو ہند کا ٹکڑا یقین کیا اور اسی حیثیت سے ان کا ذکر کیا بلکہ نویں صدی عیسوی کا سیاح ابوزید کہتا ہے کہ ''راس کماری بھی جاوہ کے مہراج نے فتح کر لیا تھا۔''(۱)

یہ بات خاص خیال کے قابل ہے کہ عربوں نے جاوہ کے بادشاہ کو ہمیشہ مہراج کہا ہے اور ان جزیروں کو مہراج کی مملکت بیان کیا ہے۔

لیکن اس سے زیادہ یہ کہ نویں صدی عیسوی میں ابوزید سیرافی اس سلسلہ میں کہ ''اہل ہند ایک ساتھ مل کر نہیں کھاتے'' کہتا ہے کہ ''چنانچہ یہ ہندو سیراف (عراق کی بندرگاہ) آتے ہیں اور کوئی (عرب) تاجر ان کی دعوت کرتا ہے تو وہ کبھی سو اور کبھی سو سے زیادہ ہوتے ہیں مگر ان کے لئے اس کی ضرورت ہوتی ہے کہ ہر ایک کے سامنے علیحدہ ایک طبق رکھا جائے جس میں کوئی دوسرا شریک نہ ہو'' (۲) اس فقرہ سے صاف ظاہر ہے کہ عراق کی بندرگاہ میں بکثرت اور بڑی تعداد میں وہ کم از کم عربوں کے عہد میں آنے جانے لگے تھے۔ ہندوؤں کا کشمیر زیریں (پنجاب) سے سندھ تک دریا کا سفر کرتے رہنا اہل عرب نے بھی بیان کیا ہے۔ (۳)

اس سے زیادہ ایک اور ثبوت ہے کہ بزرگ بن شہریار ناخدا نے اپنی کتاب عجائب الہند میں بیسوں مقامات پر ''بانانیہ'' یعنی بنیا کے نام سے جہاز کے دوسرے مسافروں کی طرح ہندوستانی بیوپاریوں کا نام لیا ہے بلکہ ایک جگہ اس نے دو لفظ علیحدہ علیحدہ استعمال کئے ہیں یعنی ''بانانیہ اور تاجر'' (۴) جس سے مقصود ہندو بیوپاری اور عرب تاجر ہیں عرب میں آج تک ہندو بیوپاری اور تاجر ''بانیہ'' اور جمع کی صورت میں ''بانانیہ'' ہی کہلاتے ہیں اور عراق، بحرین، عمان، سوڈان، مصوع، پورٹ سعید اور قاہرہ (مصر) میں ان کی آج بھی تجارتیں ہیں۔ حجاز اور مصر کے سفر میں ان بنیوں سے میری ملاقاتیں ہوئی ہیں۔

۱- ابوزید صفحہ ۹۷
۲- ابوزید ص ۱۴۶
۳- عجائب الہند صفحہ ۱۰۴
۴- عجائب الہند ص ۱۶۵

یہ روزمرہ کی بازاری عربی زبان اس خوبی سے بولتے ہیں کہ ہمارے یہاں کے اچھے اچھے مولوی ان کا منہ تکتے رہیں۔ یہ لوگ زیادہ تر سندھی' ملتانی اور گجراتی ہوتے ہیں جو خدا جانے کب سے ان ملکوں میں آمدورفت رکھتے ہیں۔ چنانچہ سنہ ۳۰۰ھ میں بھی یہ لوگ عدن کے پاس عرب جہازوں میں بیٹھے نظر آتے ہیں۔ [1]

بحر ہند کے جہازات

ہندوستان کے سمندر میں جو جہازات چلتے تھے اور جو بحر روم میں چلتے تھے ان دونوں میں ایک خاص فرق تھا۔ بحر روم کے جہازوں کے تختے لوہے کی کیلوں سے جڑے جاتے تھے اور بحر ہند کے جہازوں کے تختے ڈوری سے سیئے جاتے تھے [2] یہ جہاز کتنے بڑے ہوتے تھے اس کا اندازہ اس سے ہوگا کہ ان میں دو دو منزلیں ہوتی تھیں۔ علیحدہ علیحدہ کمرے ہوتے تھے۔ پانی پینے اور کھانے کا ذخیرہ ہوتا تھا۔ مسافروں کے علاوہ سامان تجارت اور اسباب کے گودام ہوتے تھے۔ جہازوں میں کام کرنے والے خلاصی اور ملاح اور حفاظت کرنے والے تیر انداز سپاہی خود ایک ہزار ہوتے تھے [3] بزرگ بن شہریار ناخدا سنہ ۳۰۶ھ کا ایک قصہ سناتا ہے:

''سن ۳۰۶ھ میں سیراف سے ایک جہاز پر میں ہندوستان چلا' ہمارے ساتھ عبداللہ بن جنید کا جہاز اور سیاح کا جہاز بھی تھا اور یہ تینوں جہاز بہت بڑے تھے اور سمندر کے ممتاز جہازوں میں تھے اور ان کے ناخدا اور ملاح بہت مشہور تھے اور ان تینوں جہازوں میں تاجر' ملاح' ابنیاء وغیرہ ملا کر بارہ سو آدمی تھے اور ان میں مال و اسباب اس کثرت سے تھا جس کا اندازہ نہیں جب گیارہ دن کے بعد تھانہ (بمبئی) کے نشانات ملے''[4]

اس سے اندازہ ہوگا کہ یہ جہاز اتنے بڑے ہوتے تھے کہ سامان و اسباب اور خلاصیوں اور ملاحوں کے علاوہ چار سو آدمی آرام کے ساتھ سفر کر سکیں۔ چین جانے والے جہاز اتنے بڑے ہوتے تھے کہ ان میں صرف جہاز کے تعلق کے ایک ہزار آدمی ہوتے تھے۔ چھ سو جہاز چلانے کے لئے اور چار سو تیر انداز اور نفط پھینکنے والے سپاہی باقی مسافروں کا

۱- ایضاً صفحہ ۱۴۷

۲- سفرنامہ سلیمان صفحہ ۸۸

۳- سفرنامہ ابن بطوطہ جلد ۲ (سفر چین)

۴- عجائب الہند ص ۱۶۵' ۱۴۷

اندازہ کر لیجئے۔ ہر بڑے جہاز پر تین چھوٹی کشتیاں وقت بے وقت کے اتفاقات کے لئے ہوتی تھیں۔[1]

بحری تجارت کی دولت

بحر ہند کی تجارت سے ہندوستان اور عرب دونوں کو جو فائدے پہنچے تھے ان کا اندازہ بعض واقعات سے ہوتا ہے۔ ولبھ رائے کا پایہ تخت مہانگر ''سونے کا شہر'' کہلاتا تھا۔ مہراج کا پایہ تخت (جزیرہ جاوہ) کے بازار میں دکانوں کا شمار نہ تھا فقط صرافی کی دکانیں اس بازار میں ۸۰۰ تھیں[2] عمان میں موتیوں کا ایک تاجر تھا' اس نے ایک دفعہ دو نادر روزگار موتی پائے جن کی قیمت بغداد کے خلیفہ نے ایک لاکھ درہم ادا کی[3] ایک ناخدا کا بیان ہے کہ ''سنہ ۳۱۷ھ میں کلہ (ہند) سے عمان سامان تجارت لے کر گیا' ہمارے جہاز پر اتنا مال واسباب تھا کہ عمان کے حاکم نے ہمارے جہاز سے چھ لاکھ دینار ٹیکس لیا۔ یہ اس لاکھ دینار کے علاوہ جس کو اس نے اپنی مہربانی سے معاف کر دیا یا لوگوں نے چوری سے اس کو چھپا لیا اور ظاہر نہیں کیا[4] اسی سال سر اندیپ سے ایک اور جہاز آیا جس نے اپنا محصول چھ لاکھ ادا کیا[5] عمان میں اسحاق نام ایک یہودی تھا جو دلالی کا کام کرتا تھا۔ وہ ایک اور یہودی سے لڑ کر ہندوستان چلا آیا پھر چین چلا گیا اور تیس برس میں اتنی دولت پیدا کی کہ خود جہازوں کا مالک ہو گیا اور آخر کار تیس برس کے بعد سنہ ۳۰۰ھ میں وہ پھر عمان آیا تو اس نے عمان کے حاکم کو ایک لاکھ درہم کی رشوت اس لئے دی کہ اس کا اسباب سرکاری طور سے دیکھا بھالا نہ جائے۔ اس کے پاس مشک کا ذخیرہ اتنا تھا کہ ایک دفعہ اس نے ایک لاکھ مثقال (تولہ) مشک صرف ایک سوداگر کے ہاتھ فروخت کی اور اس کے علاوہ ساٹھ ہزار اشرفی کی مشک دو دوسرے سوداگروں کے ہاتھ بیچی[6] ایک اور شخص جو نہایت غربت کی حالت میں عمان سے روانہ ہوا تھا وہ واپس آیا تو پورا جہاز اس کے مال و

۱- سفر نامہ ابن بطوطہ جلد ۲ (کالی کٹ کا بیان)

۲- عجائب الہند ص ۱۳۷

۳- عجائب الہند ص ۱۳۶

۴- ایضا صفحہ ۱۳۰

۵- ایضا صفحہ ۱۵۸

۶- عجائب الہند صفحہ ۱۰۸

اسباب سے لدا ہوا تھا جس میں دس لاکھ اشرفی کی تو مشک تھی اور اسی قیمت کے ریشمی کپڑے اور جواہرات تھے۔ اس سے محصول پانچ لاکھ دینار وصول کیا گیا۔[۱]

دوسری طرف ان عرب تاجروں سے ہندوستانی سواحل کے راجاؤں کو بھی بڑی آمدنی ہوتی تھی۔ اس لئے وہ ان کی بڑی قدر کرتے تھے[۲] ابن بطوطہ نے جنوبی ہند کے ساحلی شہروں کا سفر کرتے ہوئے جابجا لکھا ہے کہ یہ ہندو راجہ ان عرب جہاز رانوں کو اس لئے ناخوش نہیں ہونے دیتے کہ ان کے ملک کی آمدنی انہیں کی آمدرفت سے ہے۔ کالی کٹ اور کارومنڈل کے راجہ اس بحری تجارت کی بدولت لاتعداد دولت کے مالک تھے۔ کارومنڈل کے ایک راجہ کے مرنے پر اس کے ایک مسلمان کارکن کو جو سونا اور جواہرات ہاتھ آئے ان کے اٹھانے کے لئے سات ہزار بیلوں کی ضرورت تھی[۳] اسی کارومنڈل کو جب علاؤالدین خلجی کے سپہ سالار ملک کافور نے ایک دفعہ فتح کیا تو اس کو سرکاری خزانہ سے دوسری چیزوں کے علاوہ ''چھیانوے ہزار من سونا[۴] اور پانچ سو من موتی[۵] اور جواہرات ملے'' موتی اور جواہرات کی قیمت کو چھوڑ کر چھیانوے ہزار من سونا کیا کم چیز ہے؟ علاؤالدین کے زمانہ میں تیرہ چودہ سیر کے قریب من ہوتا تھا یعنی انگریزی حساب سے ۲۸ پونڈ کے برابر اس لحاظ سے صرف اس سونے کا حساب ۲۶ لاکھ ۸۸ ہزار پونڈ ہوتا ہے۔

کارومنڈل کی تجارت تمام تر عرب، عراق اور فارس کے سواحل سے تھی۔ تفصیل آگے آئے گی۔

بحر روم سے ہندوستان کا دوسرا بحری راستہ عربوں نے دریافت کرلیا تھا

اوپر گزر چکا ہے کہ کس طرح پرتگالی جہاز رانوں نے بحر روم کو چھوڑ کر افریقہ کی پشت پر سے ہندوستان کا راستہ پایا اور یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ دریافت انہیں جہاز رانوں کی کوششوں کی ممنون ہے لیکن یہ سن کر تعجب ہوگا کہ اس دریافت کی عزت ان سے سینکڑوں برس پہلے ان

۱- معجم البلدان یاقوت لفظ قیس

۲- ایضا لفظ قیس

۳- جامع التواریخ مندرجہ الیٹ جلد اول صفحہ ۶۹، ۷۰ و تاریخ وصاف مندرجہ الیٹ جلد ۲ صفحہ ۳۲، ۵۳

۴- تاریخ ضیا برنی صفحہ ۳۳۳۔ مطبوعہ کلکتہ

۵- خزائن الفتوح امیر خسرو مطبوعہ علی گنڈھ صفحہ ۱۷۸

عرب تاجروں کو حاصل ہے جو بحر ہند میں اپنا جہاز چلایا کرتے تھے۔ یہ معلوم ہو چکا ہے کہ ہندوستانی سمندر اور رومی سمندر کے جہازوں کی ساخت میں کیا فرق تھا۔ بڑا فرق یہ تھا کہ بحر روم کے جہازوں کے تختے لوہے کی کیلوں سے جڑے جاتے تھے اور ہندوستانی سمندر کے جہازات مضبوط رسی سے جو کھجور یا ناریل کی چھال سے تیار ہوتی تھی، سی جاتی تھی۔ سلیمان تاجر جو سنہ ۲۳۷ھ میں تھا جس کا بار بار نام آ چکا ہے وہ اپنے سفرنامہ میں ایک جگہ لکھتا ہے۔

> ''ان باتوں میں جو ہمارے زمانہ میں نئی معلوم ہوئیں اور ہم سے پہلے لوگوں کو ان کا علم نہ تھا ایک یہ ہے کہ کسی کو اس کا پہلے وہم وگمان بھی نہ تھا کہ وہ سمندر جس پر ہندوستان اور چین واقع ہیں وہ کس طرح سے بحر شام (بحر روم یعنی میڈیٹیرین سی) سے ملا ہوا ہے اور اس پر کوئی دلیل بھی ان کے پاس نہ تھی مگر ہمارے زمانہ میں یہ ہوا کہ عربوں کے کچھ سئے ہوئے جہازوں کے تختے جو بحر ہند میں ٹوٹ گئے تھے اور جن کے مسافر ڈوب گئے تھے وہ بحر اخضر ہو کر بحر روم میں پائے گئے۔ اس سے یہ بات بخوبی ثابت ہو گئی کہ بحر ہند چین پر چکر کھا کر بحر روم میں جا کر مل گیا ہے کیونکہ سئے ہوئے جہاز صرف سیراف میں بنتے تھے اور روم وشام کے جہاز کیلوں سے جڑے جاتے ہیں۔''[1]

واسکوڈی گاما کو ہندوستان کس نے پہنچایا؟

اس میں شک نہیں کہ افریقہ کی پشت پر سے ہو کر پرتگالی جہاز ران آخر کار بحر ہند میں داخل ہو گئے تاہم انہوں نے ہندوستان کا پتہ نہ پایا۔ اس کو پرتگالی مانتے ہیں اور خود بدقسمت اہل عرب بھی کہتے ہیں کہ ان پرتگالیوں کو ہندوستان تک ایک عرب ہی جہاز ران نے پہنچایا۔ اس کا نام ابن ماجد اور اسد البحر یعنی ''دریا کا شیر'' اس کا خطاب تھا۔ بحر ہند کی جہاز رانی کے فن پر اس کی متعدد کتابیں عربی میں کتب خانہ پیرس میں موجود ہیں۔ چند سال ہوئے کہ پیرس کے مشرقی کتابوں کے پبلشر پال گاتھنر نے دو جلدوں میں ان کو شائع کر دیا ہے۔ تیسری جلد میں عربوں کے فن جہاز رانی اور آلات جہاز رانی پر پوری بحث ہے۔ اس تیسری جلد میں

۱- سفرنامہ سلیمان صفحہ ۸۸

''البرق الیمانی فی الفتح العثمانی'' کے حوالہ سے جو اسی زمانہ کی یمن کی تاریخ ہے، پرتگالیوں کے آنے اور ہندوستان کی تلاشمیں ان کی سرگردانی اور ابن ماجد شیر دریا کا ان پرتگالی لومڑیوں کے پھندے میں پھنس کر نشہ کی حالت میں ان کو ہندوستان پہنچا دینا تفصیل کے ساتھ مذکور ہے۔

خدا سے کیا ستم و جور ناخدا کہیئے

ہندوستان کی سیاہ مرچیں اور یورپ

یورپ کے ابتدائی مشرقی تاجر جو سترھویں صدی سے ہندوستان آنا شروع ہوئے سب کو معلوم ہے کہ وہ سیاہ مرچوں کے زیادہ تر دلدادہ وشیدا تھے اور انہیں کو ہندوستان سے لادلاد کر لے جاتے تھے مگر تیرھویں صدی کا ایک عربی کا جغرافیہ نویس زکریا قزوینی (سنہ ٦٨٦ھ) غالباً اپنی کسی پیشرو کی کتاب میں دیکھ کر ملیبار کے حال میں بیان کرتا ہے۔

''یہ سیاہ مرچیں انتہائی مشرق سے لے کر انتہائی مغرب تک جاتی ہیں اور ان کے سب سے زیادہ شائق اہل فرنگ ہیں، جو ان کو شام میں بحرروم سے لے کر اقصائے مغرب کو لے جاتے ہیں۔''(۱)

غالباً ترکوں نے قسطنطنیہ فتح کر کے بحرروم پر قبضہ کر کے ہندوستان کی انہیں سیاہ مرچوں کے مزے سے ان کو محروم کر دیا اور آخرانہیں کے لئے جان جوکھوں میں ڈال کر وہ دوسرے دریائی راستہ سے ہندوستان آئے تاکہ یہ تحفہ کسی نہ کسی طرح اپنی ملک پہنچا سکیں۔

ایک عرب ہندوستانی کا وطنی گیت

اس بات کا خاتمہ ہم ایک عرب ہندوستانی محبّ وطن کے عربی گیت یا نظم پر کرتے ہیں جو اس نے کسی معترض کے جواب میں ہندوستان کی خوبیوں اور اس کی پیداواروں کی تعریف میں لکھی ہے (۲) اس شاعر کا نام ابوضلع سندھی ہے اور جس کے وجود کا زمانہ بہرحال سن

۱۔ آثارالبلاد قزوینی جلد۳ صفحہ۸۲ گوٹنجن

۲۔ آثارالبلاد قزوینی ص۸۵

۶۸۶ھ سے پہلے ہوگا اور عجب نہیں کہ تیسری یا چوتھی صدی ہو کیونکہ سندھ میں عربوں کے دور کا زمانہ یہیں ختم ہوتا ہے۔

لقد انکر اصحابی وما ذالک بالامثل

اذا ما مدح الھند وسھم الھند فی المقتل

ترجمہ: میرے دوستوں نے انکار کیا اور یہ بہتر نہیں جب ہندوستان کی اور ہندوستان کے تیر کی معرکہ میں تعریف کی جا رہی تھی۔

لعمری انھا ارض اذا القطر بھا ینزل

یصیر الدر و الیاقوت والدر لمن یعطل

ترجمہ: میری جان کی قسم! یہ وہ سرزمین ہے کہ جب اس میں پانی برستا ہے تو دودھ موتی اور یاقوت اس سے اگتے ہیں ان کے لئے جو آرائش سے خالی ہیں۔

فمنھا المسک والکافور والعنبر والمندل

واصناف من الطیب لھستعمل من یتفل

ترجمہ: اس کی خاص چیزوں میں مشک، کافور، عنبر، عود اور قسم قسم کی خوشبو ان کے لئے جو میلے ہوں۔

وانواع الافاویہ و جوز الطیب والسنبل

ومنھا العاج والساج ومنھا العود والصندل

ترجمہ: اور قسم قسم کے عطریات اور جائے پھل اور سنبل اور ہاتھی دانت اور ساگون کی لکڑی اور خوشبو لکڑی اور صندل

وان التوتھا فیھا کمثل الجبل الاطول

ومنھا الببر والنمر و منھا الفیل والدفنل

ترجمہ: اور اس میں توتیا سب سے بڑے پہاڑ کی طرح ہے اور یہاں شیر ببر اور چیتے اور ہاتھی اور ہاتھی کے بچے ہوتے ہیں۔

ومنھا الکوک والببغاء والطائوس والجوزل

ومنھا شجر الرابخ والساسم والفلفل

ترجمہ: اور یہاں پرندوں میں کلنگ اور طوطے اور مور اور کبوتر ہیں اور درختوں میں یہاں

ناریل اور آبنوس اور سیاہ مرچوں کے درخت ہیں۔

سیوف مالها مثل قد استغنت عن الصیقل

وار ماح اذا اهترت اهتز بهاالجحفل

ترجمہ: اور ہتھیاروں میں تلوار ہیں جن کو کبھی صیقل کی حاجت نہیں اور ایسے نیزے ہیں کہ جب وہ ہلیں تو فوج ان سے ہل جائے۔

فهن ینکر هذا الفضل الا الرجل الاخطل

ترجمہ: تو کیا بیوقوف کے سوا کوئی اور بھی ہندوستان کی ان خوبیوں کا انکار کرسکتا ہے۔؟

باب:۳

علمی تعلقات

عرب وہند کے علمی تعلقات کی تشریح عربی کی حسب ذیل قدیم مستند کتابوں سے کی گئی ہے۔

۱- جاحظ

سنہ ۲۵۵ ھ میں وفات پائی' بصرہ کا رہنے والا تھا' عربی زبان کا مشہور انشا پرداز' فلاسفر اور متکلم تھا اس کی بے شمار چھوٹی بڑی کتابیں ہیں جن میں سے کتاب البیان والتبین' التبیین' کتاب الحیوان' رسائل جن میں فرضی مناظرے ہیں' مطبوعہ صورت میں ہیں اور ابھی حال میں اس کی ایک کتاب التاج مصر سے شائع ہوئی ہے۔ جاحظ کی کتاب البیان میں ہندوستان کے اصول بلاغت پر ایک صفحہ ہے اور رسائل میں سے ایک میں ہندوستان کی خوبیاں درج ہیں۔ یہ کتابیں مصر میں چھپی ہیں۔

۲- یعقوبی

اس کا نام احمد بن یعقوب بن جعفر ہے' عباسی سلطنت میں یہ دفتر انشا کا افسر تھا' اس نے ہندوستان اور دوسرے ممالک کی سیر وسیاحت کی تھی۔ یہ پہلا مسلمان مورخ تھا جس نے تمام دنیا کی قوموں کی تاریخ عربی میں لکھی۔ سنہ ۲۸۷ ھ میں اس کا انتقال ہوا اس کی دو کتابیں چھپی ہیں ایک تاریخ دو جلدوں میں اور دوسری جغرافیہ۔ تعجب ہے کہ اس نے جغرافیہ میں ہندوستان کا حال نہیں لکھا مگر تاریخ کی پہلی جلد میں اس نے سب سے پہلی دفعہ ان کتابوں کا حال لکھا ہے جن کا ہندوستان کی زبانوں سے عربی میں ترجمہ ہوا۔ یہ دونوں کتابیں لیڈن میں

چھپی ہیں۔

۳-محمد بن اسحاق معروف بہ ابن ندیم

یہ سنہ ۳۷۷ھ میں موجود تھا' بغداد کا رہنے والا تھا۔ اس نے ان تمام کتابوں کے نام اور احوال لکھے ہیں جو اس کے زمانہ تک کسی علم و فن میں عربی میں لکھی گئیں یا کسی دوسری زبان سے ترجمہ ہوئیں۔ اس میں ہندوستان کا بھی حصہ ہے۔ یہ کتاب جرمن فاضل فلوگل (Fluegel) کے اہتمام اور تحشیہ سے لیپزگ میں سنہ ۱۸۷۱ء میں شائع ہوئی۔

۴-ابوریحان بیرونی

المتوفی سن ۴۴۰ھ اس نے کتاب الہند کے نام سے پوری کتاب ہی ہندوستان کے علوم وفنون پر لکھی ہے۔ پروفیسر زخاؤ کی محنت سے سنہ ۱۸۸۷ء میں لندن میں چھپی' انگریزی اور ہندی میں بھی ترجمہ ہو چکا ہے۔

۵-قاضی صاعد اندلسی

یہ اسپین کا باشندہ تھا اس کی کتاب کا نام طبقات الامم ہے۔ سنہ ۴۶۲ھ (سنہ ۱۰۷۰ء) میں وفات پائی۔ اس نے اپنے عہد تک کی تمام متمدن قوموں کے ان علوم وفنون کی تاریخ لکھی ہے جو عربی کے ذریعہ سے اس تک پہنچے ہیں۔ اس میں ہندوستان کا بھی ایک باب ہے۔ اس کی یہ کتاب بیروت کے کیتھولک مطبع میں سنہ ۱۹۱۲ء میں چھپی تھی۔ پھر مصر میں بھی چھپ گئی۔ میرے پیش نظر بیروت کا نسخہ ہے دارالمصنفین اعظم گڑھ نے اس کا اردو ترجمہ بھی شائع کر دیا ہے۔

۶-ابن ابی اصیبعہ موفق الدین

اپنے زمانہ کا مشہور حکیم وطبیب تھا۔ اس کا دادا سلطان صلاح الدین کا طبیب تھا۔ سنہ ۵۹۰ھ (سنہ ۱۱۹۴ء) سے سنہ ۶۶۸ھ (سن ۱۲۷۰ء) تک اس کا زمانہ ہے۔ اس نے عیون الانباء فی طبقات الاطباء کے نام سے دنیا کی تمام متمدن قوموں کے مشہور طبیبوں کی سوانح عمریاں لکھی ہیں۔ دوسری جلد میں ہندوستان کا بھی ایک باب ہے۔ کتاب مصر میں دو جلدوں

میں چھپی ہے۔

۷۔حضرۃ الاستاذ علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

انہوں نے تراجم کے عنوان سے ایک مبسوط خطبہ محمدن ایجوکیشنل کانفرنس علی گڑھ میں دیا تھا جو رسائل کے ضمن میں چھپ چکا ہے۔اس میں تفصیل کے ساتھ ان کتابوں کا ذکر تھا جو یونانی، فارسی، عبرانی، سریانی وغیرہ زبانوں سے عربی میں ترجمہ ہوئیں۔اسی ضمن میں ایک مختصر بیان ان کتابوں کے متعلق بھی ہے جو سنسکرت سے عربی اور فارسی میں ترجمہ ہوئیں مگر اس وقت تک چونکہ بعض پرانی کتابیں طبع نہیں ہوئی تھیں اور بعض ناقص تحقیقات کی تکمیل نہیں ہوئی تھی اس لئے خطبہ کا یہ حصہ ناتمام سا تھا۔

علمی تعلقات کا آغاز

برامکہ

اس سے پہلے کہ عرب و ہند کے علمی تعلقات پر گفتگو شروع کی جائے اس خاندان کا ذکر کرنا چاہئے جس کی کوششوں سے یہ تعلقات وجود میں آئے۔ عام طور سے عربی زبان میں یہ خاندان برامکہ کے نام سے مشہور ہے۔ یہ وہ خانوادہ ہے جس نے بغداد کی عباسی خلافت میں پچاس سال تک سنہ ۱۳۶ھ سے سنہ ۱۸۶ھ تک نہایت امن وامان، نظم ونسق، جود وکرم، اور بخشش وفیاضی کے ساتھ وزارت کے فرائض انجام دیئے، یہاں تک کہ بہت سے ایسے لوگ ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ خلافت عباسیہ کی نیکنامی، شہرت اور حسن انتظام انہیں برمکی وزیروں کی بدولت تھا۔ انہیں کا ابر کرم تھا جس کی چھینٹوں سے بغداد کبھی باغ وبہار بن گیا تھا۔ پہلے عباسی خلیفہ سفاح سے لے کر پانچویں خلیفہ ہارون الرشید اعظم تک ان کے خاندان کے مختلف افراد نے وزارت کیا درحقیقت شہنشاہی کی۔ ان کے خاندان کا آغاز کو سفاح ہی کے زمانہ سے شروع ہوا مگر ان کے اقبال کا آفتاب ہارون کے عہد میں اوج کمال تک پہنچ گیا اور ابھی دوپہر ہی تھی کہ ہارون کے ہاتھوں یہ ہمیشہ کے لئے ڈوب بھی گیا۔ ہارون الرشید نے اس خاندان کو جن اسباب سے تباہ وبرباد کیا وہ ہمیشہ زیر پردہ رہے تاہم مورخوں نے یہ ثابت کیا ہے کہ اس کا سبب صرف یہ تھا کہ ''برامکہ نے اپنی فیاضی اور نیک نامی سے تمام لوگوں کو اپنا گرویدہ بنا لیا تھا۔ ساتھ ہی ملک کی تمام اچھی اور عمدہ زمینیں اپنی جاگیر میں کر لی تھی اور سلطنت کے جزو کل پر وہ ایسے حاوی ہو گئے تھے کہ اصل عباسی خاندان صرف انہیں کے رحم و کرم پر گویا باقی رہ گیا تھا۔ ایسی حالت میں اگر برامکہ کی بروقت خبر نہ لی جاتی تو اسلامی دنیا

میں ایک عظیم الشان تاریخی انقلاب پیش آتا اور عباسیہ ہمیشہ کے لئے مٹ جاتے اس لئے عباسی خاندان کو بچانے کے لئے برمکی خاندان کو مٹانا ضروری تھا۔ اسباب جو کچھ ہوں مگر بہرحال اس میں کوئی شک نہیں کہ برامکہ ہی خاندان وہ خاندان تھا جس کی سرپرستی میں مسلمانوں میں علم کلام، فلسفہ، طب، معقولات اور دوسری قوموں کے علوم کے سیکھنے کا شوق پیدا ہوا۔

برامکہ کون تھے؟

عام طور سے مشہور ہے کہ برامکہ مجوسی تھے یعنی آتش پرست ایرانی تھے۔ بلخ میں نوبہار نام منوچہر کا بنایا ہوا ایک آتشکدہ تھا اسی آتشکدہ کے یہ پیر مغاں تھے۔ جب مسلمانوں نے سنہ ۳۱ھ (سنہ ۶۵۱ء) میں بلخ کو فتح کیا تو یہ آتش کدہ بھی اس آندھی میں سرد ہو گیا۔ مگر کچھ دنوں کے بعد پھر اس کے شعلے بھڑکے اور آخر سنہ ۸۶ھ (سنہ ۷۰۵ء) میں مشہور مسلمان سپہ سالار خراسان قتیبہ نے ہمیشہ کے لئے اس ملک کو اسلام کے دائرہ حکومت میں داخل کر لیا۔ اس آتشکدہ کے پجاری جو قدیم بادشاہوں کے زمانہ سے بلخ اور اس کے آس پاس کی موقوفہ آبادی کے مالک و حاکم تھے ان میں کچھ لوگ خود اپنی مرضی سے مسلمان ہو گئے دمشق چلے آئے اور پھر جب عربوں کی حکومت کا مرکز سنہ ۱۳۳ھ میں دمشق سے بغداد کو منتقل ہوا تو وہ بھی بغداد چلے آئے اور رفتہ رفتہ سلطنت اور حکومت کے اعلیٰ سے اعلیٰ مدارج کو طے کرتے ہوئے وزارت کے منصب تک پہنچے اور کبھی کل دنیائے اسلام پر شاہی کی۔

یہ خاندان جو اس آتشکدہ کا دستور اعظم تھا، ''برمک'' کے لقب سے مشہور تھا۔ اسی برمک کی جمع ''برامکہ'' ہے جس کے ساتھ اس خاندان کی عزت و شہرت و ناموری قائم ہے۔ سوال یہ ہے کہ لفظ ''برمک'' کی اصلیت کیا ہے؟ قدیم مورخوں اور لغت نویسوں نے ادھر توجہ نہیں کی ہے۔ بعد کے فارسی مورخوں اور لغت نویسوں نے اس کو ''مکیدن'' (چوسنا) کے فارسی مصدر سے جس پر کبھی ''بر'' کا زائد لفظ بڑھا کر برمکیدن کہہ سکتے ہیں اس لفظ کی اصلیت تیار کی ہے پھر اس لفظ کے سہارے سے ایک بے بنیاد کہانی کی ایک عمارت کھڑی کی ہے۔ کہتے ہیں کہ پہلا برمک مسلمان ہو کر جب خلیفہ کے سامنے حاضر ہوا تو خلیفہ نے اس کو ڈانٹ کر کہا کہ ''تجھ کو بادشاہوں کے دربار میں آنے کا بھی سلیقہ نہیں تو اپنے پاس زہر لے کر دربا میں آیا

ہے۔میرے پاس ایسے مہرے ہیں جن سے مجھ کو معلوم ہو جاتا ہے کہ کس کے پاس زہر ہے'' برمک اول نے عرض کی کہ ''یہ قصور بے شک ہوا میری انگوٹھی کے نیچے زہر ہے تا کہ اگر کبھی مجھ پر ایسا وقت آ جائے کہ مجھے اپنی عزت بچانے کے لئے جان دینی پڑے تو میں اس انگوٹھی کو چوس لوں اور جان دے دوں''۔ چونکہ اس کی زبان فارسی تھی اس لئے ''چوس لوں'' کو فارسی میں اس نے ''برمکم'' کے لفظ سے ادا کیا۔اس وقت سے اس کا نام ہی ''برمک'' ہو گیا[۱] یہ کہانی تمام تر جھوٹ ہے اور صرف فارسی قصہ نویسوں کی گپ ہے۔ دمشق کے دربار کی زبان' فارسی نہ تھی' عربی تھی' علاوہ ازیں اس قصہ کا ماحصل یہی ہوگا کہ برمک کا لقب سنہ ۸۶ھ میں پیدا ہوا حالانکہ عربی کے تمام مستند مورخوں نے یہی لکھا ہے کہ یہ بلخ کے افسر پجاری کا پرانا لقب تھا۔

بعض فارسی لغت نویسوں نے برمک کو کسی مقام کا نام قرار دیا ہے جس کی طرف نسبت کر کے لوگ ان کو ''برمکی'' کہنے لگے[۲] ایک عرب ادیب نے اس کی فیلالوجی اس سے بھی زیادہ دلچسپ بیان کی کہ بلخ کا یہ معبد خانہ کعبہ کے جواب میں بنایا گیا تھا اس لئے اس کے افسر کو ''برمکہ'' یعنی مکہ کا حاکم کہتے تھے اور اسی کا اختصار برمک ہے[۳] ایک اور تشریح یاقوت کی معجم البلدان میں ہے کہ ''بر'' کے معنی بیٹا اور ''برمکا'' کے معنی مکہ کا بیٹا۔(نو بہار کا لفظ)

ہماری زبان میں البرامکہ کے نام سے اس خاندان کی مشہور تاریخ لکھی گئی ہے۔اس کے لائق مصنف نے اس لفظ کی اصلیت یہ ظاہر کی ہے کہ برمک اصل میں برمغ تھا کہ ''مغ'' جس کی جمع اردو شاعری میں بھی مغاں اور پیر مغاں مستعمل ہے' آگ کے پجاری (آتش پرست) کو کہتے ہیں۔اسی کی یونانی شکل مگوس اور عربی مجوس ہے اور ''بر'' افسر کو کہتے ہیں اس لئے ''برمغ'' کے معنی ''رئیس مجوس اور سردار مجوس'' کے ہوئے۔ہم کو اس تشریح کے ماننے میں تامل نہیں' بشرطیکہ یہ ثابت ہو سکے کہ نو بہار کے علاوہ ملک ایران کے ہزاروں آتشکدوں میں سے کسی ایک کے افسر پجاری' پروہت یا دستور کو اس نام سے پکارا گیا ہے۔اس تشریح کے ساتھ یہ لفظ فارسی میں اتنا عام ہونا چاہئے تھا کہ اس کا استعمال فارسی شعروں میں بکثرت ہوتا اور اہل لغت کو معلوم ہوتا مگر ان کو یہ پریشان گوئی ہی بتا رہی ہے کہ ان کو خود اس لفظ کی اصلیت کا علم نہ تھا۔علاوہ اس کے برمغ اس لفظ کو عربی میں برمج یا زیادہ سے زیادہ برمگ کہنا

۱- تاریخ ضیائے برنی' روضۃ الصفا' برہان قاطع

۲- برہان قاطع

۳- ربیع الابرار زمخشری

چاہیئے تھا۔ نہ بہگ اور نہ اس کی کوئی مثال دی جاسکتی ہے کہ فارسی غ کو عربی میں ک سے بدلا گیا ہے۔ ج سے البتہ بدل ہوا ہے جیسے چراغ سے سراج۔ ترکی نام ہلاکو کی اصل ہلاغو نہیں جیسا کہ سمجھا گیا ہے بلکہ ہلاکو ہے اور پھر تعجب نہیں کہ اس سفاک اور خونخوار بادشاہ کے نام کے لئے ہلاکو کا غلط تلفظ اس لئے بھی اختیار کیا گیا تا کہ عربی لفظ ہلاک (موت) کی طرف اس میں پر طعن تلمیح پوشیدہ ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اس لفظ کی تشریح اس راز کے فاش ہونے پر موقوف ہے کہ بلخ کا یہ معبد کیا درحقیقت مجوسیوں کا آتشکدہ تھا؟ اور کیا اس خاندان کا مذہب اسلام سے پہلے آتش پرستی تھا؟ اس کا جواب ایرانیوں کی طرف سے تو یہی ملے گا کہ ایسا ہی ہے یہ معبد آتشکدہ تھا اور ان کا مذہب آتش پرستی تھا۔

واقعہ یہ ہے کہ کسی غیر معمولی انسان کو اپنے میں شامل کرنے کا جذبہ ہر قوم میں ہے' کیا ایرانی سکندر کو خفیہ ایرانی شاہی نسل سے نہیں قرار دیتے؟ اور کیا مسلمانوں نے اپنے افسانوں میں رچرڈ شیر دل کو سلطان صلاح الدین ہی کے خاندان کی یادگار نہیں بتایا؟ یہی حال برامکہ کا بھی ہوا۔ ایرانیوں نے تو ان کا نسب وسب جوڑ کر گستاسپ کے وزیر جاماسپ تک پہنچا دیا ہے اور ثابت کیا کہ یہ ایرانی وزارت کا پرانا خاندان تھا [(۱)] عربوں نے اس کے برخلاف یہ دعویٰ کیا کہ جعفر برمکی اول' جس سے اس نسل کا عروج شروع ہوتا ہے وہ خراسان کے عرب سپہ سالار قتیبہ کا بیٹا تھا جعفر کی ماں لڑائی میں قتیبہ کے ہاتھ لگی تھی اور صلح کے بعد حاملہ ہو کر گھر واپس گئی۔ [(۲)]

حسب ونسب کے ان متضاد بیانات سے یکسو ہو کر اس عبادت گاہ کی حالت پر غور کرنا چاہیئے کہ کیا ایک آتشکدہ کی خصوصیتیں اس میں پائی جاتی تھیں؟ آتشکدہ کے لئے سب سے پہلی چیز یہ ہے کہ وہ آتشکدہ ہو یعنی اس میں آگ جلتی ہو لیکن بلخ کے اس معبد کی نسبت سوائے پچھلے بے احتیاط لوگوں کے اور کسی نے ایسا نہیں لکھا۔ اس معبد کا سب سے قدیم اور پرانا حوالہ اس وقت ہمارے ہاتھ میں بلاذری ہے مگر اس نے اس کی کوئی تفصیل نہیں دی ہے۔ اس کے بعد مسعودی (سنہ ۳۳۰ھ) اور ابن الفقیہ ہمدانی کا زمانہ ہے پھر معجم البلدان

۱- سیاست نامہ ونزہتہ القلوب حمد اللہ مستوفی

۲- طبری وابن اثیر

یاقوت (سنہ ۶۲۶ھ) کا بیان ہے۔ ابن الفقیہ اور یاقوت کا ابتدائی بیان حرف حرف ایک ہے اور یاقوت کا اپنا بیان عمر بن الزرق سے ماخوذ ہے۔

مسعودی کا بیان

مورخ مسعودی نوبہار کے حال میں لکھتا ہے کہ "نوبہار کی عمارت نہایت پختہ اور بلند تھی اور اس کے اوپر نیزوں پر سبز حریر کے جھنڈے لہراتے تھے جن میں سے ہر جھنڈے کا کپڑا سو سو ہاتھ کے برابر ہوتا تھا......اس کی چاروں طرف کی دیواریں بھی ایسی ہی بلند تھیں۔ اس کے جھنڈے کا ریشمی کپڑا اتنا بڑا تھا کہ دور تک جاتا تھا"(۱)

آپ نے دیکھا اس میں کہیں آگ کا ذکر نہیں اور نہ عمارت کی یہ ترکیب اور نہ یہ جھنڈے آتشکدوں میں ہوتے ہیں۔

ابن الفقیہ کا بیان

ابن الفقیہ ہمدانی کا بیان یہ ہے:

"نوبہار یہ برامکہ کی تعمیر تھی ان کا مذہب بتوں کو پوجنا تھا' ان کو مکہ کا اور قریش کے مذہب کا حال معلوم ہوا تو انہوں نے بھی یہ عبادت گاہ بنائی جس کا نام نوبہار ہوا جس کے معنی "نئے" کے ہیں تو عجم (غیر عرب) اس کا حج کرتے تھے' اس کو ریشم کا کپڑا پہنایا جاتا تھا' اس پر ایک گنبد تھا جس کا نام "اشبت" تھا یہ گنبد ۱۰۰ ہاتھ لمبا اور سو ہاتھ چوڑا تھا۔ عمارت کی چاروں طرف اس کے پجاریوں کے رہنے کے لئے ۳۶۰ حجرے تھے۔ سال کے ہر دن کے لئے ایک پجاری اور اس کے افسر پجاری کا لقب برمکا تھا یعنی مکہ کا دروازہ اور والی۔ تو ہر ایک کا لقب برمک ہوتا تھا۔ چین اور کابل کے بادشاہ اس مذہب میں تھے جب وہ یہاں آتے تھے تو بڑے بت کو سجدہ کرتے تھے۔"(۲)

آپ نے خیال فرمایا کہ اس بیان میں بھی اس میں آگ ہونا مذکور نہیں بلکہ اس کے

۱۔ مروج الذھب ج ۴ ص ۴۸ (پیرس)

۲۔ کتاب البلدان ص ۳۲۳ (لیڈن)

بجائے اس میں بتوں کا ذکر ہے جن کو آتشکدوں سے کوئی تعلق نہیں، نہ مجوس وایرانی بت کو پوجتے ہیں۔ پھر اس میں یہ ہے کہ چین اور کابل کے بادشاہ کا وہی مذہب تھا۔ سب کو معلوم ہے کہ چین اور کابل میں آتش پرستی کبھی نہ تھی۔

یاقوت کا بیان

یاقوت رومی ایک متقدم مصنف کے حوالہ سے نقل کرتا ہے:

''عمر ابن ازرق کرمانی نے کہا ہے کہ برامکہ بلخ میں ہمیشہ سے معزز تھے اور (سکندر کے بعد) جو طوائف الملوکی یا نراج کا دور ایران میں آیا اس سے پہلے سے تھے۔ ان کا مذہب بتوں کی پوجا تھی (پھر مکہ کی مشابہت اور مقابلہ میں نوبہار کی تعمیر ہونا جیسا اوپر گزرا ہے بیان کیا ہے) اس میں چاروں طرف بت کھڑے تھے اور ان کو ریشم کے کپڑے پہنائے جاتے تھے۔ نوبہار کے معنی نئی بہار کے ہیں کیونکہ ہر نئی بہار میں ان پر پھول کی نئی کلیاں چڑھائی جاتی تھیں۔ اہل فارس ان کا حج کرتے تھے اور اس کے سب سے بڑے گنبد پر جھنڈے کھڑے تھے اور اس گنبد کا نام استن تھا اور اس کی چاروں طرف ۳۶۰ کمرے تھے جن میں پجاری رہتے تھے۔ ہندوستان، چین اور کابل وغیرہ کے بادشاہ اس مذہب میں تھے اور یہاں آتے تھے اور آکر بڑے بت کو سجدہ کرتے تھے۔ یہ اتنا بلند تھا کہ اس کے جھنڈے کا کپڑا اڑ کر بلخ سے ترمز جا کر گرتا تھا۔''(۱)

پھول کے چڑھاوے اور بہار کی خصوصیات یہ سب فارسی لفظ ''بہار'' کی مناسبت سے گھڑ لی گئی ہیں تا کہ نوبہار نام کی مناسبت ظاہر ہو۔

قزوینی کا بیان

بلخ کے حال میں لکھتا ہے ''یہیں وہ عمارت تھی جس کا نام نوبہار تھا جو تمام بت خانوں میں سب سے بڑا بتخانہ تھا (اس کے بعد وہی مکہ کی نقل ومشابہت کی کہانی ہے) اس کو ریشم اور جواہرات سے آراستہ کیا گیا تھا اور اس میں بت کھڑے تھے اور اہل فارس اور ترکوں کو اس سے عقیدت تھی اور اس کا حج کرتے تھے اور نذرانے چڑھاتے تھے۔ اس گھر کی لمبائی ۱۰۰ ہاتھ اور چوڑائی ۱۰۰ ہاتھ اور اونچائی ۱۰۰ ہاتھ سے زیادہ تھی۔ برامکہ یہاں کے اصلی پجاری

۱- معجم البلدان ج۸ ص ۳۲۱ (مصر) لفظ نوبہار

تھے۔ ہندوستان کے راجہ اور چین کے خاقان یہاں آتے تھے[1] اور سجدہ کرتے تھے۔''

وہار' بودھ

ان تمام بیانات سے اس میں کوئی شک نہیں رہ جاتا کہ یہ مجوسیوں کا آتشکدہ نہیں بلکہ بودھوں کا وھار تھا اور اسی وہار کی خرابی بہار ہے۔ نو بہار اصل میں ''نو وہار'' ہے۔ وہار خاص بودھوں کے معبد اور خانقاہ کو کہتے ہیں جس کی ایک مثال خود ہمارے ملک میں شہر ''بہار'' ہے جو دراصل بودھوں کا وہار ہے۔ مسلمانوں نے اس کو اپنے فارسی لہجہ میں بہار کر لیا ہے۔ اسی نو بہار کے نام سے سندھ میں عربوں کی ابتدائی آمد کے زمانہ میں متعدد وہار تھے اور ان کی جو کیفیت عرب مورخوں نے لکھی وہ حرف حرف بلخ کے نو بہار پر پوری اترتی ہے۔

بلاذری (سنہ ۲۴۷ھ) جو نہایت قدیم مورخ ہے۔ فتوح البلدان میں سندھ کی فتح کے حال میں لکھتا ہے کہ ''دیبل میں ایک بہت بڑا بد (بودھوں وں کا معبد) تھا جس کے اوپر ایک بہت بڑا ستون تھا اور اس میں بہت بڑا سرخ جھنڈا تھا جو اتنا بڑا تھا کہ جب ہوا چلتی تھی وہ پورے شہر کے اوپر لہراتا تھا اور بد جیسا کہ (سندھ کے آنے جانے والے) لوگوں نے بتایا' اس عمارت کو کہتے ہیں جس میں ایک یا کئی بت ہوتے ہیں' ایک بہت بڑا مینار ہوتا ہے اور کبھی اس مینار ہی کے اندر بت رکھا ہوتا ہے اور ہر وہ چیز جس کی عبادت کے طور پر عزت کریں وہ بودھ ہے اور بت بھی بد ہوتا ہے''[2] کیا اس بیان کے بعد بھی اس یقین میں شک رہ جاتا ہے کہ بلخ کا یہ نو بہاروں کا بتخانہ تھا' مجوسیوں کا آتشکدہ نہیں۔

تعجب ہے کہ پرانے مورخوں کو چھوڑ کر یورپ کے نئے باخبر مورخوں کی بھی ادھر نظر نہ پڑی۔ وان کریمر نے برامکہ کو مزدکی بتایا[3] اور پروفیسر براؤن جیسے محقق سے بھی یہ حقیقت چھپی رہی وہ بھی نو بہار کو آتشکدہ اور برامکہ کو مجوسی کہتے ہیں[4] لیکن دوران تحقیق میں یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ زخاؤ نے کتاب الہند کے انگریزی ترجمہ کے مقدمہ (ص ۳۱) میں نو بہار کی اصل ''نو وہار'' اور بودھ خانقاہ بتائی ہے۔ موجودہ مستشرقین یورپ میں سے کم از کم ایک شخص

۱- آثار البلاد قزوینی ص ۲۲۱ گوٹنجن

۲- فتوح البلدان ص ۴۳۷ مطبع بریل سنہ ۱۸۶۶ء

۳- ترجمہ انگریزی صلاح الدین خدا بخش

۴- تقریری ہسٹری آف پرشیا' جلد ۱ صفحہ ۲۵۹

ڈبلیو برتھالڈ (W. Barthald) نے انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کے مضمون برامکہ (جلد اص ۶۶۳) میں چند سطروں میں یہ اشارہ کیا ہے کہ ''نوبہار بودھوں کا نو وہار معلوم ہوتا ہے جیسا کہ ایک چینی سیاح کا بیان ہے اور ابن فقیہ نے اس عمارت کی جو صورت لکھی ہے اس سے یہ ثابت ہوتا ہے''، لیکن ان میں سے کسی نے نہ تو اس پر کوئی اور دلیل قائم کی ہے اور نہ اور کوئی ثبوت بہم پہنچایا ہے پھر اسی کے ساتھ اس غلطی کا بدستور ارتکاب کیا ہے کہ برامکہ کو ایرانی نسل کا مجوسی مانا ہے اور یہ کہ ایرانیوں نے اس کو آتشکدہ بنالیا تھا۔

لیکن میرے نزدیک یہ قطعاً غلط ہے۔ میرا دعویٰ ہے کہ برامکہ بودھ مذہب کے پیرو تھے اور ان کا اصل تعلق ہندوستان سے تھا نہ کہ ایران سے۔ سچ ہے کہ برامکہ زمانہ کے بعض ھجو گو شاعروں یا بدظن لوگوں نے صریحاً ان کو مجوسیت کی طرف منسوب کیا ہے لیکن اس کا سبب یہ ہے کہ عربوں کو عجم کے باشندوں میں مجوسیوں کے سوا کوئی اور مذہب اور قومیت معلوم نہ تھی۔ دوسری بات یہ ہے کہ ایرانیوں اور برمکیوں کی سیاست کا اقتضا یہ تھا کہ وہ آپس میں عجمی بن کر ایک دوسرے کے معین و مددگار بنے رہیں گو کہ آخر تک یہ تعاون دونوں سے نہ نبھ سکا اور یہی سبب برامکہ کے زوال کا ہوا۔

بہرحال میرے اس دعویٰ پر کہ نوبہار بودھوں کا معبد اور برامکہ دراصل بودھ تھے حسب ذیل شہادتیں ہیں۔

(ا) نوبہار کہیں کسی مجوسی بت خانہ کا نام نہ تھا۔ اس کے برخلاف یہ بودھوں کے معبد کا مشہور نام ہے اور خود اسی نوبہار کے نام سے سندھ میں بودھوں کے معبد اسی زمانہ میں موجود تھے۔[۱]

(ب) عرب جغرافیہ نویسوں اور معتبر مورخوں نے اس معبد کی جو کیفیت بیان کی ہے وہ پوری پوری بودھ معبد کی تصویر ہے۔

(ج) ساتویں صدی عیسوی کے ایک چینی سیاح ہوان کنگ نے بلخ کے اس معبد کا ذکر کیا ہے[۲] اور یہ زمانہ کنگ تقریباً وہ ہوگا جب عرب فاتح یہاں پہنچ چکے ہوں یا پہنچنے والے ہوں گے۔

۱- ترجمہ انگریزی چچ نامہ الیت جلد اول ص ۱۵۰

۲- انسائیکلو پیڈیا آف اسلام ج اص ۶۶۴

(د) مسعودی اس نو بہار کے حال میں کہتا ہے کہ "بعض روایت اور تحقیق والے لوگوں نے بیان کیا ہے کہ انہوں نے نو بہار کے دروازہ پر فارسی میں ایک کتبہ پڑھا جس میں لکھا تھا "بوذاسف کا قول ہے کہ بادشاہوں کے دروازے تین خصلتوں کے محتاج ہیں، عقل اور صبر اور مال" اس کے نیچے کسی نے عربی میں لکھ دیا تھا کہ "بوذاسف نے غلط کہا جس میں ان تین باتوں میں سے ایک بات بھی ہو وہ بادشاہ کے دروازہ پر کیوں جائے گا؟"[1] محققین کو اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ اہل عرب بودھ ہی کو بوذاسف کہتے تھے[2] اب اگر یہ بودھوں کا معبد نہ ہوتا بلکہ مجوسیوں کا ہوتا تو اس کے صدر دروازہ پر بودھ کا مقولہ کیوں لکھا ہوتا؟

(ہ) بلخ خراسان کا ایک شہر ہے اور اس ملک کا مذہب اسلام سے پہلے گزشتہ اور موجودہ دونوں محققوں کے نزدیک بودھ مت تھا۔ چنانچہ ابن ندیم نے بھی خراسان کی ایک پرانی تاریخ کے حوالہ سے یہی لکھا ہے کہ "اسلام سے پہلے خراسان کا مذہب بودھ کا تھا۔"[3]

(و) برامکہ کے اسلام کے حال میں مورخوں نے یہ لکھا ہے کہ "نو بہار کے پجاری کا جو مذہب تھا وہی مذہب ہندوستان چین اور ترکوں کے بادشاہ کا تھا"[4] سب کو معلوم ہے کہ ہندوستان، کابل، چین اور ترکستان کا مذہب بودھ مت تھا، آتش پرستی اور مجوسیت نہیں۔

(ز) یاقوت میں ایک پیشرو مورخ عمر بن ارزق کرمانی کے حوالہ سے ہے (یہ کرمانی یقیناً تیسری چوتھی صدی کا آدمی ہے کیونکہ بعینہٖ یہی عبارت ابن الفقیہ میں ہے۔ جو چوتھی صدی کے وسط میں تھا) جب حضرت عثمان کے زمانہ میں بلخ فتح ہوا تو نو بہار کا متولی برمک بھی خلافت کے دربار میں گیا اور وہاں وہ اپنی خوشی سے مسلمان ہو گیا۔ جب وہاں سے بلخ واپس آیا تو لوگ اس کے تبدیل مذہب سے بہت برہم ہوئے اور اس کو معزول کر کے اس کی جگہ اس کے بیٹے کو متولی مقرر کیا۔ پھر نیزک طرخان (شاہ

۱- مروج الذھب ج۴ ص ۴۹ (پیرس)

۲- کتاب الفہرست ابن ندیم ص ۳۴۵ مع حواشی ظوگل

۳- کتاب الفہرست ابن ندیم صفحہ ۳۴۵

۴- ابن الفقیہ قزوینی اور یاقوت کے حوالے اوپر گزر چکے

ترکستان) نے اس کو لکھا کہ اسلام چھوڑ کر پھر اپنے مذہب میں واپس آ جاؤ۔ اس نے جواب دیا میں نے اپنی مرضی سے اسلام کو قبول کیا ہے اور اس کو اچھا سمجھ کر قبول کیا ہے۔ اس کو چھوڑ نہیں سکتا۔ طرخان نے اس پر حملہ کرنا چاہا مگر برمک کی دھمکی سے وہ اس وقت چپ ہو گیا مگر بعد کو دھوکے سے اس نے اس کو اور اس کے ساتھ اس کے دس بیٹوں کو بھی قتل کر دیا صرف ایک کمسن لڑکا بچ گیا''۔

سوال یہ ہے کہ اگر نوبہار آتشکدہ ہوتا اور برامکہ مجوسی ہوتے تو ترک بودھوں کے بادشاہ طرخان کو اس پر غصہ کیوں آتا؟ اور وہ اس کے اور اس کے خاندان کے درپے کیوں ہوتا؟

(ح) برمک اور اس کے اولاد کے قتل ہو جانے کے بعد برمک کی بیوی اپنے کم سن بچہ کو لے کر بھاگ گئی اور بھاگ کر کشمیر آئی چنانچہ اس کم سن بچہ نے کشمیر ہی میں تعلیم و تربیت پائی اور یہیں علم طب اور نجوم اور ہندوستان کے دوسرے علوم سیکھے اور وہ اپنے باپ دادوں کے مذہب پر رہا۔ اتفاق سے ایک زمانہ میں بلخ میں طاعون آیا وہاں کے لوگوں نے سمجھا اپنے دین کے چھوڑ دینے کی وجہ سے یہ بلا ان پر آئی چنانچہ نوجوان برمک کو کشمیر سے بلخ بلوا کر نئے سرے سے نوبہار کی آرائش کی۔[1]

بلخ سے کشمیر بھاگ کر آنے کی اور یہاں تعلیم و تربیت حاصل کرنے کی کوئی وجہ سوائے اس کے نہیں ہو سکتی کہ اس خاندان کا تعلق ہندوستان سے تھا اور ان کا مذہب بودھ تھا جس کا ایک مرکز کشمیر بھی تھا ورنہ ان کے لئے آسان تھا کہ وہ ترکوں کے ظلم و ستم سے بھاگ کر اپنے ہم قوموں اور ہم مذہبوں کے پاس ایران جائیں یا مسلمانوں کے پاس آ کر پناہ لیں۔ پھر ایک مجوسی لڑکے کی تعلیم و تربیت دوسرے ملک اور مذہب میں کیا ہو سکتی ہے اور یہاں اس کو اپنے مذہب کی کیا تعلیم ملتی؟

(ط) یہ تو اس خاندان کے ہندوستان کے ساتھ تعلق کا واقعہ اس کے اسلام لانے سے پہلے کا ہے۔ اسلام لانے کے بعد اس خاندان نے ہندوستان کے ساتھ اپنے تعلقات کو اور زیادہ مضبوط کر دیا' ہندوستان کے پنڈتوں کو عراق میں بلوا کر اپنے درباروں میں جگہ دی' سندھ کے غالباً بودھ عالموں اور طبیبوں کو بلوا کر اس نے بغداد کے دارالترجمہ اور

۱۔ دیکھو معجم البلدان یاقوت لفظ ''نوبہار'' اور کتاب البلدان ابن الفقیہ صفحہ ۳۲۴ (لیڈن)

شفاخانوں میں مقرر کیا' ہندوستان مذہبوں اور دواؤں کی تحقیقات کے لئے وفد بھیجا۔
ابن ندیم کتاب الفہرست میں جو سنہ ۳۷۷ھ کی تصنیف ہے کہتا ہے:

''عربوں کے دور حکومت میں ہندوستان کے معاملہ سے جس نے زیادہ دلچسپی لی وہ یحییٰ بن خالد برمکی اور برامکہ کی جماعت ہے جس کی دلچسپی اور اہتمام ہندوستان کے معاملہ کے ساتھ اور وہاں کے پنڈتوں اور ویدوں کو ہندوستان سے بغداد بلوانے میں (مشہور ہے)۔''[1]

اگر یہ لوگ ایرانی مجوسی ہوتے تو ان کی اس توجہ اور سرگرمی کا مرکز ہندوستان کی بجائے ایران ہونا چاہئے تھا۔

(ی) سب کے آخر یہ کہ برمک جوان کا خاندانی نام اور نوبہار کے متولی اور بڑے پجاری کا اعزازی لقب تھا وہ سنسکرت زبان کا لفظ پرمک ہے۔ ڈاکٹر زخاؤ جو خود سنسکرت کے ماہر ہیں وہ کہتے ہیں کہ اس لفظ کے سنسکرت میں معنی برتر اور بڑے مرتبہ والے کے ہیں۔ ہم نے بھی سنسکرت جاننے والوں سے دریافت کیا تو انہوں نے بھی تصدیق کی۔

(ک) نوبہار کی عمارت میں جو بہت بڑا ''قبہ'' یا گنبد بنا ہوا تھا اس کا نام تھوڑے تھوڑے فرق سے مختلف نسخوں میں مختلف طور سے لکھا ہوا پایا گیا ہے۔ یاقوت کے مصری نسخہ میں ''استن'' اس کا نام بتایا گیا ہے۔ یورپ کا نسخہ اس وقت میرے پاس نہیں مگر ابن الفقیہ کا جو لیڈن کا چھپا ہوا نسخہ میرے سامنے ہے اس میں اصل متن میں تو اس کا نام ''آسبت'' لکھا گیا ہے مگر مشہور فاضل ڈی غوجی (De Goeje) اس کے ایڈیٹر نے اس کی حسب ذیل شکلیں مختلف نسخوں کے حوالہ سے لے کر لکھی ہیں۔ ''استن'' ''است'' ''اسبت'' میرے خیال میں یہ صحیح لفظ ''آستپ'' ہے اور یہ بودھ لفظ ''سقوپ'' کا فارسی و عربی تلفظ ہے۔ سب جانتے ہیں کہ ''سقوپ'' بودھوں کا وہ خاص معبد کہلاتا ہے جس میں بودھ کی راکھ یا سادھی رکھی گئی تھی۔ ایسی عمارتیں ہندوستان میں بھی کئی نکل چکی ہیں اور آثار قدیمہ نے ان کی کیفیت پوری طرح بیان کیا ہے۔ یہاں بھی فارسی لفظی مشابہت نے دھوکا دیا ہے۔ فارسی میں ''استن'' کھمبے کو کہتے ہیں جس کی دوسری فارسی شکل ستون ہماری زبان میں بھی ہے اسی لئے لکھنے والوں نے

۱۔ کتاب الفہرست ص ۳۴۵ لیزگ (سنہ ۱۸۷۱ع)

اپنے خیال کے مطابق ''استب'' کو بے معنی سمجھ کر اس کو فارسی کر دیا ہے کہ اس کے کچھ معنی ہو جائیں مگر اس سے زیادہ بے معنی بات کیا ہوگی کہ کسی قبہ یا گنبد کا نام ستون اور کھمبا رکھا جائے۔

ہم نے ایک جزئی مسئلہ پر نہایت تفصیل سے گفتگو کی ہے۔ شاید ہم پر بے موقع طول کلام کا الزام قائم کیا جائے مگر اس اہمیت کو اگر خیال میں رکھا جائے جو اس تحقیق کی روشنی میں اس مسئلہ کی نظر آتی ہے تو میرا یہ جرم بہت ہلکا ہو جائے گا اور نظر آئے گا کہ میرے اس نظریہ کے ثبوت کے بعد برآمکہ کے عہد وزارت کی وہ تمام علمی سرگرمیاں علوم وفنون کی سرپرستیاں شعروسخن کی قدردانیاں ہندوستان کی طب اور ہیئت کو عربی میں منتقل کرنے کی کوششوں کی داد ایران کی بجائے آئندہ آریاورت ہندوستان کے حصہ میں آ جائیں گی اور یہ ہندوستان کا معمولی کارنامہ نہ ہوگا۔

عربی زبان کی سب سے بڑی انسائیکلو پیڈیا ابن فضل اللہ العمری مصری کی مسالک الابصار فی ممالک الامصار ہے جس کی پہلی جلد ابھی شائع ہوئی ہے۔ اس میں نوبہار کی تاریخ وکیفیت ان الفاظ میں بیان کی ہے۔[1]

''نوبہا کو ہندوستان (کے راجہ) منوشہر نے بلخ میں بنایا۔ یہاں وہ ستارہ پرست آتے تھے جو چاند کو پوجتے ہیں اور اس کے متولی کا نام برمک ہوتا تھا۔ فارس کے بادشاہ اس کی اور اس کے متولی کی عزت کرتے تھے۔ اخیر میں یہ منصب خالد بن برمک کے باپ کو ملا اور اسی لئے ان کو برامکہ کہتے ہیں۔ یہ بہت بلند عمارت تھی۔ سبز ریشمی کپڑے سے ڈھانکی جاتی تھی اور اسی سبز ریشمی کپڑے کے سوسو ہاتھ کے پھریرے اس پر اڑتے تھے اس پر یہ عبارت لکھی تھی...... (جو گزر چکی مگر اس میں صرف ایک تحریف ہے کہ برذ آسف کی جگہ سوراشف ہے جو غلط ہے۔)

اس بیان مین اس کے بنانے والے کا نام ''ہندی'' ظاہر کرنا ہمارے دعویٰ پر ایک مزید شہادت ہے۔ اس بیان میں اس کو چاند کے پوجنے والوں کا معبد کہا گیا ہے مگر بہر حال آتشکدہ نہیں۔ اس کا چاند کا معبد ہونا بھی ہندوستان کی طرف اشارہ ہے کہ بعض لوگوں کے نزدیک ہندو کی اصل اندو ہے جو چاند کو کہتے ہیں اور اسی نسبت سے اس ملک کا

۱- کتاب مذکور جلد اول ص ۲۲۳ (مصر)

یہ نام پڑا ہے[1] یہ وہ شواہد ہیں جن کو ہم اپنے دعوے کے ثبوت میں پیش کرتے ہیں۔ان شواہد سے ہندوستان اور عرب کے علمی تعلقات کا وہ گم شدہ حلقہ مل جاتا ہے جس سے برامکہ اور ہندوستان کے علمی تعلقات کی زنجیر پوری استوار ہو جاتی ہے اور یہ راز کھل جاتا ہے کہ برامکہ کو خاص کر ہندوستان کے علوم وفنون سے کیوں اتنا ذوق تھا اور وہاں کے پنڈتوں سے اس میل جول اور ارتباط کے اسباب کیا ہیں؟

گزشتہ تقریر سے عرب اور ہندوستان کے تجارتی تعلقات کی پوری تشریح ہو چکی ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ ہندوستان اور عرب کے درمیان تجارت کے علاوہ دوسرے اغراض سے بھی آمدروفت کے تعلقات پہلی صدی ہجری کے آخر سے شروع ہو چکے تھے چنانچہ جب محمد قاسم (سنہ ۹۶ھ) سندھ کے حملہ میں ایک قصبہ میں پہنچا ہے تو معلوم ہوا کہ وہاں کے باشندے بودھ مت کے دو پیرووں کو عراق کے گورنر حجاج کے پاس بھیج کر پہلے ہی سے مصالحت اور اس سے امن وامان کی سند حاصل کر چکے ہیں۔اس کے بعد جب خلافت کا مرکز شام سے ہٹ کر عراق آ گیا یعنی امویوں کے بجائے عباسیہ اسلام کے تخت حکومت پر بیٹھے تو سندھ اور عراق کے قرب نے فارس کی خلیج میں ان دونوں قوموں کے درمیان اتحاد کا ایک نیا سنگم پیدا کر دیا۔سفاح کی دو تین سال کی حکومت کے بعد عباسی خانوادہ کا دوسرا خلیفہ منصور سنہ ۱۳۶ھ میں بادشاہ ہوا۔سنہ ۱۴۶ھ میں پایہ تخت کی تعمیر ختم ہوئی اور بغداد آباد ہوا اور اس کے آٹھ برس کے بعد یعنی سنہ ۱۵۴ھ سے عرب وہند کے علمی تعلقات کا باقاعدہ آغاز ہوا۔

سنسکرت سے ترجمہ کا آغاز

عربوں میں دوسری زبانوں سے علمی کتابوں کے ترجمہ کرانے کا خیال پہلی صدی ہجری کے وسط سے ہو چکا تھا مگر چونکہ اب تک حکومت کا مرکز شام تھا اس لئے یونانی وسریانی زبانوں کا غلبہ رہا لیکن جب عراق میں عباسی خلافت کا تخت بچھا۔تو ہندوستان اور ایران کی زبانوں کو بھی اپنی جوہر دکھانے کا موقع ملا۔چنانچہ جب منصور کی علم دوستی کا چرچا پھیلا تو سنہ ۱۵۴ھ (۷۷۱ع) میں سندھ کے ایک وفد (ڈیپوٹیشن) کے ساتھ ہیئت اور ریاضیات کا ایک

۱- زبدۃ الصحائف فی سیاحۃ المعارف مصنفہ نوفل آفندی (یہ اسی زمانہ کی ایک شامی عیسائی فاضل کی تصنیف ہے) ص ۹۳

فاضل پنڈت سنسکرت کی سدھانت لے کر بغداد پہنچااور خلیفہ کے حکم سے دربار کے ایک ریاضی دان ابراہیم فرازی کی مدد سے اس نے اس کا ترجمہ عربی میں کیا یہ پہلا دن تھا کہ عربوں کو ہندوستان کی قابلیت اور دماغ داری کا اندازہ ہوا پھر ہارون نے اپنے علاج کے لئے یہاں سے وید بلوائے جنہوں نے عربوں میں ہندوستان کی علمی عظمت اور بڑائی کی دھاک بٹھا دی۔ اس کے بعد برامکہ کی سرپرستی میں طب' نجوم' ہیئت اور ادب و اخلاق کی کتابوں کا ترجمہ سنسکرت سے عربی میں ہوا۔ اس نے ہندوستان کی شہرت اور نیک نامی کو اور چار چاند لگا دیئے۔

عربوں میں ہندوستان کی وقعت

یہ دکھانے کے لئے کہ ان ترجموں کے ذریعہ سے عربوں کے دلوں میں ہندوستان کی قدرومنزلت کتنی پیدا ہوگئی تھی عربی کی دو تین پرانے مصنفوں کے خیالات آپ کو سنانا چاہتا ہوں۔ ان میں سے پہلا شخص جاحظ ہے۔ یہ مشہور انشا پرداز' فلاسفر اور متکلم تھا۔ بصرہ کے باشندہ ہونے کے سبب سے ہندوستان سے اس کے تعلقات بھی تھے[1] سنہ ۲۵۵ھ میں اس نے وفات پائی۔ اس کا ایک رسالہ اس بحث پر ہے کہ دنیا کی گوری اور کالی قوموں میں بڑھ کر کون ہے؟ وہ اپنا فیصلہ کالی قوموں کے حق میں دیتا ہے۔ اس سلسلہ میں وہ کہتا ہے۔

> "لیکن ہندوستان کے باشندے تو ہم نے ان کو پایا ہے کہ وہ جوتش (نجوم) اور حساب میں بڑھے ہوئے ہیں اور ان کا ایک خاص ہندی خط ہے اور طب میں بھی وہ آگے ہیں اور طب کے بعض عجیب بھید ان کو معلوم ہیں اور سخت بیماریوں کی دوائیں خاص طور سے ان کے پاس ہیں پھر مجسموں اور اسٹیچو بنانا' رنگوں سے تصویر پیدا کرنا اور تعمیر وغیرہ مین ان کو کمال ہے پھر شطرنج کے وہ موجود ہیں جو ذہانت اور سوجھ کا بہترین کھیل ہے۔ تلواریں عمدہ بناتے ہیں اور ان کے چلانے کے سب کرتب جانتے ہیں۔ زہر اتارنے اور درد دور کرنے کے منتر جانتے ہیں۔ ان کی موسیقی بھی دلپسند ہے ان کے ایک ساز کا نام کلکلہ (؟) ہے جو کدو پر ایک تار کو تان کر بجاتے ہیں اور جو ستار کے تاروں اور جھانجھ کا

۱- ابن خلکان میں عمرو بن بصر العجاخط کا حال

کام دیتا ہے۔ان کے ہاں ہر قسم کا ناچ بھی ہے۔ان کے ہاں مختلف قسم کے خط ہیں' شاعری کا ذخیرہ بھی ہے اور تقریروں کا حصہ بھی ہے۔طب' فلسفہ اور ادب و اخلاق کے علوم بھی ان کے پاس ہیں۔ انہیں کے ہاں سے کلیلہ دمنہ کتاب ہمارے پاس آئی۔ ان میں رائے اور بہادری ہے اور جو بعض خوبیاں ان میں ہیں چینیوں میں بھی نہیں۔ ان میں صفائی اور پاکیزگی کے بھی اوصاف ہیں۔ خوبصورتی' نمکینی اور خوش قامتی اور خوشبوئی بھی ہے اور انہیں کے ملک سے بادشاہوں کے پاس وہ عود آتی ہے جس کی نظیر نہیں اور فکر کا علم انہیں کے پاس سے آیا ہے اور ان کو ایسے منتر معلوم ہیں جن کو یہ زہر پر پڑھ دیں تو زہر بیکار ہو جائے پھر نجوم کے حساب کے وہی موجد ہیں۔ ان کی عورتوں کو گانا اور مردوں کو پکانا خوب آتا ہے۔صراف اور روپے کے کاروبار کرنے والے اپنے کیسے اور خزانے ان کے سوا اور کسی کے حوالہ نہیں کرتے۔ جتنے (عراق میں) صراف ہیں سب کے ہاں خزانچی خاص سندھی ہوگا یا کسی سندھی کا لڑکا ہوگا کیونکہ ان کو حساب و کتاب اور صرافی کے کاموں سے فطری مناسبت ہے۔ پھر یہ ایمان دار اور وفادار ملازم بھی ہوتے ہیں[1]"۔

دوسرا شخص یعقوبی ہے جو سیاح' مورخ اور فاضل بھی تھا۔ کہتے ہیں کہ ہندوستان بھی آیا تھا۔تقریبا سنہ ۲۷۸ھ میں وفات پائی وہ اپنی تاریخ میں ہندوستان کی افسانہ نما تاریخ لکھ کر کہتا ہے۔

"اور ہندوستان کے لوگ عقل اور غور والے ہیں اور وہ اس حیثیت سے سب قوموں سے بڑھ کر ہیں۔ جوتش اور نجوم میں ان کی باتیں سب سے زیادہ درست نکلتی ہیں۔ سدھانت انہیں کی ذہانت کا نتیجہ ہے جس سے یونانیوں اور ایرانیوں تک نے فائدہ اٹھایا۔طب میں ان کا فیصلہ سب سے آگے ہے۔ اس فن میں ان کی کتاب چرک اور ندان ہے اور بھی طب میں ان کی کئی کتابیں ہیں۔ منطق اور فلسفہ میں ان کی تصنیفات ہیں اور بہت سی ان کی تصنیفات ہیں جن کی بڑی تفصیل ہے۔"[2]

۱- رسالہ فخر السودان علی البیضان جاحظ' مجموعہ رسائل جاحظ ص ۸۱ مطبوعہ سنہ ۱۳۲۴ھ (مصر)

۲- تاریخ ابن واضح یعقوبی جلد ۲ ص ۱۰۵ (لیڈن)

تیسرا بیان ابوزید سیرافی کا ہے جو تیسری صدی کے آخر میں تھا۔ وہ لکھتا ہے:

''ہندوستان کے اہل علم برہمن کہلاتے ہیں اور ان میں شاعر بھی ہیں جو بادشاہوں کے درباروں میں رہتے ہیں اور جوتشی اور فلاسفر اور فال کھولنے والے اور بازیگر ہوتے ہیں اور یہی قنوج میں زیادہ ہیں جو جوز کی مملکت میں بڑا شہر ہے۔'' (ص ۱۲۷)

الغرض خلیفہ منصور اور ہارون الرشید کی سرپرستیوں اور برامکہ کی قدردانیوں اور فیاضیوں کی بدولت ہندوستان کے بیسیوں پنڈت اور وید بغداد پہنچے اور سلطنت کے طبی اور علمی محکموں میں مصروف ہوئے اور حساب، نجوم، ہیئت، طب اور ادب و اخلاق کی بہت سی کتابوں کا عربی میں ترجمہ کیا۔ افسوس یہ ہے کہ ان پنڈتوں کے ہندی نام عربی لب ولہجہ میں جا کر ایسے بدل گئے ہیں کہ آج گیارہ بارہ سو برس کے بعد ان کا صحیح تلفظ کرنا بالکل محال ہو گیا ہے اور شاید اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ میرے گمان میں یہ لوگ زیادہ تر بودھ مت کے پیرو تھے اور اس زمانہ کے ناموں کے انداز موجودہ ویدک ناموں سے مختلف ہیں پھر ان میں سے بعض نام ایسے بھی ہیں جو نام نہیں بلکہ لقب ہیں۔ اس ہندی ناموں کی عربی میں ایسی ہی کایا پلٹ ہوئی ہے جیسی عربی ناموں کی یورپ کی زبانوں میں۔

پنڈتوں اور ویدوں کے نام

بہرحال عربوں کی تحریروں میں ہندوستان کے جن پنڈتوں اور ویدوں کے نام آئے ہیں وہ یہ ہیں: بہلہ، منکا، بازیگر (بجے کر؟) فلبرفل (کلپ رائے کل؟) سندباد۔ یہ نام جاحظ (سنہ ۲۵۵ھ) نے لئے ہیں اور اتنے نام لکھ کر اوروں کے نام فلاں فلاں کہہ کر چھوڑ دیئے ہیں اور لکھا ہے کہ ان کو یحییٰ بن خالد برمکی نے ہندوستان سے بغداد بلوایا تھا۔ یہ سب طبیب اور وید تھے۔ (۱)

ابن ابی اصیبعہ نے ان ویدوں میں سے منکا اور بہلہ کے بیٹے کا جو شاید مسلمان ہو گیا تھا اور جس کا صالح نام تھا، ذکر کیا ہے۔ ابن ندیم نے ایک اور نام ابن دھن لکھا ہے اور یہی تینوں بغداد میں اس زمانہ کے مشہور وید تھے۔ دوسری جگہ جن ہندوستانی عالموں کی طب اور نجوم کی کتابیں عربی میں ترجمہ ہوئیں ان کے یہ نام گنائے ہیں۔ باکھر، راجہ، منکہ، داہر، انکو، زنکل، اریکل، جبھر، اندی، جباری (۲)

۱- کتاب البیان ص ۴۰ (مصر)

۲- فہرست ابن ندیم۔ ذکر کتب طب ونجوم

منکہ یا منکا

ابن ابی اصیبعہ نے اپنی تاریخ الاطباء میں لکھا ہے کہ یہ طب اور علاج میں بہت ماہر تھا۔ ایک دفعہ ہارون الرشید سخت بیمار پڑا۔ بغداد کے تمام اطباء اس کے علاج سے عاجز آ گئے تو ایک شخص نے ہندوستان کے اس طبیب کا ذکر کیا چنانچہ سفر خرچ بھیج کر وہ بلوایا گیا۔ اس کے علاج سے خلیفہ کو صحت ہوئی۔ خلیفہ نے اس کو انعام و اکرام سے مالا مال کر دیا۔ پھر یہ دارالترجمہ میں سنسکرت کی کتابوں کے ترجمہ پر مقرر ہوا[1] کیا ہم منکہ نام کو مانک سمجھیں؟

صالح بن بہلہ

یہ بھی ہندوستانی طب کا ماہر تھا۔ ابن ابی اصیبعہ نے اس کو بھی ہندوستان کے ان ماہر طبیبوں میں داخل کیا ہے جو بغداد میں تھے۔ ایک موقع پر جب خلیفہ ہارون الرشید کا چچا زاد بھائی سکتہ میں بیمار ہو گیا تھا اور دربار کے مشہور یونانی عیسائی طبیب جبرئیل بختیشوع نے اس کی موت کا حکم لگا دیا تو جعفر برمکی نے اس ہندی وید کو پیش کیا اور اسی وید کے علاج کا مشورہ دیا۔ خلیفہ نے قبول کیا اور اس نے بڑے معرکہ کا علاج کیا۔[۲]

ابن دھن

یہ برمکیوں کے شفاخانہ کا افسر اعلیٰ تھا اور یہ بھی ان لوگوں میں تھا جو سنسکرت سے عربی میں کتابوں کے ترجمہ پر مامور تھے[۳] پروفیسر زخاؤ نے ''انڈیا'' کے مقدمہ میں دھن کے نام کی اصلیت جاننے کی کوشش کی ہے۔ ان کی تحقیق کا نتیجہ یہ ہے کہ ''یہ نام دھنیا یا دھنن ہوگا۔ یہ نام غالباً اس لئے اختیار کیا گیا ہو کہ اس کو لفظاً دھنونتری سے مشابہت ہے جو منو شاستر میں دیوتاؤں کے طبیب کا نام بتایا گیا ہے۔''[۴]

سنسکرت سے عربی میں حسب ذیل علوم کی کتابیں نقل کی گئیں۔ حساب، نجوم، طب، ہیئت، اخلاقی افسانے اور کہانیاں، سیاست اور راجنیت، کھیل اور تماشے۔

۱- تاریخ الاطباء ج ۲ ص ۳۳ (مصر) و فہرست ابن ندیم ص ۲۴۵۔

۲- تاریخ الاطباء جلد ۲ ص ۳۴ (مصر)

۳- فہرست ابن ندیم ص ۲۴۳

۴- صفحہ ۳۳۔ مقدمہ ترجمہ انگریزی

حساب

اہل عرب کا صریحی بیان ہے کہ انہوں نے اسے ۹ تک کے حسابی رقم (ہندسہ) لکھنے کا طریقہ ہندوؤں سے سیکھا اور اسی لئے اہل عرب اس کو حساب ہندی یا ارقام ہندیہ کہتے ہیں۔ عربوں سے یورپ کی قوموں نے سیکھا' اسی لئے ان کی زبانوں میں اس کا نام "ارقام یا اعداد یہ عربیہ" (عربک فیگرز) ہے۔ ٹھیک وہ زمانہ نہیں معلوم جس میں عربوں نے یہ طریقہ ہندوؤں سے سیکھا مگر خیال یہی ہے کہ سنہ ۱۵۶ مین سندھ سے جو پنڈت سدھانت لیکر منصور کے دربار میں بغداد آیا تھا اسی نے عربوں کو یہ طریقہ سکھایا اور میرے خیال میں صحیح یہ ہے کہ سدھانت جس کا ترجمہ ہوا تھا اس کے تیرھویں اور چوبیسویں باب میں خود حساب اور رقم ہے اسی کے ذریعہ سے یہ طریقہ عربوں میں رائج ہوا۔ عربی میں پہلے لفظوں میں عدد لکھتے تھے پھر یہودیوں اور یونانیوں کی طرح حروف ابجد میں رقم لکھتے تھے جیسا کہ اب بھی عربی ہیئت میں اختصار اور صحت کے خیال سے یہ طریقہ رائج ہے اور جس پر مشرق میں ابجد ہوز کے قاعدہ سے مادۂ تاریخ نکالنے کا رواج ہے۔ بہرحال پہلے محمد بن موسیٰ خوارزمی نے اس ہندی حساب کو عربی قالب میں ڈھالا۔ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا (گیارھواں اڈیشن) میں اعداد (Numeral) پر جو مضمون (جلد ۱۹ ص ۸۶۷) ہے اس میں قدیم ہندی' مشرقی عربی مغربی عربی اور یورپین اعداد کی شکلیں' کتبوں اور پرانی قلمی کتابوں سے نقل کر کے دی ہیں جس سے ایک نظر میں معلوم ہوسکتا ہے کہ ہندوستان سے عرب کی راہ اس طریقہ حساب نے کیونکر سفر کیا۔ عربی میں مامون الرشید کے درباری منجم الخوارزمی (سنہ ۸۰۷ ع۔ سنہ ۸۴۰ ع) نے ان کی شکلیں درست کیں اور وہی اندلس کی راہ یورپ پہنچیں۔ یورپ میں حساب کے ایک خاص شعبہ کو الگارتھم اور الگارمیٹمز اور الگورزم (Algorithm, Algoritems, Algorism) کہتے ہیں۔ وہ سب اسی الخوارزمی کی بگڑی ہوئی شکلیں ہیں [1]۔ اندلس والے اسی ہندی ارقام کو حساب الغمار کہتے ہیں۔ شاید اس لئے کہ یہ ہندو اپنے طریقہ پر جیسا کہ اب تک دیہاتی پاٹ شالوں میں دستور ہے اس کو زمین پر لکھ کر سکھاتے تھے۔ یورپین اعداد اسی غباری اعداد سے ماخوذ ہیں۔

۱۔ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا ج ۱۹ ص ۸۶۷ کالم ۲

ان کے غیر عربی ہونے کا ایک عملی ثبوت تو یہ ہے کہ عربی طرز تحریر کے بالکل برخلاف یہ تحریر ہے۔ یہ دائیں کی طرف لکھے جاتے ہیں لیکن اہل عرب لکھتے وقت ان کو دائیں سے بائیں کی طرف پڑھتے ہیں۔ جسے ندیم نے سندھی خط کے عنوان سے ان ہندی قلم کو نقل کیا ہے اور ہزار تک لکھنے کا طریقہ بتایا ہے۔ اس سے بھی ظاہر ہوا ہے کہ عربوں میں یہ طریقہ سندھی پنڈتوں کے ذریعہ رائج ہوا۔

الخوارزمی کے بعد جس کا زمانہ تیسری صدی ہجری اور نویں صدی عیسوی کے آغاز کا ہے مسلمانوں میں ہندی حساب کو فروغ دینے والے دوسرے شخص علی بن احمد نسوی (سنہ ۹۸۰ع۔ سنہ ۱۰۴۰ع) ہے جس نے المقنع فی الحساب الہندی (ہندی حساب میں خواہش پورا کر دینے والی) کتاب لکھی۔ اس کے بعد اور بھی اس پر کتابیں لکھی گئیں حالانکہ اس سے بہت پہلے یعنی الخوارزمی ہی کے زمانہ میں یونانیوں کی ارثماطیقی (ارتھمیٹک) عربی میں منتقل ہو چکی تھی[1]۔ مگر پھر بھی حساب ہندی کی قدر و منزلت میں کمی نہ آئی۔ تعجب سے سنا جائے گا کہ اس حساب ہندی نے عوام تک میں مقبولیت حاصل کر لی تھی چنانچہ مشہور مسلمان حکیم اور فلاسفر بوعلی سینا (سنہ ۴۲۸ھ۔ سنہ ۱۰۱۵ع) نے بچپن میں اس ہندی حساب کو ایک کنجڑے سے جو اس حساب میں بہت ماہر تھا سیکھا تھا۔[2]

نجوم اور ہیئت

اوپر گزر چکا ہے کہ تقریباً سنہ ۱۵۴ھ (سنہ ۷۷۰ع) میں سندھ سے جو ڈیپوٹیشن بغداد گیا تھا[3] اس کے ساتھ ایک پنڈت ہیئت کی ایک کتاب لے کر گیا تھا۔ سنسکرت میں اس کتاب کا پورا نام ''برہسپت سندھانت'' ہے جو عربی میں ''السند ھند'' کے نام سے مشہور ہوا۔ اس کے بعد سنسکرت کی دوسری کتاب عربی میں ترجمہ ہوئی جس کا عربی نام ''ارجبنہ'' ہے اور جس کا

۱- اس مسئلہ پر انگریزی میں سب سے بہتر معلومات ایچ سوتر صاحب (H.Suter) کے مضمون ''حساب'' میں ہیں۔ جو انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کے نمبر ۲۲ سنہ ۱۹۱۶، صفحہ ۳۱۵ میں ہے۔ عربی میں محمد بن احمد خوارزمی (سنہ ۳۸۱ھ) کی کتاب مفاتیح العلوم میں حساب الہند کے عنوان سے دو تین صفحوں میں اس کی تفصیل ہے۔ صفحہ ۱۹۳، مطبع بریل لیڈن، سنہ ۱۸۹۵ع

۲- عیون الانباء ج ۲ ص ۲ (مصر)

۳- طبقات الامم صاعد اندلسی ص ۴۹ (بیروت)

سنسکرت تلفظ ''آریہ بھٹ'' ہے۔ اس کے بعد تیسری سنسکرت کتاب عربی میں منتقل ہوئی جس کا عربی میں زیادہ مشہور نام ''آرکند'' اور کم مشہور ''اھرقن'' ہے۔ اس کا اصلی سنسکرت نام ''کھنڈا کھڈیک'' ہے۔ جس ہندی پنڈت کے ذریعہ سے پہلی کتاب سدھانت سنہ ۱۵۴ھ عربی میں ترجمہ ہوئی اس کے بغداد میں دو عرب شاگرد ہوئے۔ ایک کا نام ابراہیم فزاری ہے اور دوسرے کا یعقوب بن طارق۔ ان دونوں نے سدھانت کو اپنی اپنی طور سے عربی میں منتقل کیا۔ ہندوؤں کے فلکیات کی بنیاد زمانہ کی اس تقسیم پر ہے۔ جس کو سنسکرت میں کلپ کہتے ہیں یعنی دوسری پرانی قوموں کی طرح ان کا اعتقاد یہ تھا کہ چاند سورج، زحل، مشتری وغیرہ ساتوں ستارے جن کو عرب سبع سیارہ کہتے ہیں یہ کل کے کل ایک وقت میں نطقہ اعتدال ربیعی میں ایک ساتھ پیدا ہوئے اور ایک ساتھ حرکت شروع کی اب یہ اپنی اپنی چال چل رہے ہیں پھر کروڑوں برس کے بعد یہ ساتوں جب پھر اسی نقطہ پر جمع ہو جاتے ہیں تب پرلے ہو کر دنیا مٹ کر پھر سے بنتی ہے اور پھر اس سے حرکت شروع ہوتی ہے۔ ان دونوں نقطوں کے درمیان کے شمسی نجومی سالوں کی تعداد کا نام کلپ ہے۔ برھمگپت کے حساب سے ایک کلپ میں ۴ ارب ۳۲ کروڑ سال ہوتے ہیں اور پھر انہیں سے دنوں کا حساب لگایا جا سکتا ہے۔ عربوں نے اسی کلپ کا نام ''سنی السند ہند'' یعنی سدھانت کے برس اور دنوں کا نام ''ایام السند ہند'' رکھا۔

چونکہ یہ اربوں اور کرڑوں سال کا حساب لگانا مشکل ہوتا تھا اس لئے پانچویں صدی عیسوی کے آخر میں آریہ بھٹ نے آسانی کے لئے یہ کیا کہ کلپ کا ہزارواں حصہ لے کر اس پر حساب قائم کیا جس کا نام جگ اور مہا جگ ہے۔ آریہ بھٹ کے اسی اصول پر جو کتاب ہے اس کو عرب ارجہر، ارجہذ اور جگ کو ''سنسی ارجہذ'' یعنی ''آریہ بھٹ کے سال'' کہنے لگے۔ عربوں نے السند ہند اور ارجہر کے اصلی سنسکرت معنی کے سمجھنے میں یہی غلطی کی کہ وہ سمجھے کہ اس کے معنی خود اسی اصول کے ہیں چنانچہ انہوں نے غلطی سے السند ہند کے معنی ''الدھر الداھر'' یعنی ''لا انتہا زمانہ'' اور ''ارجہند'' کے معنی ''ہزارواں حصہ'' کے سمجھے۔ اس آخری کتاب کو عربی میں ابوالحسن اھوازی نے عربی میں منتقل کیا تھا۔

یعقوب بن طارق نے سنہ ۱۶۱ھ میں اسی پنڈت یا کسی اور آنے والے پنڈت سے ارکند یعنی کھنڈ یا کھنڈیک کا طریقہ سیکھا۔ یہ بھی برھمگپت ہی کی تصنیف ہے مگر اس کے کچھ اصول سدھانت سے الگ ہیں۔

ان تینوں کتابوں میں سے ابتدائی عرب ہیئت دانوں میں سدھانت کا رواج زیادہ ہوا اور گو اس کے بعد ہی عربوں میں بطلیموس یونانی کی کتاب مجسطی کا عربی میں ترجمہ ہو گیا اور مامون کے زمانہ میں وصد خانہ بھی قائم ہو گیا۔ تحقیقات میں بھی اضافہ ہوا مگر اس کے باوجود ایک مدت تک عرب اہل ہیئت بغداد سے لے کر اسپین تک اسی ہندی کتاب کے سدھانت کے پیچھے لگے رہے اس کے خلاصے کئے اس کی شرحیں لکھیں' اس کی غلطیاں درست کیں اس میں اصلاحیں دیں یہاں تک کہ پانچویں صدی ہجری (گیارھویں صدی عیسوی) تک یعنی بیرونی کے زمانہ تک یہ سلسلہ قائم رہا۔ مامون الرشید کے عہد میں خوارزمی نے جو زیچ تیار کی اس میں بھی ایرانی اور یونانی اصولوں کی افزائش کے ساتھ اصل ہندی اصول کو اس نے قائم رکھا اور اسی لئے اپنی کتاب کا نام ''السند ہندالصغیر'' یعنی ''چھوٹا سدھانت رکھا۔ [۱]

اسی طرح حسن بن صباح' حسن بن خصیب' فضل بن حاتم تبریزی' احمد بن عبداللہ مروزی' ابن الادمی' عبداللہ اور ابوریحان بیرونی نے تیسری' چوتھی اور پانچویں صدی میں سدھانت کی تصحیح و تکمیل پر بہت کچھ کام کیا اور یونانی اصول اور ذاتی تحقیقات کے ساتھ وہ اس کا پیوند بھی لگاتے رہے۔

اسپین میں سدھانت کا اصول چوتھی صدی ہجری میں پہنچا۔ مسلمہ بن احمد مجریطی (میڈرڈ کے باشندہ) المتوفی سنہ ۳۹۸ (سنہ ۱۰۰۷ع) نے خوارزمی کی زیچ سند ہند صغیر کا خلاصہ کیا پھر اسپین کے ابوالقاسم اصبغ معروف بہ ابن السمح المتوفی سنہ ۴۲۶ھ (سنہ ۱۰۳۵ع) نے سدھانت کے اصول پر بہت بڑی زیچ تیار کی بعد کو بطور وضعداری وسعت عام کے اظہار کے لئے لوگ نئی تحقیقات کے ساتھ سدھانت کے اصول پر بھی نتائج نکالتے تھے جیسا کہ اسی اسپین کے ابراہیم زرقالی نے اسطرلاب پر جو کتاب صفحہ زرقالیہ کے نام سے لکھی ہے اس میں کیا ہے اور اسی اسپین کے عربوں کے ذریعہ سے یہ سدھانت کی کتاب یہود تک اور پھر یورپ تک پہنچی چنانچہ یہودی فاضل ابراہیم بن عزرا نے اپنی عبرانی تصنیفات میں سدھانت کے بعض اصول پر زیچ تیار کی۔ [۲]

۱- قفطی ص ۱۷۸' (مصر)

۲- سدھاہند' ارجبھند اور ارکند کا ذکر۔ فہرست ابن قدیم' مسعودی' قفطی اور کتاب الہند (باقی اگلے صفحہ پر)

عربی میں سنسکرت اصطلاحات

عربوں کے علم ہیئت نے ان کی ذاتی تحقیقات کی بدولت ترقی کے بہت سے مدارج طے کر لئے، تاہم سنسکرت کی ایک متروک اور دو باقی اصطلاحین ایسی اس میں رہ گئی ہیں جو اب تک عربوں میں علم ہیئت کے آنے کا راستہ بتاتی ہیں چنانچہ سدھانت وغیرہ ناموں کے علاوہ ایک سنسکرت اصطلاح پرانی عربی ہیئت میں ''کردجہ'' کی ہے جس کی اصل سنسکرت کرمجیا ہے، جس کے لئے عربی میں بعد کی اصطلاح ''وتر مستوی'' پیدا ہوئی۔ دوسری باقی اصطلاح جو آج تک عربی ریاضیات میں اور علم مثلثات میں مستعمل ہے وہ ''جیب'' کا لفظ ہے اور جس کو غلطی سے عربی لفظ ''جیب'' جس کے معنی گریبان کے ہیں، سمجھا جاتا ہے حالانکہ یہ سنسکرت لفظ ''جیوا'' کا معرب ہے اور پھر اسی سے جیب التمام جیوب منکوسہ، جیوب مبسوطہ اور مجیب وغیرہ اصطلاحیں پیدا ہوئیں اور اس طرح کٹ چھٹ کر عربی ڈھانچے میں ڈھل گئیں کہ آج ان پر غیر عربی ہونے کا شبہ بھی نہیں ہوسکتا۔

آخری لفظ ''اوج'' ہے جو ہیئت کی اصطلاح میں سب سے اونچے لفظ بلندی کا نام ہے۔ یہ ہندی لفظ ''اوچ'' ہے جو عربی میں جا کر اوج ہو گیا ہے[1] مدت سے جو عربی اور فارسی اور پھر اردو میں اس لفظ کا استعمال اس طرح ''اوج کمال'' پر ہے کہ کسی کو اس کے ہندی ہونے کا شبہ بھی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ خالص عربی لغتوں میں یہ مادہ نہیں ملتا۔ اس کی مثال بالکل لفظ جنس کی ہے جو عربی میں منطق کی ایک اصطلاح ہے اور جو یونانی لفظ جینس کا معرب ہے مگر عرب میں آ کر یہ جنس، مجانست، تجنیس مختلف بابوں میں مستعمل ہو گیا ہے حالانکہ قدیم عربی میں اس کا مطلق پتہ نہیں۔

(بقیہ پچھلے صفحہ سے آگے) سب میں ہے اور یہ سب کتابیں میرے پیش نظر ہیں مگر عربی میں مصری یونیورسٹی میں سینئر کراو نلینو ایک مشہور اٹالین فاضل نے سنہ ۱۹۰۹ع اور سنہ ۱۹۱۰ع میں عربوں کے علم ہیئت کی تاریخ پر نہایت محققانہ لکچر دیئے تھے یہ معلومات ان میں سے ۲۱-۲۲-۲۳ نمبر کے لکچروں سے لئے گئے ہیں اوران کے علاوہ طبقات الامم صاعد اندلسی صفحہ ۵۰ سے بعض باتیں بڑھائی گئی ہیں۔

۱- بعضوں کی رائے ہے کہ اس کی اصل فارسی اوگ ہے جیسا کہ خوارزمی نے مفاتیح العلوم صفحہ ۲۲۱ (لیڈن) میں لکھا ہے اور اسی طوسی کی قدیم فارسی لغت میں بھی یہ لفظ موجود ہے مگر خیال یہ ہے کہ خود فارسی میں بھی یہ لفظ سنسکرت ہی سے گیا ہے۔

دو اور لفظ بھی ذکر کے قابل ہیں۔ ہندو عالموں نے ستاروں کے حرکات میں اس دائرہ نصف النہار کا حساب لگایا تھا جو آبادی کے نصف حصہ سے گزرتا ہے۔ آبادی کا یہ نصف حصہ ان کے خیال میں جزیرہ لنکا تھا جس کو عرب سرندیب کہتے ہیں اور اب سیلون کہلاتا ہے۔ ہندوؤں کا خیال تھا کہ وہ خط استوا پر واقع ہے۔ خط استوا اور نصف آبادی کا یہ خط نصف النہار جس نقطہ پر ایک دوسرے کو کاٹتے ہیں اس کو عرب قبۃ الارض (زمین کا گنبد) کہتے ہیں۔ اہل ہند جغرافی طول بلد کا حساب اسی لنکا کے خط نصف النہار سے لگاتے تھے اور اسی لئے ابتدائی عرب جغرافیہ نویسوں نے لنکا کو قبۃ الارض کہا ہے۔

پھر چونکہ اہل ہند کا خیال تھا کہ وہی خط جو لنکا کے نصف النہار کا ہے وہی مالوا کے شہر اجین سے گزرتا ہے چنانچہ سدھانت میں اسی اجین سے طول بلد کا حساب ہے اس لئے وہ اجین سے طول بلد کا حساب نکالنے لگے۔ عربوں نے اسی اجین کو ایک اپنے تلفظ میں ازین کہا اور یہ خیال کیا کہ ازین ہی قبۃ الارض ہے پھر ازین کے ''ز'' کا نقطہ اڑ کر ''ارین'' ہو گیا اور یہیں سے یہ اصطلاح پیدا ہوئی کہ ارین ہر محل اعتدال کا نام ہے جیسا کہ شریف جرجانی (مشہور مسلمان فلاسفر) نے اپنی کتاب تعریفات میں لکھا ہے۔[۱]

اور ایک اور لفظ پرانے عرب علمائے ہیئت نے ''بذماسہ'' استعمال کیا ہے۔ یہ سنسکرت کا ادھماسا ہے جس کے معنی چاند کے مہینے کے ہیں۔

بعض لوگ غلط فہمی سے یہ سمجھتے ہیں کہ عربی میں ریاضیات اور رقم کو جو ہندسہ کہتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ ہند کی طرف منسوب ہے اور تعجب ہے کہ علم کے باوجود ایک انگریزی فاضل جس نے موسیٰ خوارزمی کی کتاب الجبر والمقابلہ سنہ ۱۸۳۱ء میں لندن سے شائع کی ہے اور جس کا نام فریڈرک روسن (F.Rosen) ہے وہ بھی اسی غلطی میں مبتلا ہونا چاہتا ہے[۲] حالانکہ یہ فارسی لفظ ''اندازہ'' کا معرب ہے جس کا عربی میں مصدری استعمال ہندزہ اور ہندسہ ہے[۳] اور یہ اصل میں انجینئرنگ کے معنی میں ہے بعد کو متاخرین کی غلطی سے فارسی اور اردو

۱- دیکھو لکچر مذکور ص ۱۵۵، ۱۶۸ مع حاشیہ۔ نیز دیکھو سواء السبیل، مسٹر آرنلڈ لفظ جیب اور اوج اور تعریفات جرجانی صفحہ ۷ مطبوعہ مصر سنہ ۱۳۰۶ھ

۲- الجبر والمقابلہ خوارزمی، مقدمہ انگریزی ص ۱۹۶، ۱۹۷ سنہ ۱۸۳۱ (لنڈن)

۳- مفاتیح العلوم محمد خوارزمی ص ۲۰۲ (لیڈن)

میں ہندسہ بولنے لگے اور اس سے رقم مراد لینے لگے۔ ورنہ صحیح لفظ ہندسہ (زیر کے ساتھ) نہیں بلکہ ہندسہ (زبر کے ساتھ) ہے اسی لئے عربی میں مہندس انجینئر کو کہتے ہیں۔ حساب اور رقم جاننے والے کو نہیں۔

ہندو اور دو موجودہ تحقیقات

عربوں نے ہندی علم ہیئت کے جو مسئلے نقل کئے ہیں ان میں دو باتیں موجودہ تحقیقات کے عین مطابق ہیں۔ برھمگپت نے سال کے ۳۶۵ دن، ٦ گھنٹے، ۱۲ منٹ اور ۹ سیکنڈ قرار دیئے ہیں اور موجودہ تحقیق سے ۳٦۵ دن، ٦ گھنٹے، ۹ منٹ، ۹ سیکنڈ ہیں۔ اسی طرح زمین کی حرکت کا مسئلہ ہے۔ آریہ بھٹ اور اس کے طرفدار زمین کی حرکت کے قائل تھے اور برھمگپت نے ان اعتراضات کے صحیح ہونے سے انکار کیا ہے جو اس مسئلہ میں آریہ بھٹ پر کئے جاتے ہیں اور بعینہ یہی نظریہ آج کل لوگوں میں مقبول ہے۔

طب

تیسرا فن جو ہندوستان سے عربوں کو ملا وہ طب ہے۔ طب کی بعض کتابیں سریانی اور یونانی کے ذریعہ سے امویہ خاندان ہی کے زمانہ میں عربی میں منتقل ہو چکی تھیں [۱] مگر عراق میں عباسیہ کے زمانہ حکومت میں اس کو اور بھی ترقی ہوئی اور اس کے آغاز کا واقعہ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے یہ ہوا کہ ہارون الرشید کے علاج کے لئے ہندوستان سے منکہ یا مانک نام وید طلب کیا گیا۔ اس کے علاج سے خلیفہ کو صحت ہوئی۔ اس طرح ہندوستانی طب کی طرف سلطنت کی توجہ ہوئی اور برامکہ نے اس میں خاطر خواہ حصہ لیا، چنانچہ برامکہ نے اپنے شفاخانہ کا افسر اعلیٰ ایک وید ہی کو مقرر کیا تھا [۲] اسی پر انہوں نے بس نہ کی بلکہ یحییٰ بن خالد برمکی نے ایک کارندہ کو ہندوستان اس غرض سے بھیجا کہ وہ وہاں جا کر ہندوستان کی جڑی بوٹیاں لائے [۳] اور ایک وید کو سرکاری دارالترجمہ میں اس لئے مقرر کیا کہ وہ سنسکرت کی طبی کتابوں کا ترجمہ عربی میں کرائے۔ [۴]

۱- عیون الانبیاء فی طبقات الاطباء تذکرہ ماسرجویہ و مختصر الدول ابو الفرج ملطی صفحہ ۱۹۲ (بیروت)

۲- فہرست ابن ندیم ص ۲۴۵

۳- ایضاً ص ۳۴۵

۴- ایضاً ص ۳۴۵

اسی طرح خلیفہ موفق باللہ عباسی نے بھی تیسری صدی ہجری میں ہندوستان اس غرض سے آدمی بھیجے کہ وہ ہندوستان کی دواؤں کی تحقیقات کریں [۱] یہ واقعہ زخاؤ نے انڈیا کے مقدمہ میں لکھا ہے۔ عربی تاریخوں میں اس واقعہ پر خود میری نظر نہیں پڑی ہے۔ البتہ ایک ضمنی تذکرہ میں یہ ملا ہے کہ خلیفہ معتضد باللہ عباسی (سنہ ۲۷۹۔ سنہ ۲۸۶ھ) نے احمد بن خفی دیلمی کو جو علم حساب واصطرلاب کا ماہر تھا چند باتوں کی تحقیقات کے لئے ہندوستان بھیجا تھا [۲] پھر یہ بھی معلوم ہے کہ خلیفہ معتضد باللہ کے تعلقات اور ذرائع علم سندھ کے ساتھ قائم تھے چنانچہ شوال سنہ ۲۸۰ھ میں جب دیبل (سندھ کی بندرگاہ) میں بہت بڑا چندر گرھن لگا اور ساتھ ہی زلزلہ آیا جس میں ڈیڑھ لاکھ آدمی دب کر مر گئے تھے تو پرچہ نویسوں نے فوراً دربار خلافت میں اس کی خبر دی۔ [۳]

طبی کتابوں کے ترجمے

عربی زبان میں سنسکرت کی جن طبی کتابوں کے ترجمے ہوئے ان میں دو کتابیں بہت مشہور ہیں۔ ایک ششرت کی کتاب جس کو عرب ''سسرؤ'' کہتے ہیں۔ یہ کتاب دس بابوں میں تھی۔ اس میں بیماریوں کے علامات اور ان کے علاج و دوا کی تفصیل ہے۔ یحییٰ بن خالد برمکی کے حکم سے منکہ نے اس کا ترجمہ کیا تا کہ برامکہ کے شفاخانہ میں وہ ایک طبی دستورالعمل کا کام دے۔ دوسری کتاب چرک کی کتاب ہے جو ہندوستان میں طب کا بہت بڑا ماہر اور رشی گذرا ہے۔ یہ کتاب پہلے فارسی میں ترجمہ کی گئی پھر عبداللہ بن علی نے اس کو فارسی سے عربی میں منتقل کیا۔ [۴]

تیسری کتاب کا نام ابن ندیم میں سندستاق اور یعقوبی کی مطبوعہ متن میں سندھشان اور اسی کتاب کے ایک اور نسخہ میں سندھستان ہے۔ اس کی اصل سنسکرت میں شاید سدھستان یا سندیسن ہو' ابن ندیم نے عربی میں اس کے معنی ''خلاصہ کامیابی'' اور یعقوبی نے ''صورت

۱- مقدمہ ترجمہ انگریزی انڈیا۔ زخاؤ ص ۳۰

۲- سوانح حسین بن منصور حلاج از طبقات ابن باکویہ شیرازی مرتبہ مسٹر لوئس مسینان Louis Massignon پیرس سنہ ۱۹۱۴ء صفحہ ۴۴

۳- تاریخ الخلفاء سیوطی صفحہ ۳۸۰' (کلکتہ)

۴- ابن قدیم صفحہ ۳۰۳

کامیابی'' کے بتائے ہیں۔ میرے خیال میں یعقوبی کا نسخہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔ بہرحال شفاخانہ بغداد کے افسر اعلیٰ ابن دھن نے اس کا ترجمہ کیا تھا۔ [۱]

چوتھی کتاب کا نام یعقوبی نے ندان بتایا ہے۔ ابن ندیم نے اس کا ذکر نہیں کیا۔ اس میں چارسو چار بیماریوں کی صرف پہچان کا بیان ہے' علاج کا نہیں۔ [۲]

ایک کتاب جڑی بوٹیوں کے مختلف ناموں کے بیان میں ترجمہ ہوئی جن میں سے ایک ایک جڑی کے دس دس نام بیان کئے گئے تھے۔ اس کو منکہ پنڈت نے سلیمان بن اسحاق کے لئے عربی میں ترجمہ کیا۔ [۳]

ایک اور کتاب جس میں ہندی اور یونانی طبیبوں کی دواؤں کے سرد و گرم ہونے' دواؤں کی قوتوں اور سال کے موسموں کی تقسیم میں جو اختلافات ہیں ان کی تفصیل تھی ترجمہ ہوئی۔ [۴]

ابن ندیم نے طب ہندی کی ایک اور کتاب کا نام استانگر لکھا ہے جس کا ترجمہ ابن دھن نے کیا تھا۔

نوکشنل (نوفشنل؟) نام ایک وید کی دو کتابوں کے ترجمے کئے گئے۔ ان میں سے ایک میں سو بیماریوں اور سو دواؤں کا ذکر تھا اور دوسری میں بیماریوں کے ورم اور اسباب کا بیان تھا۔

ایک ہندو پنڈتہ (عورت) روسا نامی کی ایک کتاب کا ترجمہ ہوا جس میں خاص عورتوں کی بیماریوں کے علاج درج تھے۔

ایک اور کتاب حاملہ عورتوں کے علاج میں ایک مختصر کتاب جڑی بوٹیوں کے حال میں' ایک کتاب نشہ کے بیان میں [۵]

مسعودی نے طب کی ایک کتاب کا نام اور حال اس طرح لکھا ہے کہ ''راجہ کورش کے لئے طب کی ایک بڑی کتاب لکھی گئی تھی جس میں بیماریوں کے اسباب اور دوا اور علاج اور

۱- ابن قدیم ص ۳۰۳ و یعقوبی اول ص ۱۰۵

۲- یقوبی اول صفحہ ۱۰۵

۳- ابن ندیم ص ۳۰۳ و یعقوبی اول صفحہ ۱۰۵

۴- یعقوبی اول ص ۱۰۵

۵- اوپر کی سات کتابوں کا ذکر ابن ندیم صفحہ ۳۰۳ میں ہے۔

دواؤں کی پہچان اوراس میں بوٹیوں کی شکل وصورت کی تصویر بنائی گئی تھی۔ [1]

پی جانے والی چیزوں کے بیان میں ابن ندیم نے اطر کا ذکر کیا ہے جو بہت ممکن ہے کہ اتری نام ایک وید کی طرف منسوب ہو ایک اور پنڈت کا نام ساوبرم ابن ندیم میں ہے۔ [2] اس کی اصل شاید ستیاورمن ہو جس کی کتاب ستیا کا نام بیرونی نے لیا ہے۔ [3]

کتابوں کے علاوہ سنسکرت اور ہندوستان کے ان باقی ماندہ اثرات کا ذکر کرنا ہے جو عربی طب میں اب تک موجود ہیں۔

ان میں ان اثرات کا ذکر نہیں جو ہندوستان کے مسلمان بادشاہوں کے زمانہ میں طب عربی پر پڑے کہ وہ ایک الگ مضمون ہے بلکہ ان اثرات سے بحث ہے جو چوتھی صدی ہجری تک کی عربی طب پر موثر ہوئے ہیں۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلی تو وہ دوائیں ہیں جو ہندوستان سے عرب گئیں اور برامکہ اور خلفاء نے ان کی تحقیقات کے لئے ہندوستان آدمی بھیجے۔ ان میں بہت سی دواؤں کے نام نہ صرف پیدائش کی جگہ کے لحاظ سے بلکہ زبان کے لحاظ سے بھی ہندی ہیں اور کم از کم ایک دوا ایسی ہے جس کا نام ہندوستان کی نسبت سے خود پیغمبر اسلام علیہ السلام کے زمانہ میں عرب میں سنائی دیتا ہے یعنی قسط ہندی [4] اور زنجبیل (زرنجابیرا) یعنی سونٹھ کا لفظ خود قرآن میں ہے۔ اس قسم کی کچھ اور دواؤں کے نام تجارتی تعلقات کے باب میں ہم نے دے دیئے ہیں۔

عربی میں دو لفظ جن میں ایک دوا کا اور ایک غذا کا نام ہے سب سے زیادہ عجیب ہیں۔ دوا میں اطریفل جو اس قدر مشہور ہے اور ہر طبیب اور ہر مریض کی زبان پر ہے۔ محمد خوارزمی نے چوتھی صدی میں لکھا ہے کہ یہ ''ہندی لفظ تری پھل ہے کہ یہ تین پھلوں ہلیلۂ بلیلہ اور آملہ سے بنتا ہے [5]'' ایک اور اسی قسم کی دوا کا نام انجات ہے۔ خوارزمی کہتا ہے'' کہ آنبہ (آم) ہندوستان میں ایک پھل ہوتا ہے اس کو شہد' لیموں اور ہلیلہ میں دے کر انجات تیار کیا جاتا

۱- مسعودی جلد اول صفحہ ۱۶۲ (پیرس)
۲- ابن ندیم صفحہ ۳۰۵
۳- زخاؤ کی کتاب انڈیا کا مقدمہ صفحہ ۳۳
۴- صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۴۹' کتاب المرضی
۵- مفاتیح العلوم خوارزمی ص ۱۸٦

ہے۔ غالباً اس کو گڑانبہ یا آموں کا اچار یا مربیٰ کہنا چاہئے لیکن ان سب سے زیادہ عجیب لفظ ''بہط'' ہے جس کی تفسیر خوارزمی نے یہ بتائی ہے کہ ''یہ بیماروں کی غذا کی قسم ہے۔ یہ لفظ سندھی ہے یہ دودھ اور گھی میں چاول کو پکا کر تیار ہوتا ہے''[1] آپ سمجھے؟ یہ ہمارا ہندوستانی بھات ہے جو عربوں کے نزدیک بیماروں کے لئے ایک نرم اور ہلکی غذا ہوگی۔ اس کو اب کھیر سمجھئے یا فیرنی۔

بیطاری

جانوروں کے علاج میں سانا ق یا چانک پنڈت کی کتاب ترجمہ ہوئی۔[2]

نجوم، جوتش، جفر اور رمل

سب کو معلوم ہے کہ یہ چیزیں ہندوستان سے کسی قدر تعلق رکھتی ہیں۔ دولت عباسیہ کے دوسرے خلیفہ منصور ہی کے وقت سے جو سنہ ۱۴۷ھ میں تخت نشین ہوا عربی میں ان چیزوں کا رواج ہوا۔ منصور کو ان باتوں سے بڑی دلچسپی تھی چنانچہ بغداد کا شہر جب اس نے بنوایا تو اس کی ہر چیز زائچہ کھینچ کھینچ کر تیار کی گئی دربار پر پہلے ایرانی منجموں کا قبضہ تھا پھر ہندو جوتشیوں نے اپنا عمل دخل جمایا۔ معلوم ہوتا ہے کہ منصور ہی کے زمانہ میں اس فن پر ہندی کتابیں عربی میں ترجمہ ہوئیں۔ ان جوتشی پنڈتوں میں سے عربوں میں سب سے مشہور نام کنکہ پنڈت کا ہے۔ ابن ابی اصیبعہ نے لکھا ہے کہ یہ ایک مشہور اور نامی طبیب تھا۔[3]

زخاؤ کی تحقیق کی بنا پر اس نام کی ہندی اصلیت کنکنایا ہوگی کیونکہ اس نام کا مشہور طبیب ہندوستان میں پہلے گزر چکا ہے جس کا نام ہندوستانی دواؤں میں سند ہے۔[4]

ابن ندیم نے عربی میں اس پنڈت کی چار کتابوں کا ذکر کیا ہے۔[5]

۱۔ کتاب الذمودار فی الاعمار (عمروں کے بیان میں کتاب)

۱۔ ایضاً ص ۱۷۷

۲۔ ایضاً ص ۱۶۷

۳۔ عیون الانباء فی طبقات الاطباء ج ۲ ص ۳۳ (مصر)

۴۔ مقدمہ انڈیا صفحہ ۳۲

۵۔ ص ۲۷۰

۲- کتاب اسرار المواليد (پیدائشوں کے بھید) جاتک
۳- کتاب القرانات الکبیر (بڑے قران یا بڑے لگن کے بیان میں)
۴- کتاب القرانات الصغیر (چھوٹے لگن کے بیان میں)

ابن ابی اصیبعہ کا بیان ہے کہ یہ کتاب طب میں ہے مگر ابن ندیم نے اس کو نجوم ہی میں ذکر کیا ہے۔ یہ ممکن ہے کہ دونوں میں ہو کیونکہ پرانی طب میں نجوم کی بہت سی باتیں داخل تھیں۔ ابن ابی اصیبعہ [۱] نے اس کی دو کتابوں کا اور نام لیا ہے۔

۵- کتاب فی التوھم (مسمرزم کے بیان میں)
۶- کتاب فی احداث العالم والدور فی القران (دنیا کے واقعات اور ستاروں کے لگن میں چکر) یہی مصنف مسلمان منجم ابومعشر بلخی سنہ ۲۷۲ھ (سنہ ۸۸۶ع) کے حوالے سے نقل کرتا ہے کہ "یہ کنکہ ہندوستان کے تمام پنڈتوں کے نزدیک جوتش میں سب سے بڑا ہے"۔

عطارد بن محمد ایک مسلمان منجم نے جو غالباً دوسری صدی ہجری میں ہوا ہندی جفر میں ایک کتاب لکھی تھی [۲] اس کے علاوہ ابن ندیم نے تین اور ہندو جوتشیوں کے نام لئے ہیں۔ [۳]

۱- جودر ہندی۔ اس کی کتاب کا نام کتاب المواليد (پیدائشوں کی کتاب) ہے۔
۲- نہک یا نا یگ (نہق) ہندی۔ اس کی کتاب کا نام کتاب اسرار المسائل (سوالوں کے بھید) ہے۔
۳- سنگھل ہندی (منجھل ا) اس کی کتاب کا نام کتاب المواليد الکبیر (پیدائشوں کی بڑی کتاب) سنگھل کا نام بیرونی نے بھی نجوم کے بیان میں لیا ہے۔ [۴]

ہندوستان کی کسی زبان سے ایک کتاب ہتھیلی کی لکیروں اور ہاتھوں کے دیکھ کر حال بتانے کی عربی میں ترجمہ ہوئی۔ [۵]

۱- عیون الانبیاء فی طبقات الاطباء ج ۲ ص ۳۳ (مصر)
۲- ابن ندیم ص ۲۷۸
۳- ایضاً ص ۲۷۱
۴- کتاب الہند صفحہ ۲۶
۵- ابن ندیم ص ۳۱۴

نیز ایک اور کتاب ''زجرالہند'' ہندی فال پر[۱] ہے۔

سانپوں کا علم

ہندوستان کے لوگ سانپوں کے اقسام اور ان کے جھاڑ پھونک اور منتر میں مشہور ہیں اور اس کا نام ان کے ہاں ''سرپ ودیا'' ہے۔ رائے نامی ایک پنڈت کی کتاب اس فن میں ترجمہ ہوئی جس میں سانپوں کے اقسام اور ان کے زہروں کا بیان تھا۔[۲] عربی میں ایک اور ہندی پنڈت کی کتاب کا ذکر ہے جو اسی فن پر تھی[۳]

زہروں کا علم

ہندوستان کو اس فن میں بھی کمال تھا۔ زکریا قزوینی نے آثار البلاد میں ''ہند'' کے ذکر میں ''بیش'' نام ایک جڑی کا اور راجاؤں میں باہم اس کے ذریعہ ایک دوسرے کو دوستی کے پردہ میں مارنے کا عجیب قصہ لکھا ہے۔ یہ بیش لفظ ہندی کا ''بش'' ہے جس کے معنی زہر کے ہیں۔ بہر حال بادشاہوں کو اپنی حفاظت اور اپنی جان بچانے کے لئے اس علم سے واقفیت کی بڑی ضرورت رہتی تھی۔ عربی میں چانک یا شاناق پنڈت کی کتاب کا جو لڑائی پر ہے نام پہلے آ چکا ہے جس کا آخری باب ''کھانا اور زہر تھا''۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے علاوہ خاص زہروں کے بیان میں بھی اس کی کوئی کتاب تھی جو ساتویں صدی ہجری (تیرھویں صدی عیسوی) تک عربی میں موجود تھی کیونکہ ابن ابی اصیبعہ نے سنہ ۶۶۸ھ (سنہ ۱۲۷۰ع) نے اس کتاب کا پورا حال اس طرح لکھا ہے کہ ''یہ کتاب پانچ بابوں میں ہے۔ منکہ یا مانک پنڈت نے یحییٰ بن خالد برمکی کے لئے فارسی میں ابو حاتم بلخی کی مدد سے ترجمہ کیا پھر عباس بن سعید جوہری نے اس کا دوبارہ ترجمہ خلیفہ مامون الرشید (سنہ ۲۱۸ھ) کے لئے کیا[۴]''۔ اسی زہروں کے فن پر مصنف کا نام لئے بغیر ایک کتاب کا ذکر جو ہندی سے عربی میں ترجمہ ہوئی ابن ندیم کی فہرست میں بھی موجود ہے۔[۵]

۱- ابن ندیم ص ۳۱۴

۲- ایضا صفحہ ۳۰۳

۳- عیون الانباء فی طبقات الاطباء ص ۳۳ (مصر)

۴- عیون الانباء فی طبقات الاطباء صفحہ ۳۳

۵- صفحہ ۳۱۷

موسیقی

جاحظ (۲۵۵ھ) کا بیان گزر چکا ہے جس میں اس نے ہندوستان کی موسیقی کی تعریف کی ہے اور خاص طور سے یک تارے کا ذکر کیا ہے۔ بغداد کی تصنیفات میں ہندی موسیقی پر کسی کتاب کا نام نہیں ملتا لیکن اسپین کے ایک علمی مورخ قاضی صاعد اندلسی سنہ ۴۶۲ھ (سنہ ۱۰۷۰ع) نے لکھا ہے کہ ''موسیقی میں ہندوستان کی ایک کتاب نافر ہم تک پہنچی ہے جس کے لغوی معنی ''دانائی کے پھل'' کے ہیں اور جس میں راگوں اور سروں کا بیان ہے [1] عجب نہیں کہ یہ فارسی کا ''نوبر'' (نیا پھل) نام ہو اور فارسی ترجمہ کے ذریعہ سے عربی میں یہ کتاب منتقل ہوئی ہو لیکن میرے ایک ہندو دوست نافر کی نسبت کہتے ہیں کہ وہ ''ناد'' ہوگا جو سنسکرت میں آواز کو کہتے ہیں۔

مہا بھارت

ہندوستان کی قدیم تاریخ میں ایک فارسی کتاب مجمل التواریخ پیرس لائبریری میں ہے جس میں بہت کچھ مہا بھارت کے قصے ہیں۔ اس کتاب کے مقدمہ میں ہے کہ اس کو سنسکرت (ہندوانی) زبان سے ابو صالح بن شعیب نے عربی میں ترجمہ کیا تھا پھر سنہ ۴۱۷ھ میں ابوالحسن علی جبلی نے جو کسی دیلمی امیر کے کتب خانہ کا مہتمم تھا اس کا عربی میں ترجمہ کیا۔ ایلیٹ صاحب نے اس کا کسی قدر خلاصہ دیا ہے۔ [2]

سیاست جنگ اور راجنیت

اس فن میں ہندی زبان (سنسکرت یا پالی؟) سے عربی میں دو ہندو فاضلوں کی کتابیں عربی میں ترجمہ ہوئیں۔ ان میں سے ایک کا نام عرب شاناق بتاتے ہیں اور دوسرے کا باکھریا باجھر۔ شاید پہلا نام چانک ہو اور دوسرا ویا گھر۔ چانک یا شاناک ہندی کی کتاب کا مضمون یہ ہے۔ ''لڑائی کا انتظام اور بادشاہ کو کیسے آدمی چننا چاہئے اور سواروں کی ترتیب اور کھانا اور زہر'' [3] اور باجھر یا ویا گھر کی کتاب ''تلواروں کی پہچان

۱- طبقات الامم قاضی صاعد اندلسی صفحہ ۱۴ (بیروت)

۲- تاریخ ہند ایلیٹ جلد اول صفحہ ۱۰۰

۳- ابن ندیم ص ۳۱۵

اور اس کی خوبیوں اور اس کے نشانات'' میں ہے [۱] سنسکرت سے ایک اور کتاب کا عربی میں ترجمہ ہوا جس کا عربی نام ''ادب الملک'' یعنی ''سلطنت کے طریقے'' ہے۔ اس کتاب کے عربی مترجم کا نام ابوصالح بن شعیب ہے۔ زمانہ کا پتہ نہیں ہے۔ اس وقت اس کا صرف فارسی ترجمہ موجود ہے۔ یہ ترجمہ سنہ ۴۱۷ھ میں ابوالحسن بن علی جبلی نے کیا تھا جو ایک دیلمی امیر کے کتب خانہ کا مہتمم تھا۔ [۲]

کیمیا

پرانی کیمیا کی اصلیت جو کچھ ہو مگر اس فن میں ایک ہندو فاضل کی کتاب کے ترجمہ کا پتہ ابن ندیم میں ملتا ہے [۳] اور مشہور عرب کیمیا ساز جابر بن حیان کی ایک کتاب خاطف بھی اسی ہندی نسبت کے ساتھ مذکور ہے [۴] لیکن اس ہندی فاضل کا نام بہت مشکوک ہے۔

حدود منطق

فہرست ابن ندیم (سنہ ۳۷۷ھ) میں ایک عربی کتاب کا جو ہندی سے ترجمہ ہوئی اس طرح ذکر ہے۔ ''کتاب حدود منطق الہند'' [۵] (ہندوستان کی منطق کے حدود) لیکن یعقوبی (سنہ ۲۷۸ھ) نے جو ابن ندیم سے سو برس پہلے گزرا ہے اس کتاب کا ذکر منطق و فلسفہ کی کتابوں کے ضمن میں اس نام سے کیا ہے ''کتاب طوفانی علم حدود المنطق'' [۶] طوفا (ٹوپا) کی کتاب منطق کے حدود کے علم میں) بحث یہ ہے کہ اس منطق سے علم منطق کی اصطلاح مراد ہے جس کو نیایہ (لاجک) کہتے ہیں یا اس لفظ کے لغوی معنی مراد ہیں یعنی بولنا اور کتاب محض قصہ کہانی ہو یا ادب و اخلاق میں ہو اور اس سے مقصود یہ ہو کہ انسان کے بولنے کے حدود بتانے والی کتاب کہ کہاں بولنا اور کہاں نہ بولنا چاہئے اور کس طرح بولنا چاہئے۔ ابن ندیم نے اس کتاب کا ذکر اس عنوان کے نیچے کیا ہے: ''ان ہندی کتابوں کے نام جو قصہ کہانی اور

۱- ایضا
۲- الیت جلد اول صفحہ ۱۱۲
۳- ابن ندیم صفحہ ۳۵۳
۴- ایضا صفحہ ۳۵۹
۵- ایضا ص ۳۰۵
۶- یعقوبی ص ۱۰۵

افسانہ ہیں'' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ منطق میں نہ تھی۔

معانی و بیان

جاحظ (سنہ ۲۵۵ھ) نے اپنی کتاب البیان والتبیین میں لکھا ہے [۱] کہ ''جس زمانہ میں یحییٰ بن خالد برمکی نے بہت سے ہندو پنڈتوں کو بلوایا تھا۔ معمر نے ان میں سے ایک سے پوچھا کہ اہل ہند کے نزدیک بلاغت کس کو کہتے ہیں؟ اس نے کہا میرے پاس اس مضمون پر ایک چھوٹا سا رسالہ ہے لیکن میں اس کا ترجمہ نہیں کرسکتا اور نہ یہ فن میں جانتا ہوں۔ معمر کا بیان ہے کہ میں اس مختصر رسالہ کو لے کر مترجموں کے پاس گیا۔ انہوں نے اس کا یہ ترجمہ کیا۔ اس کے بعد جاحظ نے اس رسالہ کا خلاصہ ایک صفحہ میں دیا ہے جس میں یہ بحث ہے کہ مقرر کو کیسا ہونا چاہئے اور کس وقت کے لئے کیسی تقریر مناسب ہے۔''

منتر، کرتب اور جادو

ہندوستان کا یہ مشہور پرانا فن ہے اور اکثر عربی کتابوں میں جہاں ہندوستان کی خصوصیتوں کا ذکر ہے یہاں کی کرتبوں، بازیگروں اور جادوگروں کا ذکر خاص طور سے کیا گیا ہے۔ ابن ندیم کہتا ہے ''اھل ہند کو جادو اور منتر کا بہت اعتقاد ہے''۔ پھر کہتا ہے کہ ''اھل ہند علم توھم میں خاص کمال رکھتے ہیں اور اس فن میں ان کی کتابیں ہیں جن میں سے کچھ کا عربی میں ترجمہ ہوا ہے''۔ علم توہم سے مقصود شاید وہی چیز ہے جس کو آج مسمرزم کہتے ہیں [۲] یعقوبی نے اس کے یہ معنی لکھے ہیں کہ ''جیسا کہ خیال کر کے یقین دلایا جائے ویسا ہی ہو۔'' [۳] اور لکھا ہے کہ کیہن نام ایک راجہ اس کا موجد ہے۔

ابن ندیم ایک ہندو مصنف کا ذکر کرتا ہے جس کا نام اڈیٹر سے بھی پڑھا نہیں گیا اور اسی طرح لکیر بنا کر اس نے چھوڑ دیا ہے۔ بظاہر ''سیسہ ہندی'' معلوم ہوتا ہے۔ پھر لکھتا ہے ''یہ پرانے لوگوں میں ہے اس کا طریقہ نیرنگ و نظر بندی میں ہندوستان کا طریقہ ہے

۱- کتاب البیان والتبیین جلد اول صفحہ ۴۰ (مصر)

۲- الفہرست ص ۳۰۹

۳- یعقوبی ج ۱ ص ۹۷

اس کی ایک کتاب ہے جس میں تو ہم والوں (مسمرائزر) کا طریقہ اختیار کیا ہے۔[۱]

کہانی اور افسانے

اس ضمن میں ہندوستان کی کئی کتابیں عربی میں ترجمہ ہوئیں جن میں سے دو کے نام سند باد حکیم (پنڈت) کی کتاب ہے۔ اس کے دو نسخے ہیں، ایک چھوٹا، دوسرا بڑا۔ اس کتاب کے متعلق بعضوں کا خیال ہے کہ وہ ایرانیوں کی تصنیف ہے مگر ابن ندیم کہتا ہے کہ ''صحیح یہ ہے کہ ہندوستان کی تصنیف ہے''۔ یہ ممکن ہے کہ بعض دوسری کتابوں کی طرح یہ کتاب بھی پہلے فارسی میں ترجمہ ہوئی ہو اور پھر فارسی سے عربی میں منتقل ہوئی ہو اور اس لئے لوگوں کو اس کے ایرانی ہونے کا دھوکا ہوا ہو۔

الف لیلہ میں سند باد بری اور بحری کے نام دو قصے ہیں جن میں سے ایک میں سند باد نام ایک تاجر کے دریائی سفر کے اور دوسرے میں خشکی کے سفر کے عجیب وغریب واقعات درج ہیں۔ اس سند باد کے لفظ سے بعض صاحبوں کو یہ شبہ ہوا[۲] کہ وہ ہندی قصہ یہی ہے مگر یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ اول تو یہ حکیم سند باد[۳] کے قصے اور الف لیلہ میں تاجر سند باد کے قصے ہیں دوسرے الف لیلہ کے سند باد کے سفر کے جو قصے ہیں وہ ہندو ذہنیت اور حالات کے قطعاً موافق نہیں۔ پھر مسعودی[۴] نے اس واقعہ کے اجزا یہ لکھے ہیں ''سات وزیروں، ایک گرو، ایک لڑکا، ایک رانی والی کہانی''۔ یہ الف لیلہ کے سند باد پر چسپاں نہیں۔

ان کے علاوہ ہندی کی چند اور کہانیاں بھی عربوں نے اپنی زبان میں نقل کرائیں جن میں سے ایک دیپک ہندی کی کہانی ہے جس میں ایک عورت اور مرد کا قصہ ہے۔ ایک حضرت آدم کے زمین میں آنے کی کہانی ہے۔[۵] معلوم نہیں اس کہانی سے کون سی دیو بانی کہانی کی طرف اشارہ ہے۔ اسی طرح ایک راجہ کی کہانی ہے جس میں لڑنے اور تیرنے کا بیان ہے۔ ایک اور کہانی میں دو ہندیوں کا حال ہے جن میں سے ایک سخی داتا اور دوسرا کنجوس تھا دونوں کا

۱- ابن ندیم صفحہ ۳۱۲

۲- رسائل شبلی ص ۲۶۳، طبع اول مضمون تراجم

۳- (۱۲) فہرست ص ۳۰۵ سطر ۲، ۳۰ و یعقوبی ج ۱ ص ۱۰۵

۴- تاریخ مروج الذھب مسعودی ج ۱ ص ۱۶۲ (لیڈن)

۵- فہرست ابن ندیم ص ۳۰۵

سخاوت اور کنجوس پن میں مناظرہ اور راجہ کا پھر فیصلہ ہے[1] ایک اور کتاب تریا چرتر (عورتوں کے فریب) ترجمہ ہوئی۔ اس کے مصنف کا نام راجہ کوش لکھا ہے۔[2]

ایک اور کتاب علم الہند (حکم الہند؟) کا بھی پتہ چلتا ہے جس کا پہلے نثر میں ترجمہ ہوا تھا پھر ابان شاعر[4] نے اس کو نظم میں منتقل کیا۔ ہندوستان کے متعدد قصوں اور کہانیوں کے حوالہ اخوان الصفا کے رسائل میں ملتے ہیں۔

اخلاق وحکمت

پرانے حکیموں کا دستور تھا کہ وہ اخلاق، حکمت اور دانائی کی باتیں قصوں کہانیوں اور تمثیلوں میں بیان کیا کرتے تھے اور کتوں، چوہوں، بلیوں، کووں کی زبانوں سے انسانوں کو سمجھاتے تھے۔ سنسکرت کی ایک خاص کتاب جس نے فارسی اور عربی میں اس حیثیت سے خاص شہرت حاصل کی کلیلہ دمنہ ہے جس کا بیرونی کے بیان کے مطابق سنسکرت نام "پنچ تنتر" ہے۔ یہ کتاب اسلام سے پہلے سنسکرت سے ایران کے ساسانی بادشاہوں کے زمانہ میں فارسی میں ترجمہ ہوئی پھر عبداللہ بن مقفع نے دوسری صدی ہجری کے وسط میں عربی میں اس کو منتقل کیا۔ اس کتاب نے عربی میں اتنی شہرت حاصل کی اور سلاطین اور امرا نے اس کی اتنی قدر کی کہ عربی سے فارسی میں، فارسی سے عربی میں، نظم سے نثر میں اور نثر سے نظم میں اس کی متعدد نقلیں ہوتی رہیں اور مترجم، شاعر اور نثار اس کے ترجمہ نظم اور انشا میں اپنا جوہر دکھا دکھا کر مسلمان بادشاہوں سے گراں قدر انعام پاتے رہے۔ دوسری صدی کے آخر میں ابان نام عربی کے ایک شاعر نے جب اس کا عربی نظم میں ترجمہ کر کے ہارون الرشید کے وزیر جعفر برمکی کی خدمت میں پیش کیا تو اس نے اس کو ایک لاکھ درہم انعام دیا[4] عربی زبان سے اس کتاب کے ترجمے دنیا بھر کی زبانوں میں ہوئے۔ یورپ، ایشیا اور افریقہ کی کوئی مہذب زبان نہیں جس میں اس کا ترجمہ نہ ہوا۔ اس کتاب کے تراجم اور نسخوں کے الٹ پھیر کی خود ایک مستقل تاریخ ہے۔ اردو میں ڈاکٹر سید علی بلگرامی مرحوم نے مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے

۱- ایضاً ص ۳۱۶

۲- تاریخ یعقوبی جلد اول صفحہ ۱۰۵

۳- ابن ندیم صفحہ ۱۱۹ غالباً یہ کتاب وہی کیللہ دمنہ ہے جس کا ذکر آگے آتا ہے۔

۴- کتاب الوزراء والکتاب جہشیاری، مطبوعہ ویانا (آسٹریا) سنہ ۱۹۲۶ء صفحہ ۲۵۹

اجلاس علی گڑھ منعقدہ سنہ ۱۸۹۱ء میں اس پر ایک مفصل محققانہ لکچر دیا ہے۔ اس کے متعلق دوسرا مضمون راقم کا ہے جو علی گڑھ کے منتھلی میگزین میں شاید سنہ ۱۹۰۵ء یا اس کے ایک آدھ سال آگے پیچھے شائع ہوا ہے۔

اس کتاب کا مصنف بیدپا پنڈت اور جس راجہ کے لئے لکھی گئی اس کا نام وابشلیم بتایا گیا ہے۔ بادشاہوں کو جن باتوں کی ضرورت ہے جانوروں کے قصوں اور کہانیوں کے ذریعہ سے دس بابوں میں ان کی تعلیم دی گئی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وابشلیم جس راجہ کا نام بتایا گیا ہے وہ گجرات کا راجہ تھا کیونکہ چوتھی صدی ہجری (دسویں صدی عیسوی) کے عرب سیاح ابن حوقل نے گجرات کے راجہ ولبھ رائے کا نام لے کر لکھا ہے کہ "تمثیلوں والی کتاب (کتاب الامثال) والا راجہ"[1] اور عربی میں تمثیلوں والی کتاب یہی کلیلہ دمنہ سمجھی جاتی ہے۔ یعقوبی نے لکھا ہے کہ راجہ وابشلیم کے عہد میں بیدپا پنڈت نے یہ کتاب لکھی[2] اور فرشتہ میں ہے کہ سلطان محمود کے حملہ گجرات کے وقت گجرات کے معزول راجہ کے خاندان کا لقب وابشلیم تھا۔

پروفیسر زخاؤ کی غلطی

انڈیا کے مقدمہ میں پروفیسر زخاؤ نے ابن ندیم کے حوالہ سے کتاب بیدپا فی الحکمۃ (بیدپا کی کتاب دانائی میں) کا نام لیا ہے اور اس کی تحقیق یہ کی ہے کہ بیدپا اصل میں ویدویاس ہے جو ویدانت کے بانی تھے۔ اس لئے دانائی کے فن میں بیدپا کی کتاب سے مراد ویدانت ہے۔ پھر اس غلط قیاس پر ایک اور قیاس کھڑا کر لیا کہ مسلمانوں میں وحدت وجود کا فلسفہ اسی ویدویاس ویدانت کے ترجمہ سے آیا[3] ہم کو اس سے انکار نہیں کہ بعد کے مسلمان صوفیوں پر ویدانت کا اثر نہیں پڑا لیکن اس سے انکار ہے کہ اس قدیم عہد میں ویدانت سے عربوں اور مسلمانوں کو کسی قسم کی واقفیت تھی۔ ابتدائی مسلمان صوفیوں کی وحدت وجود پر اسکندریا کے افلاطونی فلسفہ کا اثر البتہ پڑا ہے۔ بہرحال اس مسئلہ کی تاریخ سے یہاں بحث نہیں بلکہ ابن ندیم کے اس فقرہ سے فاضل مستشرق کو جو دھوکا ہوا ہے اس کو دور کرنا مقصود ہے

۱- سفرنامہ ابن حوقل ص ۲۲۷

۲- جلد اول ص ۹۷

۳- مقدمہ انڈیا صفحہ ۳۳

عربی میں حکمت، دانائی، عقلندی اور تمثیلوں کے ذریعہ سے جو عقل اور نصیحت کی باتیں سمجھائی جاتی ہیں ان کو حکمت کہتے ہیں۔ بیدپا کی کتاب سے مراد یہی کلیلہ دمنہ والی کتاب ہے جس کا مصنف اس کے فارسی ترجمہ کے شروع میں بیدپا پنڈت بتایا گیا ہے [1] اور جس کا موضوع قصوں اور تمثیلوں میں عقل اور حکمت کی باتیں سکھاتا ہے اسی لئے ابن ندیم نے بیدپا کی کتاب حکمت کا نام قصوں اور افسانوں کے ضمن میں لیا ہے فلسفہ کے ضمن میں نہیں لیا ہے۔

بہرحال یہ وہ اہم کتاب ہے جس کو ہندوستان کے دماغ نے پیدا کیا اور عربوں کی کوششوں نے اس کو دنیا کے گوشہ گوشہ میں پھیلا دیا۔ بیرونی لکھتا ہے کہ عبداللہ بن مقفع جو مانی (مجوسی فرقہ) مذہب کا پیرو تھا اس نے اپنے خیال و اعتقاد کے مطابق اصل کتاب کے ترجمہ میں تحریفیں کی ہیں۔ میری دلی خواہش تھی کہ اس کی اصل کتاب پنچ تنتز سے صحیح اور ایماندارانہ ترجمہ کرنے کا مجھے موقع مل سکتا [2] مگر معلوم ہوتا ہے کہ بیرونی کو اس کا موقع نہ مل سکا۔ یہ کتاب عربی میں عام ہے اور بچوں کے نصاب میں آج کل بھی کہیں کہیں داخل ہے۔

ہندی حکمت و دانش کی دوسری کتاب ''بوذاسف و بلوہر'' ہے جس کی شہرت گو کلیہ دمنہ سے کم ہے مگر اس کی اہمیت اور بلندی اس سے کہیں بہت بڑھ کر ہے۔ ابن ندیم نے اس کا ذکر ان ہندی افسانوں میں کیا ہے جو عربی میں ترجمہ ہوئے ہیں۔ اس میں تو کوئی شک ہی نہیں کہ بوذاسف سے بودھ مطلب ہے۔ پرانی فارسی میں دال کی جگہ ذال لکھتے تھے۔ اس لئے بوداسف کی جگہ بوذاسف ہو گیا اخیر حرف سف بقول زخاؤ ستو ہے۔ بودھی ستو کا بوذاسف ہو گیا ہے کہ خاص قسم کے واؤ جیسے رومن کی v عربی میں ف ہو جاتی ہے اور بلوہر کی اصل زخاؤ صاحب ''پروھیتر'' سمجھتے ہیں جس کے معنی گرو کے ہیں۔ اس کتاب میں بودھ کی پیدائش، تربیت اور پھر ایک اتفاقی واقعہ سے اس کا دنیا سے بیزار ہونا اور اس کی خبر سن کر سر اندیب کے ایک جوگی (فقیر) کا سوداگر کے لباس میں اس کے پاس آنا اور تلمیح و اشارہ میں اور حکایتوں اور تمثیلوں میں شاگرد و استاد کا دنیا کے سربستہ رازوں اور کائنات کے لاینحل عقدوں پر تشفی بخش بات چیت اور سوال و جواب ہے۔ یہ کتاب عربی زبان سے مختلف زبانوں میں پھیلی اور مذہبی حلقوں میں اس قدر پسند کی گئی کہ عیسائیوں نے اس کو اپنے ایک

۱- یعقوبی جلد اول ص ۹۷

۲- کتاب الہند صفحہ ۷۶ (لنڈن)

مقدس ولی کی طرف منسوب کرلیا۔ مسلمانوں کے ایک فرقہ نے اس کے بڑے حصہ کو لے کر اپنے ایک امام کی تصنیف بتایا۔ اخوان الصفا جو چوتھی صدی کی ایک نیم مذہبی اور نیم فلسفیانہ کتاب ہے اور جس کی اس حیثیت سے ایک خاص اہمیت ہے کہ ایک خاص نظام تخیل (یا اسکول آف ٹھاٹ) کے طریق پر یہ کتاب چوتھی صدی میں ایک پوشیدہ انجمن نے رازدارانہ طریقہ پر لکھی تھی اور اسلام کے ایک خاص فرقہ کے نزدیک وہ ایک مذہبی صحیفہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کتاب میں بھی اس بوذاسف و بلوھر کی کتاب کے مختلف ابواب داخل ہیں۔ تیس برس ہوئے کہ مولوی عبدالغنی صاحب وارثی بہاری مرحوم نے اس کا عربی سے نہایت سلیس اردو میں ترجمہ کیا تھا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جب اس کتاب کا یہ اردو ترجمہ چھپا اور میرے نگراں عزیز کے پاس یہ آئی تو اس وقت میں عربی کی معمولی کتابیں پڑھتا تھا۔ میں نے ان سے اس کتاب کے دیکھنے کی خواہش ظاہر کی مگر انہوں نے یہ کہہ کر دینے سے انکار کیا کہ تم اس کو پڑھ کر دنیا سے بیزار ہو جاؤ گے اور لکھنا پڑھنا چھوڑ دو گے۔ اس فقرہ نے میرے شوق کو ''ارتکاب جرم'' پر آمادہ کر دیا۔ رات کو جب وہ سو گئے تو ان کی میز پر سے میں یہ کتاب چپکے سے اٹھا لایا اور صبح ہوتے ہوتے اس کو ختم کر کے پھر میز پر جا کر رکھ دیا۔ وہ دن ہے اور آج کا دن ہے کہ میری نظر میں وہ کتاب دنیا کی ان چند کتابوں میں سے ہے جن کی تاثیر گنہگاروں کے دلوں میں بھی گھر کر لیتی ہے اس میں بعض ایسی موثر مثالیں بھی ہیں جو آج مسیح کے کلام میں ہم کو ملتی ہیں اور ہم نہیں کہہ سکتے کہ یہ موتی کس سمندر کی تہہ سے پہلے نکلے ہیں۔

خاتمہ پر ان دو مسلمان فاضلوں کا ذکر کرنا ہے جو سیر و سیاحت کی غرض سے نہیں بلکہ ہندوستان کے علم و فن کی گنگا سے سیراب ہونے کے لئے اس ملک میں آئے اور کامیاب واپس گئے۔

تنوخی

ان میں پہلا شخص محمد بن اسماعیل تنوخی ہے۔ غالباً اس کا زمانہ تیسری صدی ہجری (نویں صدی عیسوی) کا ہوگا۔ یہ نجوم اور ہیئت کا مشہور عالم تھا۔ یہاں وہ اپنے فن کے متعلق بہت سے نادر معلومات لے کر واپس گیا۔[1]

۱- طبقات الامم قاضی صاعد اندلسی ص ۵۶ بیروت و اخبار الحکما قفطی ص ۸۵ (مصر)

افسوس ہے کہ اس فاضل کے حالات کا کچھ زیادہ علم نہیں اور اگر اسپین کا ایک مسلمان مورخ قاضی صاعد اس کا ذکر نہ کرتا تو شاید اس کا نام بھی نہ معلوم ہوتا۔

بیرونی

دوسرا فاضل مشہور حکیم و ریاضی داں خوارزم کا ابو ریحان بیرونی ہے۔ اس فاضل کو دنیا کی مختلف قوموں کے خیالات' معتقدات اور مسائل جاننے کا خاص شوق تھا۔ چنانچہ اس کی تصانیف میں سے شاید ہی کوئی کتاب ایسی ہو جس سے اس کے اس ذوق کا پتہ نہ چلتا ہو۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ وہ ہندوستان سے پہلے بھی ہندوستان اور اس کے علوم کے متعلق پہلے مصنفین کے ذریعہ سے بہت کچھ واقف تھا۔ اس کے زمانہ تک عربی علوم اور مسلمانوں کی علمی تحقیقات درجہ کمال کو پہنچ گئی تھی اور جن علوم کو انہوں نے ہندوؤں' ایرانیوں اور یونانیوں سے سیکھا تھا ان کو ترقی دے کر بہت کچھ بڑھا دیا تھا' بہت سے غلط مسئلوں کی تصحیح اور ناقص باتوں کی تکمیل کر چکے تھے۔ اس لئے بیرونی کو جدت پسندی کے سوا ہندوستان کے علوم کے سیکھنے کی کوئی اور وجہ نہ تھی۔

بہرحال یہ صاف نہیں معلوم ہوتا کہ وہ ہندوستان کب آیا اور یہاں کتنے دن رہا اور کہاں کہاں پھرا مگر اتنا معلوم ہے کہ سنہ ۴۰۸ھ میں خوارزم سے غزنین آیا تھا اور سنہ ۴۲۳ھ میں غزنین میں اس نے کتاب الہند ختم کی۔ سلطان محمود اس سے تین سال پہلے سنہ ۴۲۰ھ میں وفات پا چکا تھا۔ اب اس کے ہندوستان کے قیام کا زمانہ سنہ ۴۰۸ھ سے سنہ ۴۲۲ھ تک معلوم ہوتا ہے جو بارہ تیرہ برس کا زمانہ ہے۔ فارسی میں حکما اور فلاسفہ کی تاریخ میں ایک کتاب درۃ الاخبار ہے جو علی بن زید بیہقی (المتوفی سنہ ۵۶۵ھ) کی عربی کتاب تتمہ صنوان الحکمۃ کا ترجمہ ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ "اس نے ۴۰ برس ہندوستان میں گزارے"۔ اگر یہ مدت صحیح ہو[1] تو گویا ہندوستان میں اس نے پہلا قدم سنہ ۳۸۳ھ میں رکھا جب غزنویوں کا وجود بھی نہ تھا۔ مگر بیرونی کی زندگی کی مختلف تاریخوں کے ملانے سے اتنا پہلے اس کا ہندوستان آنا صحیح نہیں معلوم

۱- یہ کتاب اورینٹل کالج میگزین لاہور بابت فروری سنہ ۱۹۲۹ء کے ضمیمہ میں شائع ہونی شروع ہوئی ہے۔ اصل کتاب میں صرف "در بلاد" ہے مگر اڈیٹر نے اصل کتاب تتمہ سے لے کر اس کے بعد "ہند" کا لفظ بڑھا دیا ہے۔

ہوتا۔ گو اس کا سفر ہندوستان میں پنجاب اور سندھ سے آگے نہیں بڑھا(۱) مگر ہندوستان کا جو جغرافیہ اس نے کتاب الہند میں لکھا ہے اس میں اس نے پورے ہندوستان کو ناپ دیا ہے اور اپنی دوسری کتاب قانون مسعودی میں جو اس کے چند سال بعد اس نے لکھی ہے اس میں ہندوستان کے تمام بڑے بڑے شہروں کا طول بلد اور عرض بلد اس نے لکھا ہے۔

بہر حال وہ ہندوستان میں اس وقت داخل ہوا جب ہندوستان کی سرزمین سلطان محمود کے حملوں سے زیر و زبر ہو رہی تھی مگر عین اسی وقت علم و فن کا دوسرا سلطان تن تنہا نہایت اطمینان اور چین سے ہندوستان کی علمی فتوحات میں مصروف تھا اور اسی سیاسی لڑائی بھڑائی اور خلفشار پر دل ہی دل میں جل رہا تھا(۲) اس نے کتاب الہند لکھ کر جیسا کہ ڈاکٹر زخاؤ نے کہا ہے ایک طرف مسلمانوں کو یہ فخر بخشا کہ ان کے ایک فرد نے ایک ایسی کتاب لکھی جس نے یونانی سفیروں اور چینی سیاحوں کے ہندوستان کے متعلق بیانات کو تقویم پارینہ بنا دیا' دوسری طرف ہندوستان پر یہ احسان کیا کہ اس کے پرانے تمدن' پرانے علوم اور پرانے خیالات کو دنیا میں قائم اور باقی رکھا۔ اس وقت کے ہندوستان کے علمی غرور کے متعلق بیرونی کا یہ فقرہ یاد رکھنے کے قابل ہے۔ لکھتا ہے کہ ''ہندوؤں کو اپنی سوا اوروں کی واقفیت کچھ نہیں ہے۔ ان کو یہ پختہ یقین ہے کہ دنیا میں ان کے دیس کے سوا کوئی اور دیس نہیں اور نہ اور کوئی قوم اس دنیا میں بسنے والی ہے اور نہ ان کے سوا کسی کے پاس علم ہے یہاں تک کہ جب ان کو خراسان اور فارس کے کسی عالم کا نام بتایا جاتا ہے تو اس بتانے والے کو جاہل و نادان سمجھتے ہیں''۔ پھر کہتا ہے کہ ''اگر یہ لوگ دوسری قوموں سے ملیں جلیں تو ان کا یہ خیال درست ہو سکتا ہے''۔ پھر کہتا ہے کہ ''اگلے ہندو پنڈت ایسے نہ تھے۔ وہ دوسری قوموں سے بھی فائدہ اٹھانے میں کمی نہیں کرتے تھے چنانچہ وراہ مہر کہتا ہے کہ یونانی اگر ناپاک اور ملیچھ ہیں تب بھی ان کی عزت ان کے علم کے سبب سے کرنی چاہئے۔ آگے چل کر بیرونی کہتا ہے کہ ''جب تک مجھے ان کی زبان نہیں آتی تھی تو ان کے سامنے میں شاگردوں کی طرح بیٹھتا تھا لیکن جب ان کی کچھ زبان آ گئی اور میں نے ہیئت اور حساب میں ان کو مسائل اور دلائل اور تحقیقات بتانی شروع کی تو وہ حیرت میں آ گئے اور خود مجھ سے سیکھنے لگے اور تعجب سے پوچھنے لگے کہ تم کس پنڈت کے شاگرد ہو؟

۱- کتاب الہند ص ۱۱ (لنڈن)

۲- کتاب الہند بیرونی کا مقدمہ

پھر جب میں نے ان کی علمی حیثیت کی کمزوری دکھانی شروع کی تو وہ مجھے جادوگر یا غیب جاننے والا سمجھنے لگے اور ودیا ساگر کہنے لگے۔''(۱)

بیرونی کا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان علمی سفارت کا کام انجام دیا۔ اس نے عربوں اور ایرانیوں کو ہندوؤں کے علوم سے اور ہندوؤں کو عربوں اور ایرانیوں کی تحقیقات سے آگاہ کیا۔ اس نے عربی جاننے والوں کے لئے سنسکرت سے اور سنسکرت جاننے والوں کیلئے عربی سے کتابیں ترجمہ کیں اور اسطرح وہ قرض ادا کیا جو ہندوستان کا مدت سے عربی زبان کے علوم وفنون پر چلا آ رہا تھا۔ اس نے ہندوستان کے متعلق تین قسم کی کتابیں لکھیں۔ ایک عربی سے سنسکرت میں، دوسری سنسکرت سے عربی میں اور تیسری ہندی علوم اور مسئلوں کی چھان بین اور جانچ پڑتال میں۔

اس کی وہ کتابیں جو اس نے ہندوؤں کے لئے لکھیں، یہ ہیں:

۱- ہندوستان کے جوتشیوں کے سوالات کے جواب۔

۲- کشمیر کے پنڈتوں کے دس سوالوں کے جواب اور ان کے شبہوں کا حل۔

۳- اصطرلاب پر ایک رسالہ۔

۴- بطلیموس کی مجسطی کا ترجمہ۔

۵- اقلیدس کے مقالے۔

۶- ہیئت پر ایک کتاب۔

اس کی دوسری قسم کی کتابیں جو عربی جاننے والوں کے لئے اس نے لکھیں، یہ ہیں:

۱- کتاب الہند، ہندوؤں کے عقائد، علوم اور تحقیقات کا خلاصہ۔

۲- برہم گپت کی پانچ سی دہانت کا عربی میں ترجمہ۔

۳- برہم گپت کی برہم سدھانت کا ترجمہ۔

۴- چاند گرھن اور سورج گرہن پر ہندی تحقیقات کا ترجمہ۔

۵- ہندوستان کی رقم (انک) کے حساب وشمار میں۔

۶- حساب سکھانے میں ہندوستان کے نقوش کی کیفیت۔

۷- ہندی اربعہ متناسبہ (ترے راشک) کا ترجمہ۔

۱- کتاب الہندس ۱۲

۸- سانکھیہ کا ترجمہ (فلسفہ)

۹- پتنجلی کا ترجمہ۔

۱۰- ورارہ مہر کی کتاب لگھو جاتکم کا ترجمہ (ولادت کا بیان میں)

۱۱- وسودیو کے دوبارہ دنیا میں آنے پر ایک رسالہ وغیرہ۔

تیسری قسم کی کتابیں یہ ہیں:

۱- سدھانت، آریہ بھٹ اور کھنڈ یا کھنڈ جو ہندی ہیئت کی کتابیں سنسکرت سے عربی میں ترجمہ ہوئی تھیں ان میں مصنفوں یا مترجموں سے جو غلطیاں ہوئیں ان کی تصحیح۔

۲- خاص سدھانت پر پانچ سو صفحوں کی ایک کتاب جس کا نام جوامع الموجود بخواطر الہنود ہے۔

۳- اس بیان میں ایک رسالہ کہ اعداد کے لکھنے کا طریقہ باعتبار ہندی کے عربی میں زیادہ صحیح ہے۔

۴- ہندی اصول پر جوتش کے بعض اصول کی تصحیح (فی الارشاد الی تصحیح المبادی علی النمو دارات) قانون مسعودی کے پانچویں مقالہ میں بیرونی نے ہندوستان کے حسب ذیل شہروں کا طول بلد اور عرض بلد بتایا ہے۔ لوھاور (لاہور) اوستان (اوستھان) جو کشمیر کا پایہ تخت تھا نیپال (کہتا ہے کہ یہ ہندوستان اور تبت کے بیچ میں ایک کمین گاہ ہے) ویہند (وادی سندھ میں ہندوستان کا خاص شہر تھا)۔ سیالکوٹ، مولتان، تیز (بلوچستان کا بندر) سومنات (سومناتھ) نہلوالہ (نہروالہ) کھمبایت، وھار (مالوہ) اوزین (اجین) بھروچ وسط ہندوستان میں کالنجر، ماھورہ (متھرا) قنوج (کہتا ہے کہ قنوج کی سلطنت ملک کے بیچ کا حصہ ہے اور بڑے بڑے راجاؤں کی راجدھانی رہا ہے گنگا کے پچھّم ہے) ماری (یہ سلطنت قنوج کی موجودہ راجدھانی ہے) گوالیار کا قلعہ، لوہرانی، دیبل (سندھ کا بندر) کوراھہ، اجودھہ (اجودھیا) بانارس (بنارس، کہتا ہے کہ یہ مقدس شہر ہے اور وہیں آج ہندوؤں کے علوم ہیں) جزیرہ لنکا، جمکوت، تنجاور، سنگلدیپ، منکری (مہانگری؟)

ہندوستان میں بیرونی نے ایک اور عظیم الشان کارنامہ انجام دیا ہے یعنی زمین کا دور ناپنا۔ عربوں میں زمین کے دور کی پیائش مامون الرشید نے تیسری صدی ہجری کے شروع میں کرائی تھی جس پر اب دو سو برس گزر چکے تھے۔ بیرونی کو اس کی تحقیق کا بڑا شوق تھا۔ ایسے

موقع کا میدان اس کو خوارزم یا افغانستان میں نہیں ملا۔ ہندوستان میں اس کو اتفاق سے ایسا میدان مل گیا جس کے ایک طرف پہاڑ بھی تھا چنانچہ اس نے اسی میدان میں اپنے ہندی قاعدہ کے مطابق زمین کے دور کی پیمائش کی۔(۱)

علم ہیئت اور فلکیات کے متعلق ہندوستان اور سنسکرت کا پورا قرض مسلمانوں نے اکبر اور محمد شاہ کے زمانہ میں ادا کیا۔ اکبر نے زیج الغ بیگی کا جو اسلامی فلکی تحقیقات اور تیموری رصدخانہ واقع مراغہ کے تازہ مشاہدات کا مجموعہ تھا سنسکرت میں ترجمہ کرایا(۲) اور محمد شاہ کے زمانہ میں راجہ جے سنگھ نے جب دہلی بنارس اور جے پور میں رصد خانے قائم کرائے تو عربی کی اونچی علم ہیئت کی کتابیں سنسکرت میں ترجمہ کرائیں۔(۳)

سنجیدہ کھیل

علم اور فن کے ٹھوس اصطلاحات اور مضامین پر بحث سنتے سنتے شاید حاضرین کی طبیعتیں گھبرا گئی ہوں اس لئے خاتمہ میں کھیل کی بساط بچھاتا ہوں کہ آخر میں تھوڑی دیر کہنے والے اور سننے والے دونوں کے لئے تفریح رہے۔ دنیا کے دو کھیل مشہور ہیں یعنی شطرنج اور چوسر (نرد) دونوں ہی ہندوستان کے دماغ کی ایجاد ہیں۔ عرب مصنفوں میں سب سے بہتر اس مضمون پر یعقوبی نے لکھا ہے۔ اس نے بتایا ہے کہ یہ محض کھیل نہیں ہیں بلکہ حساب اور ہیئت کے نازک مسئلوں پر اس کی بنیاد ہے پھر اسنے ان مسئلوں کی تشریح کی ہے کہ یہ بساط درحقیقت انقلاب روزگار کا نقشہ ہے۔ اس کے خانے آسمانی بروج ۳۶۰ دن' ہر دن کے چوبیس گھنٹے' بارہ گھنٹوں کا دن اور تیرہ گھنٹوں کی رات کا پورا نقشہ' چوسر کی بساط' چوسر کے نشانات اور چوسر کے کھیل میں ہے اور شطرنج کی بنیاد کل ۶۴ خانوں پھر ۳۲' پھر ۱۶ پھر ۸ پھر ۴ پر ہے لیکن ان حسابی داؤں پیچوں کے علاوہ اس نکتہ پر بہت کم غور کیا گیا ہے کہ یہ دونوں کھیل ہندوستان کے دو مذہبی یا فلسفیانہ مسلکوں یا اسکولوں کی تشریح ہیں۔ چوسر اس ثبوت میں ہے کہ انسان محض مجبور ہے اور آسمان اور ستاروں کی گردشیں جو کچھ چاہتی ہیں وہ اس سے کراتی ہیں۔ دنیا کے میدان میں کوئی قدم خود اس کے ارادہ اور نیت سے نہیں اٹھتا بلکہ کوئی اور ہے جو اس سے جبراً

۱- قانون مسعودی اس کا قلمی نسخہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے کتبخانہ میں نظر سے گزرا

۲- آئین اکبری

۳- سبحۃ المرجان فی تاریخ ہندوستان آزاد بلگرامی

یہ قدم اٹھواتا ہے: ؎

در دست دیگرے است سپید و سیاہ ما

اس کے برخلاف شطرنج اس بات کا ثبوت ہے کہ دنیا میں جو کچھ ہے وہ انسان کی ذاتی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ اس کی ہار جیت اور کامیابی یا ناکامی اسی کے دل و دماغ سمجھ بوجھ اور دوڑ دھوپ پر ہے۔ الغرض یہ دونوں کھیل دنیا کے ناقابل فیصل مسائل کے عملی فیصلے ہیں۔ یعقوبی نے لکھا ہے کہ پہلے ایک پنڈت نے چوسر بنا کر ایک راجہ کے نذر کیا تھا اور اس میں جبر کے مسئلہ کی اس کو تلقین کی تھی اس کے بعد دوسرے پنڈت نے شطرنج بنا کر پیش کی جس میں اختیار کے مسئلہ کا ثبوت ہے۔ الغرض ان دونوں کھیلوں نے ثابت کر دیا کہ جس طرح انسان اپنی سنجیدہ اور فلسفیانہ دلیلوں سے جبر و اختیار کے مسئلہ کو حل نہیں کر سکا ہے اسی طرح عملی کھیلوں کی دلیلوں سے بھی وہ قدرت کے اس کھیل کا پتہ نہیں پا سکتا۔

شطرنج کے موجد نے راجہ بارانی (دو روایتیں ہیں) سے جو انعام مانگا تھا وہ بھی حیرت انگیز حسابی کھیل ہے۔ موجد نے انعام یہ مانگا کہ شطرنج کے پہلے خانہ میں ایک گیہوں کا دانہ رکھا جائے پھر ہر خانہ میں پہلے خانہ سے دو چند کیا جائے یہاں تک کہ سب خانے پورے ہو جائیں۔ بظاہر راجہ نے اس کو بہت معمولی انعام سمجھا مگر جب اس کا حساب لگایا گیا تو اتنی بڑی رقم ہوگئی کہ اس کا عطا کرنا راجہ کے بس میں نہ تھا۔ یعقوبی اور مسعودی نے اس کا پورا حساب لگا کر بتایا ہے (۱) مگر اس کو یہاں نقل کرنا پھر کھیل کی بساط کو حساب و ریاضی کی درسگاہ بنا دینا ہے۔

یہ دونوں کھیل پہلی ہی صدی ہجری میں ایران سے عرب پہنچ چکے تھے اور ان سب میں نرد یعنی چوسر بہت پہلے پہنچ چکا تھا کیونکہ اس کا ذکر احادیث میں موجود تھے اور شطرنج اس کے بعد دوسری صدی میں غالباً عباسی دور میں عرب تک پہنچی ہے کیونکہ اس کے متعلق دوسری صدی کے مجتہدین اسلام کی رائیں موجود ہیں۔ لفظ شطرنج کی نسبت اہل ایران کا دعویٰ ہے کہ یہ ان کی ملکیت ہے اور اس کی اصل ''ہشت رنج'' ہے (۲) کہ اس میں ۸ خانے ہوتے ہیں مگر یہ ایرانیوں کی کھلی زبردستی ہے۔ شطرنج نام بھی ہندوستان کا مقبوضہ ہے اس کی اصل

۱- یہ پورا حال یعقوبی ج ا ص ۹۹-۱۰۵ میں ہے۔ نیز دیکھو مسعودی ج ا ص ۱۶۰ (لیڈن)

۲- یعقوبی جلد اول صفحہ ۱۰۱ (لیڈن)

''چتر نگ'' (۱) (چار عضو والا) ہے۔ پھر گو اس کے سب مہروں پر شاہ (بادشاہ) فرزین (وزیر) پیادہ کہہ کر ایرانیوں نے قبضہ کر لیا ہے مگر دو چیزیں ایسی باقی ہیں جو ہندوستان کی ملکیت کی ناقابل نسخ دستاویز ہیں اور وہ ہاتھی اور رخ ہیں ہاتھی تو خیر ہندوستان کی نشانی ہے مگر رخ نام سواری بھی جس کی ہندی رتھ ہے ہندوستان سے باہر نہیں مل سکتی۔ اہل تحقیق کا بیان ہے کہ چتر نگ کھیل کا ذکر راماین وغیرہ میں موجود ہے (۲)۔ ایرانیوں کے علاوہ یونانیوں' رومیوں' مصریوں یا بلیوں غرض دوسری پرانی قوموں نے بھی اس کی ملکیت کا دعویٰ کیا مگر تحقیق کی عدالت میں ہندوستان کے سوا اور کسی کا دعویٰ مسلم نہ ہو سکا (۳)۔ اسی کے ساتھ یہ نکتہ بھی فراموش نہ کرو کہ خواہ ایران میں اس کا نام پہلے ''ہشت رنج'' ہو یا ہندوستان میں ''چتر نگ'' ہو مگر عربوں نے اپنی زبان میں انہیں حرفوں کو الٹ پھیر کر جو نام رکھا وہی آج اس کا نام ایران میں بھی ہے اور ہندوستان میں بھی یعنی شطرنج۔

۱- سواء السبیل فی معرفۃ المراد والدخیل پروفیسر (اب ڈاکٹر) آرنلڈ

۲- دیکھو برٹش انسائیکلوپیڈیا جلد ۶ صفحہ ۱۰۰' لفظ چس (Chess)

۳- ایضاً

باب:۴

مذہبی تعلقات

ماخذ

اس مضمون کے معلومات کا ماخذ ان کتابوں کے علاوہ جن کا ذکر اوپر گزر چکا چار اور نئے ہیں۔

۱- ہندوستانی مذاہب کی وہ روداد جو دوسری صدی ہجری میں یحیٰی بن خالد برمکی نے تیار کرائی تھی جس کا خلاصہ ابن ندیم نے کتاب الفہرست میں شامل کرلیا ہے۔ یہی خلاصہ اس وقت دنیا میں موجود ہے۔

۲- بیت المقدس کے ایک فاضل عرب فلسفی و متکلم و مورخ مطہر بن طاہر مقدسی (سنہ ۳۳۵ھ) کی یادگار تصنیف کتاب البدء والتاریخ جو سنہ ۱۸۹۹ع میں پیرس سے ۶ جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔ اس میں ایک باب ہندوستان کے مذاہب کا بھی ہے۔

۳- تیسری چیز ابوالعباس ایران شہری کی کتاب الدیانات ہے جس کی اصل گو موجود نہیں مگر اس کے اقتباسات بیرونی کی کتاب الہند میں ہیں اس میں زیادہ تر بودھوں کے حالات تھے۔

۴- اس کے بعد سب سے اہم عبدالکریم شہرستانی کی (سنہ ۴۶۹، ۵۴۹ھ) ملل ونحل ہے جو کئی دفعہ یورپ مصر اور بمبئی میں چھپ چکی ہے۔

متفرق مضامین عبدالقاہر بغدادی سنہ ۴۲۹ھ (سنہ ۱۰۳۷ع) الفرق بین الفرق (اسلامی فرقوں کی تاریخ) مطبوعہ مصر اور مرتضٰی زیدی کی اس کتاب المعتز لہ سے لئے گئے ہیں

جسکو پروفیسر آرنلڈ نے حیدرآباد کے دائرۃ المعارف میں چھپوایا تھا۔

عرب اور ترک وافغان اور مغل فاتحوں میں فرق

اس سے پہلے کہ ہم آگے بڑھیں ایک نکتہ کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے چونکہ ہندوستان میں جو ترک و افغان و مغل فاتح آئے وہ مسلمان تھے اس لئے ان کی تمام کارروائیوں کا ذمہ دار اسلام سمجھا جاتا ہے حالانکہ اس حقیقت سے ہم سب کو واقف ہونا چاہئے تھا کہ ترک فاتح جو ہندوستان آئے خاص خاص افسروں یا عہدہ داروں کو چھوڑ کر قوم کی مجموعی حیثیت سے وہ اسلام کے نمائندے نہ تھے اور نہ ان کے اصول سلطنت کو اسلام کی طرز حکومت اور اصول فرمانروائی سے کوئی مناسبت تھی ان کے ترک افسر زیادہ تر نومسلم غلام تھے جن کو اسلام کی صلح و جنگ کے قوانین سے شاید واقفیت بھی نہ تھی۔

غزنویہ سلطنت جس ملک میں آ کر قائم ہوئی وہ اسلامی حدود سلطنت کا سب سے آخری گوشہ تھا۔ وہاں اسلام نے ابھی پورا قدم بھی نہیں جمایا تھا۔ سلطان محمود کی فوج میں جو سپاہی بھرتی ہو کر آئے وہ غزنی خلجی ترکوں اور افغانوں کے مختلف قبائل تھے۔ ہندو بھی اس کی فوج میں داخل تھے (۱) ترک قبائل کا یہ حال تھا کہ وہ بیشتر مسلمان نہ تھے۔ وہ غلاموں کی حیثیت سے ہزارہا کی تعداد میں فروخت ہوتے تھے اور سلاطین اور امراء ان کو خرید کر اور مسلمان بنا کر فوج میں بھرتی کرتے تھے یا وہ خود لوٹ مار کے شوق میں وسط ایشیا سے نکل کر اسلامی ممالک میں آتے تھے اور مسلمان ہو کر مختلف بادشاہوں اور امیروں کی فوج میں بھرتی ہوتے تھے اور آگے چل کر بڑے بڑے افسر ہو جاتے تھے یہاں تک کہ بادشاہ بن جاتے تھے۔ الپتگین اور سبکتگین جو اس غزنوی سلطنت کے بانی تھے اسی قسم کے ترک غلام تھے۔ سلطان غوری کے جانشین التمش وغیرہ بھی ایسے ہی تھے۔ سلجوقی ترک جو چند برسوں کے بعد عظیم الشان سلجوقی سلطنت کے بانی ہوئے اسی زمانہ میں اسلامی ملک میں آ کر مسلمان ہوئے۔ یہی حال سلطان محمود کی فوج کا بھی تھا۔ ترکستان اور ماوراء النہر کے ترک رضا کار (۲) اس کی فوج میں داخل ہو گئے تھے جو زیادہ تر (۳) اسی زمانہ میں مسلمان ہوئے تھے۔

۱- کامل ابن اثیر ج ۹ ص ۱۳۵ بریل (لیڈن) سنہ ۱۸۶۲ء

۲- تاریخ فرشتہ ج ا ص ۲۹، ۳۲ نولکشور

۳- تاریخ فرشتہ ج ا ص ۲۴ نولکشور

مغل ابھی تک مسلمان ہی نہیں ہوئے تھے۔ وہ ساتویں صدی ہجری تک کافر سمجھے جاتے تھے۔ علاؤالدین خلجی (المتوفی سنہ ۷۱۶ھ) تک فوج میں مغل مسلمان کر کے نوکر رکھے جاتے تھے۔ چنانچہ علاؤالدین خلجی کے حکم سے دہلی میں بیک وقت چودہ پندرہ ہزار نومسلم مغل سپاہی قتل کئے گئے۔ (۱)

افغانوں کے بڑے بڑے شہروں میں گو اسلام تھا مگر خود افغان اب تک مسلمان نہ تھے کافر ہی سمجھے جاتے تھے (۲) گو خاص کابل کے بادشاہ نے تیسری صدی کے شروع میں یعنی غزنویوں سے سو برس پہلے اسلام کا اظہار کیا تھا۔ (۳) لیکن افغانوں کے اکثر قبائل محمود غزنوی ہی کے زمانہ میں مسلمان ہونے شروع ہوئے تھے۔ (۴)

ان کے علاوہ غوری قبائل چوتھی صدی کے وسط تک یعنی غزنوی کی پیدائش کے بعد تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ (۵) پھر سلطان محمود سے پہلے اس وقت تک ان اطراف میں نہ اسلامی درسگاہیں تھیں نہ اسلامی تعلیمات کا رواج ہوا تھا اور نہ مسلمان علماء پھیلے تھے۔ ان اسباب سے ان قوموں کے اس وقت کے طور طریق، اصول جنگ اور طرز عمل کو اسلام نہیں کہا جا سکتا۔

برخلاف اس کے وہ عرب فاتح جو ایک صدی کے اندر اندر ایک طرف شام کی سرحد عبور کر کے مصر اور شمالی افریقہ کے راستہ سے اسپین تک پہنچ چکے تھے اور دوسری طرف عراق کے راستہ سے خراسان تک و ایران و ترکستان کو طے کر کے ایک سمت میں کاشغر اور دوسری سمت میں سندھ تک فتح کر چکے تھے وہ لوگ تھے جن میں اسلام کی تعلیمات زندہ تھیں۔ اسلام کا قانون جنگ عمل میں تھا۔ کہیں کہیں افسروں میں بعض ایسے بزرگوار بھی تھے جنہوں نے پیغمبر اسلام کی صحبت اٹھائی تھی اور ایسے تو بکثرت تھے جنہوں نے صحابہ کا فیض پایا تھا اس لئے ان کے طور طریق، اصول حکومت اور طرز سلطنت خیبر سے آنے والی قوموں سے بالکل مختلف تھے۔

۱- فرشتہ ج اول ص ۱۲۰ نولکشور

۲- کامل ابن اثیر جلد ۹ ص ۲۱۸

۳- فتوح البلدان بلاذری ص ۴۰۲ (لیڈن)

۴- کامل ابن اثیر ج ۹ ص ۲۱۸ (لیڈن)

۵- سفرنامہ ابن حوقل ص ۳۶۳ و کامل ابن اثیر جلد ۹ ص ۱۵۶ (لیڈن) و تاریخ بیہقی مطبوعہ کلکتہ ص ۱۲۲

سنہ ۹۳ میں قتیبہ نے سمرقند فتح کیا۔ اس زمانہ میں ان اطراف کے رہنے والے بودھ مت کے پیرو تھے۔ قتیبہ نے کسی وجہ سے (شاید مالی دقت سے) مجبور ہو کر ان کے بتوں کو جلا کر ان سے سونا چاندی کا تھوک نکالنا ضروری سمجھا تو یہ نہیں کیا کہ ان کو زبردستی توڑ کر جلا دیا ہو بلکہ صفائی کے ساتھ خود صلح کے شرائط میں اس نے یہ ایک دفعہ طے کرا لی تھی کہ یہ بت مسلمانوں کے قبضہٗ تصرف میں آئیں گے۔ چنانچہ فریق ثانی نے اس کو منظور کیا لیکن جب جلانے کا وقت آیا تو ترک بادشاہ نے کہا کہ آپ کا میں احسان مند ہوں اس لئے میں آپ کو متنبہ کرتا ہوں کہ آپ ان کو نہ جلائیں کیونکہ ان میں بعض ایسے بت ہیں کہ یہ جلائے گئے تو آپ کی تباہی یقینی ہے۔ قتیبہ نے کہا اگر ایسا ہے تو میں خود اپنے ہاتھ سے ان کو جلاؤں گا۔ چنانچہ خود اپنے ہاتھ سے ان میں آگ لگائی لیکن جب اس کا کوئی برا نتیجہ ظاہر نہ ہوا تو بہت سے ترک بت پرستی سے بدعقیدہ ہو کر مسلمان ہو گئے۔ [۱]

عربوں نے خلفائے راشدین اور صحابہ کرام کے زمانہ میں دوران جنگ کے اتفاقی واقعات کو چھوڑ کر جن قوموں سے معاہدہ کیا یا صلح کی ان کی عبادت گاہوں کو ٹھیس بھی لگنے نہ دی۔ ایران کے آتش کدے ویسے ہی روشن رہے۔ فلسطین و شام اور مصر و عراق کے گرجے جو بتوں اور مجسموں سے پٹے پڑے تھے ویسے ہی ناقوسوں کی آوازوں سے گونجتے رہے حالانکہ یہ نومسلم ترک فاتح ان سے زیادہ دین و مذہب کے پرجوش غازی اور شریعت کے سچے پیروکار نہ تھے اور نہ ہو سکتے تھے۔

عرب اگر غیر مسلموں سے جزیہ لیتے تھے تو اس کے علاوہ کوئی اور محصول پیداوار کے خراج کے سوا ان سے نہیں وصول کرتے تھے لیکن ترک' افغان اور مغل جو دینداری کے جذبہ میں آ کر غیر مسلم رعایا سے جزیہ وصول کرتے تھے وہ اس کے ساتھ اس سے دہ چند دوسرے محصول اور ٹیکس اپنی مسلمان اور غیر مسلمان رعایا سے لیتے تھے لیکن اسلام کے اصول سلطنت میں جس کو عربوں نے قائم رکھا اور جس پر وہ مدت تک عمل پیرا رہے صرف دو ہی قسم کے محصول تھے' مسلمانوں سے زکوٰۃ اور عشر (پیداوار کا دسواں) اور غیر مسلمانوں سے جزیہ اور خراج۔

۱- یہ مفصل واقعہ تاریخ طبری ج ۸ ص ۱۲۴۶ (لیڈن) اور کامل ابن اثیر ج ۴ ص ۴۰۴ (لیڈن) میں ہے اور اخیر ٹکڑا فتوح البلدان بقدری (لیڈں) ص ۴۲۱ میں ہے۔

اصل یہ ہے کہ اسلام نے دنیا کی تمام قوموں کو چار حصوں میں تقسیم کیا تھا (۱) مسلمان، (۲) اہل کتاب، (یعنی وہ قومیں جو کسی ایسی آسمانی تعلیم کی پیرو ہیں جس کا ذکر قرآن میں ہے) (۳) مشابہ اہل کتاب (یعنی وہ قومیں جو کسی آسمانی تعلیم کی پیروی کی مدعی تو ہیں مگر قرآں میں ان کا نام نہیں آیا ہے اس لئے ان کے اہل کتاب ہونے کا یقین نہیں مگر گمان ضرور ہے) اور (۴) کفار۔ یہ وہ قومیں ہیں جو کسی آسمانی تعلیم کی پیرو نہیں۔ اسلام نے اپنی اسلامی حکومت میں مسلمانوں کا درجہ قومیت اور وطنیت کے امتیاز کے بغیر تمام حقوق میں یکساں قرار دیا ہے۔ اہل کتاب کے لئے یہ ہے کہ جزیہ ادا کرنے کے بعد وہ تمام حقوق میں مسلمانوں کے برابر ہیں ان کا ذبح کیا ہوا جانور کھایا جا سکتا ہے۔ ان کی لڑکیوں سے مسلمان نکاح کر سکتے ہیں ان کے جان و مال و مذہب اور عبادت گاہوں کی حفاظت کی سلطنت ذمہ دار ہے۔ مشابہ اہل کتاب بھی سوا اس کے کہ مسلمان ان کا ذبیحہ نہ کھائیں گے اور نہ ان کی لڑکیوں سے نکاح کر سکتے ہیں اور تمام ملکی حقوق میں وہ اہل کتاب بلکہ خود مسلمانوں کے برابر ہیں۔ اس بنا پر جب کسی غیر قوم میں اسلام کی سلطنت قائم ہو تو سب سے پہلا فرض یہ ہے کہ یہ دیکھا جائے کہ وہ قوم ان چار قسموں میں سے کس قسم کے اندر ہے مگر افسوس ہے کہ اس کا فیصلہ خیبر والی قومیں اخیر تک نہ کر سکیں۔ ایک طرف تو ان کو ہندوؤں سے جزیہ لینے پر اصرار تھا جو صرف اہل کتاب اور مشابہ اہل کتاب سے قبول کیا جا سکتا ہے اور دوسری طرف ان کے معبدوں اور ان کے مراسم کی حفاظت کا وعدہ نہیں کیا جاتا جو جزیہ لینے کے بعد ضروری ہے۔ انتہا یہ ہے کہ سلطان علاؤالدین خلجی (سنہ ۶۹۶ھ) تک یہ فیصلہ نہ ہو سکا تھا کہ ہندوؤں کا شمار کس طبقہ میں ہے [۱] اور یہ ساری ابتری اسی ذو عملی کا نتیجہ تھی لیکن عربوں نے سندھ میں قدم رکھنے کے ساتھ ایک منٹ بھی اس کے فیصلہ میں توقف نہیں کیا کہ ان اقسام میں سے ہندوؤں کا مرتبہ اسلامی حکومت میں کیا ہے؟

عرب فاتحوں کے نزدیک ہندو مشابہ اہل کتاب ہے

سندھ کو فتح کرتے ہوئے جب عرب سپہ سالار محمد بن قاسم سندھ کے مشہور شہر الرود (الور) پہنچا تو شہر والوں نے کئی مہینہ تک حملہ آوروں کا پرزور مقابلہ کیا پھر صلح کی اور اس میں دو

۱- تاریخ فیروز شاہی ضیائے برنی ص ۲۹۰،۲۹۱ (کلکتہ) و تاریخ فرشتہ ص ۱۱۰ (نولکشور)

شرطیں پیش کیں، اول یہ کہ ''شہر کا کوئی آدمی قتل نہ کیا جائے دوسرے یہ کہ ان کے بتخانوں سے کوئی تعرض نہ کیا جائے''۔ محمد بن قاسم نے جس وقت ان شرطوں کو قبول کیا تو یہ الفاظ کہے۔

ماالبدالاککنائس النصاری والیہود و بیوت
نیران المجوس (بلاذری ص ۴۳۹)

ترجمہ: ہندوستان کا بتخانہ بھی عیسائیوں اور یہودیوں کی عبادتگاہوں اور مجوس کے آتشکدوں ہی کی طرح ہے۔

سندھ کی سب سے قدیم عربی تاریخ کے فارسی ترجمہ چچ نامہ میں یہ واقعہ اس طرح مذکور ہے۔

''محمد بن قاسم نے برہمن آباد (سندھ) کے لوگوں کی درخواست قبول کی اور ان کو اجازت دی کہ سندھ کی اس اسلامی سلطنت میں اسی حیثیت میں رہیں جس حیثیت میں عراق اور شام کے یہودی عیسائی اور پارسی رہتے ہیں''۔ [1]

ایک عرب فاتح کی زبان کی یہ وہ اہم تصریح ہے کہ اس نے ہندوؤں کو وہی حیثیت دی جو بظن غالب کسی آسمانی تعلیم کے پیرووں کی اسلامی قانون میں ہے اور ان کے بت خانوں کو بھی وہی درجہ دیا جو اہل کتاب یا مشابہ اہل کتاب کے معبدوں اور عبادت گاہوں کا اسلام میں ہے۔ سندھ کے فتوحات کی تاریخوں سے پتہ چلتا ہے کہ عرب فاتحوں نے اپنے شرائط کا پوری طرح لحاظ رکھا۔ ایک بودھ مت کے پیرو نے ایک موقع پر ایک ہندو راجہ کو مشورہ دیا۔

''ہم کو اچھی طرح معلوم ہے کہ محمد قاسم کے پاس حجاج کا فرمان ہے۔

کہ جو اماں چاہے اس کو اماں دو اس لئے ہم کو یقین ہے کہ آپ اس کو مناسب سمجھیں گے کہ ہم اس سے صلح کر لیں کیونکہ عرب ایماندار اور اپنے معاہدوں کے پابند ہیں'' [2]

دیبل سندھ کا پہلا مقام جہاں عربوں نے حملہ کیا وہاں سب سے بلند عمارت بودھوں کا بت خانہ تھا۔ محمد قاسم نے قلعہ والوں کو شہر کا دروازہ کھولنے پر مجبور کرنے کے لئے بت خانہ کے بلند منارہ پر جو سب سے اونچا اور باہر سے نظر آتا تھا توپ کا گولہ پھینکا لیکن جب شہر کا

۱- چچ نامہ تاریخ الیت جلد اول ص ۱۸۶
۲- چچ نامہ الیت جلد اول ص ۱۵۹

پھاٹک کھل گیا تو اس بتخانہ کو برباد نہیں کیا۔ چنانچہ بودھوں کے فنا ہو جانے کے بعد بھی تیسری صدی ہجری تک یہ عمارت موجود تھی۔ خلیفہ معتصم (سنہ ۲۱۸۔۲۲۷ھ) کے زمانہ میں اس کا ایک حصہ جیل خانے کے کام میں لایا گیا۔[۱] محمد قاسم نے خود اس شہر میں اپنی مسجد الگ بنائی[۲] اسی طرح جب نیروں فتح کیا تو مندر کے سامنے اپنی مسجد الگ قائم کی۔[۳]

ملتان کا بت خانہ

اسی طرح ملتان کا عظیم الشان بت خانہ شہر کے فتح ہونے کے بعد بھی صحیح وسالم رہا بلکہ عربوں کی تین سو برس کی حکومت میں بھی وہ بعینہ قائم رہا اور تین صدیوں تک برابر وہ عرب سیاحوں کی دلچسپیوں کا مرکز رہا۔ اخیر شخص جس نے اس کا حال بیان کیا ہے (بشاری) وہ سنہ ۳۷۵ھ کے قریب میں اس کو دیکھ گیا ہے۔ اہل عرب نے اس بتخانہ کے وجود سے سیاسی اور مالی دونوں فائدے اٹھائے۔ سیاسی یہ کہ جب کوئی راجہ ملتان پر حملہ کی تیاری کرتا تو عرب امیر اس کو یہ کہہ کر ڈرا دیتا کہ اگر تم نے ادھر کا قصد کیا تو ہم اس مندر کو خاک میں ملا دیں گے۔ یہ سن کر حملہ آور رک جاتے اور مالی فائدہ یہ اٹھایا کہ تمام ہندوستان سے لوگ اس مندر کے جاترے کو آتے تھے اور وہاں جا کر نذر پیش کیا کرتے تھے۔ عرب امیر اس رقم کو خزانہ میں داخل کرتے تھے اور اسی سے اس مندر کے مصارف اور یہاں کے پجاریوں کی تنخواہیں ادا کرتے تھے۔[۴]

عرب سیاحوں نے ملتان کے اس بت خانہ کی پوری کیفیت بیان کی ہے۔ اس مندر میں افراط سے سونا چاندی تھی۔ دو دو سو اشرفیوں کا عود یہاں جلانے کو بھیجتے تھے جن کو پجاری عرب تاجروں کے ہاتھ بیچ ڈالتے تھے[۵] یہ مجسمہ خود بھی اتنا ہی قیمتی تھا۔ اس کی دونوں آنکھوں کی جگہ پر بیش قیمت پتھر جڑے تھے سر پر سونے کا تاج تھا[۶] الغرض سنہ ۳۷۵ھ کے

۱- بلاذری ص ۴۳۷
۲- ایضاً
۳- چچ نامہ الیٹ ص ۱۵۸
۴- معجم البلدان یاقوت بحوالہ اصطخری جلد ۸ ص ۲۰۱ (مصر)
۵- سفرنامہ ابوزید سیرافی ص ۱۳۰
۶- سفرنامہ بشاری مقدسی معروف بہ احسن التقاسیم ص ۴۸۳ (لیڈن)

قریب تک بت خانہ عرب امیروں کے زیر حکومت قائم و باقی بلکہ پوری رونق پر تھا مگر جب ابو ریحان بیرونی سنہ ۴۰۰ ھ کے بعد یہاں آیا ہے تو اس نے اس کو بتخانہ کے بجائے جامع مسجد پایا۔ اس تغیر کی وجہ اس نے یہ لکھی ہے۔

''محمد بن قاسم نے جب ملتان فتح کیا تو اس کی آبادی اور دولت مندی کا سبب اسی بت خانہ کو پایا۔ تو اس نے اس کو اپنی حالت پر چھوڑ دیا اور اس کے گلے میں گائے کی ہڈی (۱) باندھ کر یہ ثابت کیا کہ وہ اس کو کسی عقیدت کی وجہ سے نہیں چھوڑ رہا ہے اور اس نے مسلمانوں کے لئے جامع مسجد الگ بنائی پھر جب ملتان پر قرمطی لوگ (شیعہ مسلمانوں کا ایک گمراہ فرقہ) حکمران ہو گئے تو جلم بن شیبان نے اس بت خانہ کو توڑ دیا اور پجاریوں کو قتل کر دیا اس کی عمارت کو جو اینٹ کی تھی اور اونچی جگہ پر تھی جامع مسجد بنا دیا اور پہلی (محمد بن قاسم والی) جامع مسجد میں قفل لگا دیا کہ وہ بنی امیہ کی یادگار تھی اور ان سے ان کو دشمنی تھی۔ پھر جب سلطان محمود نے ملتان فتح کر کے قرمطیوں کو مٹا دیا تو جامع مسجد کو بلند کر کے پھر (محمد بن قاسم والی) اصلی جامع مسجد کھلوا دیا اور اب وہ بت خانہ کی جگہ صرف میدان ہے'' (۲)

اسی سلسلے میں بلاذری نے جو تیسری صدی کے اخیر میں تھا یہ عجیب بات لکھی ہے کہ لوگ اس بت کو حضرت ایوب کا مجسمہ گمان کرتے تھے۔ (صفحہ ۴۴)

حقوق اور اعزاز

سندھ کے فتح ہونے کے بعد برہمنوں کا ایک وفد محمد قاسم کے پاس آیا۔ محمد قاسم نے اس کی عزت کی برہمنوں نے اس کے سامنے اپنا یہ مطالبہ پیش کیا کہ ہندو دستور کے مطابق ہمارا قومی درجہ دوسری ذاتوں سے اونچا رکھا جائے۔ محمد قاسم نے تحقیق کے بعد ان کے اس مطالبہ کو منظور کیا اور ان کو تمام عہدوں پر سرفراز کیا۔ برہمنوں نے اس کا خاص شکریہ ادا کیا اور گاؤں گاؤں پھر کر اپنے حاکموں کے گن گائے اور جو ان کو حقوق ملے تھے اس کی ہر جگہ جا کر تعریفیں کیں۔ (۳)

۱۔ یہ واقعہ فتوحات سندھ کی کتابوں میں کہیں مذکور نہیں۔ معلوم نہیں بیرونی نے کہاں سے لیا۔

۲۔ کتاب الہند بیرونی ص ۵۶

۳۔ چچ نامہ الیت ص ۱۸۲۔۱۸۴

جزیہ

عرب امیر نے تمام اعلان کرادیا کہ جو چاہے مسلمان ہوکر ہمارا بھائی بن جائے اور جو چاہے جزیہ دے کر اپنے مذہب پر قائم رہے۔ چنانچہ بعضوں نے اسلام قبول کرلیا اور بعض اپنے پرانے مذہب پر قائم رہے۔

چچ نامہ میں ہے۔

''ان میں جو مسلمان ہو گئے تھے وہ غلامی اور جزیہ وغیرہ سے آزاد رہے اور جو اپنے مذہب پر قائم رہے ان کے تین درجے قائم کئے گئے۔ اعلیٰ طبقہ یعنی دولت مندوں سے ۴۸ درہم، متوسط لوگوں سے ۲۴ درہم اور نیچے طبقہ سے ۱۲ درہم لئے گئے۔ جن لوگوں نے اسلام قبول کرلیا وہ اس سے معاف کئے گئے اور جو لوگ اپنے آبائی مذہب پر قائم رہے۔ انہوں نے جزیہ دیا لیکن ان کی زمینیں اور جائیدادیں ان سے نہیں لی گئیں بلکہ علی حالہا انہیں کے قبضہ میں رہنے دی گئیں۔ [1]

موجودہ حساب سے ایک درہم زیادہ سے زیادہ ساڑھے تین آنہ کے برابر ہے۔ اس لحاظ سے یہ محصول دولت مندوں سے دس روپے، متوسطوں سے پانچ روپے اور غریبوں سے ڈھائی روپے سالانہ کے حساب سے وصول ہوا ہوگا اور حسب قاعدہ عورتیں، بچے، بوڑھے، مذہبی عہدہ دار اور پجاری اور معذور لوگ جو کماتے نہیں اس سے مستثنیٰ رہے ہوں گے اور مسلمانوں سے جزیہ کے بجائے اڑھائی روپیہ سینکڑہ زکوٰۃ اور زمین کی پیداوار میں مسلمانوں سے دسواں حصہ اور غیر مسلمان سے مقررہ خراج وصول کیا ہوگا۔ اس کے علاوہ اہل عرب کی سلطنت میں کوئی اور نقص نہ تھا۔

ہندو اور مسجد

عربوں کی اس رواداری کا اثر ہندوؤں پر بہت اچھا پڑا۔ چنانچہ دوسری صدی ہجری میں ایک مقام پر سے جب عربوں کی حکومت اٹھ گئی اور ہندو قابض ہو گئے تو انہوں نے مسلمانوں کی مسجد کو ہاتھ نہیں لگایا۔ مسلمان اس میں برابر نماز پڑھتے، جمعہ ادا کرتے اور جمعہ میں بدستور اپنے خلیفہ کا نام لیتے رہے۔ (۲)

۱- چچ نامہ الیت ص ۱۸۲

۲- فتوح البلدان بلاذری ص ۴۴۶ (لیڈن)

اس کے علاوہ چوتھی صدی ہجری کے عرب سیاح اصطخری اور ابن حوقل بیان کرتے ہیں کہ کھمبایت سے چیمور تک کے علاقے گو مختلف راجاؤں کی عملداری میں ہیں مگر ہر شہر میں ہر جگہ مسلمان آباد ہیں اور ان کی مسجدیں ہیں جہاں مسلمان باجماعت نماز پڑھتے ہیں۔ ہندو راجاؤں کے عہد میں شہر کھمبایت کی جامع مسجد کے ٹوٹنے اور بننے کا دلچسپ قصہ آگے آتا ہے۔

ہندو مذہب کی تحقیقات

اس باہمی میل جول کا اثر یہ ہوا کہ عربوں کو ہندوؤں کے مذاہب کی تحقیقات کا شوق پیدا ہوا چنانچہ یحییٰ برمکی نے جس کی وزارت کا زمانہ سنہ ۱۷۰ھ سے سنہ ۱۹۰ھ تک ہے ایک شخص کو ہندوستان خاص طور سے اس لئے بھیجا کہ وہ یہاں کی دوائیں اور یہاں کے مذہبوں کا حال لکھ کر لائے۔ اس وقت بغداد کا یہ عالم تھا کہ دنیا کے تمام مذہبوں اور عقیدوں کا وہ اکھاڑہ بنا ہوا تھا۔ عباسی خلفاء اور ان کے بعض فلسفہ پسند امراء کے دربار مذہبی مجلسوں اور مناظروں سے گرم رہتے تھے اور دن اور وقت مقرر تھے جن میں ایسی مجلسیں منعقد ہوتی تھیں اور ہر مذہب والے کو اجازت تھی کہ وہ اپنے مذہب کی دلیلیں پیش کرے اور اسلام پر اعتراضات کرے اور جوابات سنے۔ ان مجلسوں اور مناظروں میں مسلمان متکلمین سب سے پیش پیش رہتے تھے اور برامکہ کا خاندان خاص طور سے ان لوگوں کی سرپرستی کرتا تھا۔ عجب نہیں کہ اسی وجہ سے یہ ضرورت پیش آئی ہو کہ ہندوستان کے مذہبوں سے بھی واقفیت حاصل کی جائے۔

جو شخص اس غرض سے ہندوستان بھیجا گیا تھا اس کی بعینہ روداد غالباً محفوظ نہیں ہے مگر ابن ندیم جس نے اپنی کتاب اس واقعہ کے ۷۰، ۸۰ برس بعد لکھی ہے۔ وہ ایک تحریر کا حوالہ دیتا ہے جو مشہور عرب فلاسفر یعقوب بن اسحاق کندی کے ہاتھ کی لکھی تھی اور اس پر سنہ ۲۴۹ھ کی تاریخ پڑی ہوئی تھی۔ اس میں یحییٰ برمکی کے ایک شخص کو ہندوستان کے مذاہب کی تحقیق کی غرض سے ہندوستان بھیجے جانے کی خبر درج تھی اور اس پر ''ہندوستان کے مذاہب اور اعتقادات'' کا سفرنامہ اور اس کے نیچے مختصر حالات لکھے ہوئے تھے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاید یہ اسی شخص کی روداد کا خلاصہ ہے۔

اس تحریر میں پہلے گجرات کے راجہ ولبھ رائے کے دارالسلطنۃ مہانگر کے بت خانہ کا

حال لکھا ہے کہ اس میں سونے، چاندی، لوہے، پیتل، ہاتھی دانت اور ہر قسم کے بیش قیمت پتھروں اور جواہرات کے بیس ہزار بت ہیں اور اس میں سونے کا ایک بت بارہ ہاتھ اونچا ہے اور وہ سونے کے تخت پر بیٹھا ہے۔ یہ تخت ایک سونے کے گنبد نما کمرے میں ہے۔ یہ کمرہ سپید موتیوں اور سرخ سبز، زرد اور آسمانی رنگ کے جواہرات سے مرصع ہے۔ سال میں ایک دفعہ اس کا میلہ ہوتا ہے۔ راجہ خود پیادہ وہاں جاتا اور آتا ہے۔ اس کے آگے سال میں ایک دن قربانی کی جاتی ہے اور لوگ اپنی جان بھی اس پر قربان کرتے ہیں پھر مولستان (ملتان) کے بت کا حال لکھا ہے پھر دوسرے بتوں کا احوال ہے۔ اسکے بعد ہندوستان کے چند فرقوں اور ان کے بتوں کا حال بیان کیا ہے۔

۱- سب سے پہلے فرقہ کا نام مہا کالیہ بتایا ہے جو مہا کالی کو پوجتے ہیں جس کے چار ہاتھ ہوتے ہیں آسمانی رنگ ہوتا ہے سر پر بہت بال ہوتے ہیں دانت نکلے ہوتے ہیں۔ پیٹ کھلا ہوتا ہے، پیٹھ پر ہاتھی کی کھال پڑی ہوتی ہے جس سے خون کے قطرے ٹپکتے ہیں۔ ایک ہاتھ میں اژدھا، دوسرے میں ڈنڈا، تیسرے میں ایک انسان کا سر، چوتھا ہاتھ اوپر اٹھا ہوا۔ اس کے دونوں کانوں میں دو سانپ اور اس کے بدن میں دو اژدھے لپٹے ہوئے سر پر کھوپڑیوں کی ہڈیوں کا تاج اور انہیں ہڈیوں کا گلے میں مالا۔

۲- دوسرا فرقہ الدنیکتیہ، الادیتکتیہ (ادت بھگتی) یعنی سورج (ادت) پوجنے والے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ ایک گاڑی ہے جس میں چار گھوڑے جتے ہیں اس کے اوپر ایک بت ہے۔ وہ اس کو سجدہ کرتے ہیں اس کے گرد گھومتے ہیں بخور جلاتے ہیں باجہ بجاتے ہیں اس پر بہت سی جائیدادیں وقف ہیں، بہت سے پجاری ہیں جو اس بت خانہ اور جائیداد کا انتظام کرتے ہیں، بیمار ہر طرف سے یہاں آتے ہیں اور اپنے خیال میں وہ یہاں سے اچھے ہو کر جاتے ہیں۔

۳- تیسرا جندر بھکتیہ (چندر بھگتی) یہ چاند کے پجاری ہیں اس کے بت کی گاڑی چار بطون پر چلتی ہے بت کے ہاتھ ایک بہت بڑا لال ہوتا ہے جس کو چند دیت کہتے ہیں۔ چودھویں رات کو جو چاند کے پورے کمال پر پہنچنے کا وقت ہے برت رکھتے ہیں اور اس رات کو اس کی پوجا کرتے ہیں اور کھانا، شراب اور دودھ اس دیوتا کے پاس لاتے ہیں۔ چاند کی پہلی اور چودھویں کو چھتوں پر چڑھ کر اس کو دیکھتے ہیں اور منتر اور دعا پڑھتے ہیں۔

۴- چوتھا فرقہ بکرنتیہ [1] نام ہے جو اپنے کو زنجیروں میں جکڑے رہتے ہیں۔ سر اور داڑھی کے بال منڈاتے ہیں۔ ایک لنگوٹی کے سوا تمام بدن ننگا رکھتے ہیں جو ان کے فرقہ میں آتا ہے اس کو کہتے ہیں پہلے سب کچھ دان کر دو۔

۵- پانچواں فرقہ گنگایاترہ (گنگا جاتری) اس عقیدہ کے لوگ تمام ہندوستان میں پھیلے ہیں۔ ان کے ہاں یہ ہے کہ جو گناہ بھی اشنان کرے گنگا آ کر اشنان کرنے سے وہ سب دھل جاتا ہے۔

۶- چھٹے راجپوتیہ (راجپوت) ہیں جن کا دھرم راجاؤں کی مدد ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ راجہ کے لئے کام آ جانا بھکتی ہے۔

۷- ایک اور فرقہ ہے جو اپنے بال بڑھاتا ہے اور ان کو بٹ کر چہروں پر جٹا بنا کر ڈالتا ہے۔ ہر طرف بال بکھرے ہوتے ہیں وہ شراب نہیں پیتے۔ ایک پہاڑ پر جاترے کو جاتے ہیں عورتوں کو دیکھ کر بھاگتے ہیں' آبادی میں نہیں آتے۔ [2]

ابن ندیم کے ہم عصر یا قریب زمانہ (سنہ ۳۷۵ھ) کے بیت المقدس کے ایک عرب متکلم مطہر [3] کی کتاب البدء والتاریخ کا بیان زیادہ مفصل ہے۔

''ہندوستان میں نو سو فرقے ہیں لیکن ان میں صرف ننانوے کا حال معلوم ہے اور یہ سب پینتالیس مذہب کے اندر ہیں اور یہ بھی چار اصول کے اندر محدود ہیں اور ان کی اصل موٹی تقسیم دو ہے۔ سمنی (بودھ) اور برہمنی' سمنی یا تو خدا کے قائل نہیں یا ایسے خدا کے جو بے اختیار ہے۔ برہمنی مذہب والوں میں تین فرقہ ہیں۔ ایک توحید اور سزا اور جزا کا قائل ہے مگر رسالت کا نہیں۔ دوسرا تناسخ کے اصول پر جزا و سزا کو مانتا ہے لیکن نہ توحید کا قائل ہے اور نہ رسالت کا'' [4]

۱- اس لفظ کی اصلیت اور اس فرقہ کا کچھ حال آگے آئے گا۔ زیر لفظ ''بھکشو'' دوسری کتابوں میں بکرنتیجہ کی جگہ دے کرجین کا لفظ ہے۔ بزرگ بن شہریار نے ان کا نام بیکور بتایا ہے (ص ۱۵۵- بیرونی نے ان کو مہادیر کے پجاری کہا ہے کہ دیکھو کتاب الہند ص ۵۸

۲- کتاب الفہرست ابن ندیم ص ۳۴۵-۳۴۹

۳- حاجی خلیفہ نے اس کتاب کا مصنف ابو زید احمد بن سہل بلخی کو قرار دیا ہے۔ پیرس اڈیشن کے اڈیٹر نے چند جلدوں پر تو بلخی کا نام لکھا ہے پھر گزشتہ بیان کی تصحیح کر کے مطہر بن طاہر نام لکھا ہے۔

۴- جلد ۴ ص ۹-۱۹ (پیرس) تیسرے فرقہ کا ذکر چھوٹ گیا ہے۔

اس کے بعد مصنف نے اہل ہند کی علمی حیثیت کا مختصر بیان کیا ہے پھر مقدمات میں دعوؤں کی شہادت کے ان پرانے طریقوں کا ذکر کیا ہے جو پرانے ہندوستان میں جاری تھے مثلاً گرم لوہے کو چھولینا وغیرہ۔ اس کے بعد کہتا ہے۔

> ''مسلمان ان کے نزدیک ناپاک ہیں' وہ ان کو اور جس چیز کو وہ چھودیں اس کو نہیں چھوتے اور گائے ان کے نزدیک ماں کی طرح معزز و محترم ہے اس کی جان لینے کی سزا ان کے یہاں قتل ہے اور غیر عورت سے ہم بستری کرنا' بے بیوی والوں کے لئے ان کے ہاں جائز ہے تا کہ نسل کم نہ ہو [1] اور بیوی والا اگر برا کام کرے تو اس کی سزا قتل ہے اور جب ان میں سے کوئی مسلمانوں کے ہاتھ پڑ کر پھر ان کے یہاں واپس جاتا ہے تو اس کو مارتے نہیں بلکہ اس کے بدن کے تمام بال مونڈ کر اس کو پراشچت کرتے ہیں (اور اس کا وہی طریقہ لکھا ہے جو اب بھی ہندوستان میں جاری ہے یعنی گائے کی چند چیزوں کو ملا کر پلانا) قرابت میں وہ نکاح نہیں کرتے۔ برہمنوں کے نزدیک شراب حرام ہے اور ذبیحہ بھی''۔

اس کے بعد ہندو دیوتاؤں اور ان کی مختلف پوجا کرنے والوں کی تفصیل دی ہے اور ہر دیوتا کی صورت بتائی ہے پھر مہادیوٗ کالی اور مہا کالی' اور لنگ پوجا وغیرہ کا حال لکھا ہے اور اس کے بعد دو نئے فرقوں کا ذکر کیا ہے جن میں سے ایک کا نام جل بھکتیہ (جل بھگت) ہے جو پانی کی پوجا کرتے ہیں اور دوسرے کا نام اگنی ھوطریہ (اگنی ھوتری) بتایا ہے جو آگ کی پوجا کرتے ہیں۔ رشیوں کا ذکر کیا ہے اور بتایا ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو مراقبہ اور دھیان کر کے اپنے ظاہری حواس کو بے کار کر لیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ جس قدر وہ مادیت سے الگ ہوں گے اتنی ہی روحانیت ان میں پیدا ہوگی۔ یہ ہمیشہ اپنی آنکھیں بند رکھتے ہیں۔ اخیر میں جوگیوں کا اور اپنی جان بلدان دینے والوں کا حال لکھا ہے۔

برہمنوں کے متعلق لکھا ہے کہ ''یہ گائے پوجتے ہیں اور گنگا سے پار جانا حرام سمجھتے ہیں اور کسی دوسرے کو اپنے دھرم میں لینا ان کے یہاں جائز نہیں''۔ اخیر میں یہ مصنف کہتا ہے۔

> ''قیامت اور رسالت پر ان میں سے جس کا یقین نہیں وہ بھی جزا و سزا کو

۱- شاید نیرگ کے مسئلہ کا بیان ہو۔

اوا گون اور تناسخ کی صورت میں مانتا ہے اور بت پرستی کا عذر یہ بیان کرتے
ہیں کہ اللہ تعالیٰ تو ادراک، علم اور حس، ہر ایک سے اوپر ہے اور حواس کی
گرفت سے باہر ہے اسی لئے ایک درمیانی واسطہ کی ضرورت ہے۔"

اس کے بعد مذاہب عالم کے مشہور محقق عبدالکریم شہرستانی کا نام آتا ہے جس کا زمانہ سنہ ۴۶۹ھ سے سنہ ۵۴۹ھ تک ہے۔ اس نے مطہر مقدسی کے بیان کو زیادہ تفصیل سے نقل کیا ہے اور ایک نئے فرقہ برگسبکیہ (برکش بھکت) کا ذکر کیا ہے جو درختوں کی پوجا کرتا ہے۔ [1]

ابو ریحان بیرونی نے کتاب الہند کے گیارھویں باب میں ہندوون کے تمام مذاہب بیان کئے ہیں اور اس میں سب دیوتاؤں کی صورتیں اور کیفیتیں لکھی ہیں اور خود بت پرستی یا مورتی پوجا کے فلسفہ پر بحث کی ہے اور لکھا ہے کہ "یہ مورتی پوجا صرف ہندوستان کے عوام اور جاہلوں کا دھرم ہے ورنہ پڑھے لکھے ہندو ایسا نہیں سمجھتے"۔ پھر گیتا کے چند فقرے نقل کئے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ "بہت سے لوگ مجھ کو چھوڑ کر دوسروں کو پوجتے ہیں تو میں ان سے بے پرواہوں"۔ پھر کرشن جی کی ایک تقریر نقل کی ہے جس میں ارجن کو خطاب کر کے چاند اور سورج وغیرہ کی پوجا کرنے والوں سے اپنی بیزاری ظاہر کی ہے۔

اس کے بعد سات سمندر پار اسپین کے ملک کے رہنے والے ایک عرب مصنف قاضی صاعد (المتوفی سنہ ۴۶۲ھ۔سنہ ۱۰۷۰ع) کا "ایمان بالغیب" ملاحظہ ہو۔ وہ اپنی کتاب طبقات الامم میں جس میں تمام دنیا کی متمدن قوموں کے علوم کی تاریخ بیان کی ہے، لکھتے ہیں۔

"ہندو قوم تمام قوموں کے نزدیک ہر زمانہ میں حکمت کی کان اور دانائی اور
عقلمندی کا سرچشمہ رہی ہے...... ان کا علم الٰہی اللہ تعالیٰ کی توحید اور شرک
سے پاکی ہے ان کے مختلف فرقے ہیں بعض برہمن ہیں۔ بعض ستارہ
پرست ہیں۔ بعض عالم کے حدوث اور بعض اس کی ازلیت کے قائل ہیں۔
نبوت و رسالت نہیں مانتے اور حیوانات کو ذبح کرنا اور ان کو تکلیف دینا برا
سمجھتے ہیں (اس کے بعد مصنف نے اسپین سے ہندوستان کی دوری کا عذر
کر کے اس کے زیادہ حالات نہ جاننے پر افسوس کیا ہے اور ہندوستان سے
عربی کے ذریعہ اسپین تک جو علوم وفنون اور مسائل پہنچے ہیں ان کی تفصیل

۱۔ ملل ونحل جلد دوم، اخیر باب

کی ہے''۔(۱)

عرب سیاحوں نے ہندوستان کے جو مذہبی حالات بیان کئے ہیں ان میں زیادہ تر ملتان اور سندھ کے بعض بتخانوں کی کیفیت ہے مثلاً یہ کہ ملتان کا مشہور بت لکڑی کا تھا۔ اس کے جسم پر سرخ کھال لپٹی تھی۔ اس کی دو آنکھوں کی جگہ پر دو لال تھے اور سر پر سونے کا تاج تھا(۲)۔ بیرونی نے بتایا ہے کہ یہ سورج دیوتا کی مورتی تھی اور اسی لئے اس کا نام ادت (سورج) تھا۔(۳)

دوسری چیز جس کا ان عرب سیاحوں نے بڑی کراہت کے ساتھ ذکر کیا ہے وہ ان مندروں کا حال ہے جن میں دیوداسیوں کے رکھنے کا دستور تھا۔ اس قسم کے مندروں کا ذکر جنوبی ہند کے سیاحوں نے زیادہ کیا ہے(۴) مگر مقدسی جو سنہ ۳۷۵ھ میں ہندوستان آیا تھا اس قسم کے مندر کا سندھ میں بھی ذکر کرتا ہے۔(۵)

تیسری چیز جس کا ان سیاحوں نے بکثرت ذکر کیا ہے وہ اپنی جان بلدان کرنے والوں کا ذکر ہے اور ایسا ایسا حال لکھا ہے جس کو سن کر بدن کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ گنگا میں ڈوب کر جان دینا تو معمولی ہے، ستی ہونے والی عورتوں کا ذکر بھی اس کے مقابلہ میں کم درجہ ہے۔

ابوزید سیرافی کہتا ہے کہ ''ان لوگوں کو تناسخ اور آواگون پر اتنا یقین ہے کہ اپنے کو آگ میں زندہ جلا دینا معمولی بات ہے۔ کوئی جب اپنے کو جلانا چاہتا ہے تو راجہ سے اجازت لیتا ہے پھر بازاروں میں پھرتا ہے۔ دوسری طرف آگ خوب بھڑکائی جاتی ہے اور جھانجھ بجائی جاتی ہے اس کے رشتہ دار، اس کے چاروں طرف جمع رہتے ہیں۔ پھر پھولوں کا ایک تاج بنا کر جس میں شعلے دہکتے ہیں اس کے سر پر رکھتے ہیں۔ سر کی کھال جلنی شروع ہوتی ہے اور وہ اسی طرح کھڑا رہتا ہے اور آہستہ آہستہ جل کر چتا میں کود پڑتا ہے'' ایک اور منظر یہ ہے کہ ایک شخص خنجر سے خود اپنا سینہ آپ چاک کر کے ہاتھ ڈال کر اپنا دل اندر سے نکال لیتا ہے اور یہ تمام کام پورے اطمینان کے ساتھ ادا کرتا ہے۔(۶)

۱- طبقات الامم ص ۱۱۔۱۵ (بیروت)
۲- دیکھو احسن التقاسیم مقدسی ص ۴۸۳، آثار البلاد قزوینی ص ۸۱ وغیرہ کتب جغرافیہ
۳- کتاب الہند ص ۵۶ (لنڈن)
۴- سفرنامہ سلیمان تاجر و ابوزید سیرافی ص ۱۳۰ (پیرس)
۵- احسن التقاسیم ص ۴۸۳
۶- سفرنامہ ابوزید صفحہ ۱۱۵۔۱۱۸

سب سے دردناک منظر کا نقشہ ابن الفقیہ نے کھینچا ہے کہ "ملتان کے ایک مندر میں ایک شخص آیا جو اپنے سر اور انگلیوں پر تیل میں بھیگی ہوئی روئی لپیٹے ہوئے تھا وہاں آ کر اس نے ان میں آگ لگا دی۔ یہ بتیاں بھی جلتی ہوئی اس کے بدن تک پہنچ گئیں اور وہ اسی اطمینان اور سنجیدگی کے ساتھ جل کر خاک ہو گیا"(۱)

برہمن اور سمنی، ابراہیم اور خضر

مطہر مقدسی (سنہ ۳۴۵ھ) نے تمام ہندو فرقوں کو دو حصوں میں منقسم کیا ہے۔ ایک کا نام برھمنیہ اور دوسرے کا نام سمنیہ بتایا ہے لیکن عجیب بات یہ ہے کہ بعض عرب مصنفوں کو لفظ برہمن کی مشابہت سے اتنا حسن ظن پیدا ہوا کہ انہوں نے یہ فرض کر لیا کہ برہمن درحقیقت ابراہیم کے پیرو ہیں اس لئے ان کو برہمن کہتے ہیں لیکن شہرستانی نے اس غلطی کو دور کیا اور بتایا کہ یہ برہم کی طرف نسبت ہے۔ ابراہیم کی طرف نہیں۔ برہمنوں کا حریف فریق سمنیہ دراصل عربی میں بودھوں کا نام ہے (اس تحقیق پر آئندہ مفصل بحث آتی ہے) بودھ کے متعلق اس کے پیرووں کا جو یہ عقیدہ ہے کہ وہ وقتاً فوقتاً انسانوں میں اکثر ظاہر ہوا کئے ہیں۔ اس سبب سے بعض نیک نیت لوگوں نے یہ تطبیق دی کہ یہی بودھ ہیں جن کو مسلمان خضر کہتے ہیں۔(۲)

دو قوموں کے درمیان اس وقت تطبیق کی ضرورت پیش آتی ہے جب ان کے درمیان کسی قسم کا سمجھوتہ اور اتحاد پیدا ہوتا ہے۔ یہ دونوں مثالیں ان دونوں قوموں کے اسی دور کی یادگار ہیں۔

پیغمبر اسلام کا ایک ادب شناس ہندو راجہ

سنہ ۱۴۷ھ میں جب منصور عباسی کے زمانہ میں حوصلہ مند سادات علوی نے حکومت کے قیام کا ارادہ کیا تو سندھ میں بھی اس کا سامان ہوا مگر پانسہ الٹ گیا اور علویوں کو کامیابی نہ ہوئی اس وقت ان کو ایک جائے پناہ کی تلاش ہوئی۔ ہند کا مسلمان والی جو سادات کا ہمدرد تھا اس نے ان سے کہا آپ لوگ گھبرائیں نہیں۔ یہاں ایک راجہ ہے جو رسول اللہ صلعم کی بڑی عزت

۱- آثار البلاد قزوینی ص ۸۱

۲- دیکھو ملل ونحل شہرستانی

کرتا ہے آپ لوگ اس کے ہاں چلے جائیں۔ چنانچہ وہ چلے گئے۔ راجہ نے بڑے تزک و احتشام سے ان کا استقبال کیا اور وہ بڑے آرام سے وہاں رہنے لگے۔[1]

سمنیہ

ابھی اوپر کی سطروں میں سمنیہ فرقہ کا ذکر ہوا ہے اور کہا گیا ہے کہ عربوں میں یہ بودھ مت والوں کا نام تھا۔ میں اس تحقیق کے نتیجہ اور اس کے دلائل تک ایک مدت کے جمع معلومات کے بعد پہنچا ہوں۔ سب سے پہلے اس فرقہ کا نام عبدالقادر بغدادی جس نے سنہ ۴۲۹ھ (سنہ ۱۰۳۷ع) میں وفات پائی ہے۔ اس کی کتاب الفرق بین الفرق میں اس تقریب سے نظر آیا کہ اسلام کے عقل پرست فرقہ معتزلہ کے ایک بڑے امام نظام پر اس نے یہ غلط الزام لگایا ہے کہ اس نے نبوت کے انکار کا مسئلہ برہمنوں سے اور یہ مسئلہ کہ حق و باطل میں تمیز محال ہے کیونکہ ہر طرف دلیلیں قوی اور پرزور ہوتی ہیں اس نے "سمنیہ" سے سیکھا پھر مرتضٰی زیدی کی کتاب المعتزلہ میں پڑھا کہ "ہارون الرشید کو ہندوستان کے سمنیہ نے اسلام پر یہ اعتراض کہلا بھیجا" اس فقرہ نے یہ توجہ دلائی کہ اس فرقہ کا تعلق ہندوستان سے ہے۔ اس کے بعد سندھ کے حالات کی تحقیق میں سمنیہ کا نام بار بار ملا اور الیٹ صاحب کو دیکھا کہ پروفیسر مولر وغیرہ کے حوالہ سے کہتے ہیں کہ ان سے مراد "بودھ مت والے" اور اس لفظ کی سنسکرت اصل "سرمن" ہے جس کے معنی ایک مذہبی فقیر کے ہیں۔ الیٹ صاحب یہ بھی کہتے ہیں کہ یونانی سیاحوں اور مورخوں نے بھی ان کو سرامینس، سرمینیا اور سیمونی کے الفاظ سے یاد کیا ہے[2]۔ الیٹ صاحب کے اس بیان سے تھوڑا پتہ آگے چلا مگر اس کے بعد ابن ندیم کی کتاب الفہرست نے اس معمے کو بالکل حل کر دیا اور اس سے مجھ کو پوری تشفی ہوگئی اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ یونانیوں میں یہ نام کیوں کر آیا۔

سمنی کی تحقیق

حمزہ اصفہانی جس نے اپنی کتاب تاریخ ملوک الارض (زمین کے بادشاہوں کی تاریخ) سنہ ۳۵۰ھ میں تقریباً لکھی ہے اور جو ایران اور خراسان کی تاریخ کی سند ہے وہ اپنی

۱- کامل ابن اثیر واقعات سنہ ۱۴۷ھ

۲- انڈیا الیٹ ج ۱ص ۵۰۶

کتاب کے مقدمہ میں (۱) لکھتا ہے۔

"دنیا میں پہلے صرف دو ہی فرقے تھے، ایک "سمنین" اور دوسرے کندانیین (کالدیا والے) سمنین پورب کے ملکوں میں تھے اور ان کے کچھ باقی افراد اب بھی ہندوستان کے گوشوں میں اور چین میں ہیں اور خراسان والے ان کو "شنان" جمع کی حالت میں اور شن واحد کی حالت میں کہتے ہیں"۔

اس سے یہ معلوم ہو گیا کہ عربوں نے بودھوں کا یہ نام خراسانیوں سے سنا اور وہی ان میں رائج ہوا۔ اصفہانی کے بیان کے ساتھ ابن ندیم (سنہ ۳۷۵ھ) کا یہ پر معلومات بیان ملاؤ۔

"میں نے ایک خراسانی کے ہاتھ کی تحریر پڑھی جس نے خراسان کی پرانی اور پھر نئے زمانہ میں جو اس کی کیفیت ہے، اس کے حالات لکھے تھے۔ یہ رسالہ دستور کی طرح تھا۔ اس میں لکھا تھا کہ سمنیہ کے پیغمبر کا نام بوذاسف تھا اور پرانے زمانہ میں اور اسلام سے پہلے ماوراء النہر (ٹرینز اوکیشینا) کے لوگ اسی مذہب کے پیروکار تھے اور سمنیہ کا لفظ سمنیہ کی طرف نسبت ہے۔ یہ لوگ تمام زمین والوں اور تمام دوسرے مذہب والوں سے زیادہ سخی ہوتے ہیں اور یہ اس وجہ سے کہ ان کے پیغمبر بوذاسف نے ان کو یہ بتایا ہے کہ سب سے بڑا گناہ جو ناجائز ہے اور جس کا انسان کو کبھی نہ اعتقاد رکھنا چاہئے اور نہ عمل کرنا چاہئے۔ یہ ہے کہ کوئی اپنی زبان سے "نہیں" نکالے۔ تو ان کا اسی نصیحت پر عمل ہے اور نہیں کہنا ان کے نزدیک شیطان کا کام ہے اور ان کا مذہب شیطان کو دور کرنا ہے۔ (۲)

یہ حرف حرف بودھ مت کی تصویر ہے اور گزر چکا ہے کہ بوذاسف کی اصل "بودھی ستو" ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ اسلام سے پہلے ایشیائے وسطیٰ کا مذہب بودھ ہی تھا۔ اس بیان کے بعد اس میں کوئی شبہہ نہیں رہ جاتا کہ سنی اور بودھ ایک چیز ہیں۔

سمنیہ کے اصول

عبدالقادر بغدادی سنہ ۴۲۹ھ (سنہ ۱۰۳۷ع) نے سمنیہ کے ایک اصول کا ضمناً تذکرہ

۱- تاریخ ملوک الارض ص ۷، مطبوعہ کادیانی (برلن)

۲- الفہرست ابن ندیم ص ۳۴۵

کیا ہے جس کو عربی اصطلاح میں ''تکافو ادلہ'' کہتے ہیں جو ایک طرح سے لا ادریہ (اگناسٹک) فرقہ کے اصول کے قریب قریب ہے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ دنیا میں حق اور باطل اس طرح ملے ہوئے ہیں کہ ہر شے کے نفیاً یا اثباتاً ہاں اور نہیں دو رخ ہو سکتے ہیں اور دونوں میں سے کسی کو نہ غلط کہہ سکتے ہیں اور نہ صحیح کہہ سکتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ یہ اصول بودھ کی بعض تعلیمات میں ہیں لیکن یہ اصول سب سے زیادہ جینیوں کے ہاں نمایاں ہیں۔

بودھ کا دوسرا اصول جس پر اس کے مت کی بنا ہے وہ دنیا یا زندگی کے دکھ' برائی یا مصیبت سے چھٹکارا ہے۔ اس برائی دکھ اور مصیبت کو ابن ندیم نے شیطان کے لفظ سے تعبیر کیا ہے جو بدیوں کا مرکز ہے اور یہ کہا ہے کہ 'سمنیہ کا مذہب شیطان کو دور کرنا ہے'' یعنی بدیوں اور دکھوں سے نجات پانا ہے۔

شہرستانی نے جو پانچویں صدی ہجری کے اخیر (گیارھویں صدی عیسوی) میں تھا' سمنیہ کے بجائے بد کا لفظ استعمال کیا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ اس کو اس مذہب سے پوری واقفیت تھی۔ وہ کہتا ہے کہ ''بد (بودھ) سے مراد وہ وجود ہے جس کا ظہور نہ تو پیدائش سے ہوتا ہے اور نہ وہ بیاہ شادی رچاتا ہے' نہ کھاتا ہے' نہ پیتا ہے' نہ بوڑھا ہوتا ہے اور نہ مرتا ہے۔ یہ گویا نروان کے بعد درجہ کا ذکر ہے۔ اس کے بعد اس نے گوتم بودھ کی تعلیمات کا ذکر کیا ہے کہ وہ دس گناہوں سے بچے اور دس اخلاقی فرائض کو ادا کرے۔ ان میں سے ہر ایک کو بیان کیا ہے اور لکھا ہے کہ مجھے جہاں تک ان کے اصول کا علم ہے ان میں عالم کی ازلیت اور تناسخ کے قاعدے سے جزا و سزا بھگتنے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔[1]

مطہر بن طاہر نے کسی عربی جغرافیہ کی کتاب المسالک سے (ابن خرداذبہ والی نہیں مگر جس کی تصنیف کی تاریخ یقیناً تیسری صدی کا آخر یا چوتھی صدی کا شروع ہوگا) اور ابن ندیم نے کندی کے علاوہ کسی اور کی تحریر سے یہ بالکل صحیح نقل کیا ہے کہ 'سمنیہ میں دو فرقے ہیں ایک وہ جو یہ یقین کرتا ہے کہ بودھ خدا کا پیغمبر تھا اور دوسرے کا اعتقاد ہے کہ بودھ خود خدا تھا جو اس اوتار میں دنیا میں ظاہر ہوا''[2]

یہ تعبیر حقیقت میں اس اختلاف کی ہے کہ بودھ مت میں خدا کا وجود ہے یا نہیں؟ اس

۱- ملل ونحل شہرستانی' مذاہب ہند

۲- ابن ندیم ص ۳۴۷ و کتاب البدء والتاریخ جلد ۴ ص ۱۹

مت کا ایک فرقہ خدا کے نام سے کسی وجود کا قائل نہیں اور دوسرا قائل ہے اور حقیقت یہ ہے کہ خود بودھ نے اس مسئلہ کو بالکل گنجلک رکھا ہے۔ محمد خوارزمی چوتھی صدی ہجری کے اخیر میں کہتا ہے کہ "سمنیہ بت پرست ہیں اور قدم عالم' تناسخ کے اور اس کے قائل ہیں کہ زمین ہمیشہ نیچے کو جا رہی ہے۔ ان کے پیغمبر کا نام بوذاسف ہے جو ہندوستان میں پیدا ہوا اور یہ لوگ ہندوستان اور چین میں ہیں۔ کلدانی بھی اپنے کو اس کی طرف منسوب کرتے ہیں"۔ (۱)

مشہور متبحر عرب مورخ اور سیاح مسعودی (سنہ ۳۳۳ھ) چین کے حال میں لکھتا ہے۔

> "ان کا مذہب پہلے لوگوں کا مذہب ہے اور یہ ایک فرقہ ہے جس کا نام سمنیہ ہے جن کی پوجا کا طریقہ وہی ہے جو اسلام سے پہلے قریش کا تھا۔ بتوں کو پوجتے ہیں اور دعاؤں میں ان کی طرف منہ کرتے ہیں۔ ان میں جو سمجھدار ہیں وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اس مورت کی حیثیت محض قبلہ کی ہے اور اصل نماز خدا کی ہے اور جو نادان ہیں وہ ان بتوں کو خدا کا درجہ دیتے ہیں اور ان کو پوجتے ہیں"(۲)

بودھ کی صورت

دنیا کے تمام رہنماؤں میں غالباً بودھ ہی کی ایسی ذات ہے جس کی شکل وصورت اس کے مجسمہ اور مورتی کی بدولت ہزاروں سال گزر جانے کے باوجود دنیا کے سامنے ہے اور عجائب خانوں کے ذریعہ سے تو اب دنیا کے گوشہ گوشہ میں موجود ہے۔ اہل عرب بھی بودھ کی اس شکل وصورت سے واقف تھے۔ ابن ندیم نے ان لفظوں میں اس کی تصویر کھینچی ہے۔ (۳)

"ایک شخص ایک تخت پر بیٹھا' چہرہ پر بال نہیں' ٹھڈی نیچے جھکی کسی قدر مسکراہٹ' انگلیاں بند اور کچھ کھلی"۔ بودھ کی ایک مورتی بغداد بھی گئی تھی۔ ابن ندیم نے اس کو دیکھا تھا اور اس پر ایک کتبہ بھی تھا۔ (۴)

۱- مفاتیح العلوم خوارزمی ص ۳۶ (لیڈن)

۲- تاریخ مسعودی (مروج الذھب) جلد اول ص ۲۹۸ (لیڈن)

۳- ابن ندیم ص ۳۴۷

۴- ابن ندیم ص ۱۹

بودھ مت کی وسعت

اہل عرب کو یہ اچھی طرح معلوم تھا کہ بودھ مت کن کن ملکوں میں پھیلا تھا۔ ابھی ابن ندیم کا بیان گزر چکا ہے کہ خراسان اور ماوراء النہر یعنی ایشیائے وسطی کا مذہب اسلام سے پہلے بودھ تھا اسی طرح انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ چین میں بھی یہی مذہب ہے اور وہ ہندوستان سے گیا ہے۔ اکثر عرب سیاحوں نے اس کا ذکر کیا ہے۔ سب سے پہلا عرب سیاح جس کا سفرنامہ ہمارے پاس ہے یعنی سلیمان تاجر سنہ ۲۳۷ھ (سنہ ۸۳۷ع) وہ اپنے سفرنامہ میں کہتا ہے۔

''چین کے مذہب کی اصل ہندوستان سے ہے اور وہ کہتے ہیں کہ یہ بودھ کی مورتیاں ہندوستان ہی نے ہمارے لئے بنائی ہیں۔ ان دونوں ملکوں کے لوگ آواگون (تناسخ) کے مسئلہ میں ایک ہیں اور دوسری معمولی باتوں میں ان میں اختلاف ہے''۔(۱)

اسی طرح جنوبی ہندوستان اور جزائر میں اس مذہب کے اثرات پاتے تھے۔

بھکشو

چنانچہ ابوزید سیرافی، جس نے تیسری صدی کے آخر میں جنوبی ہندوستان، جزائر اور چین کا حال لکھا تھا۔ وہ بودھ فقیروں کا ذکر کرتا ہے اور ان کا نام بیکر جی لکھتا ہے جو شاید بھکشو کی خرابی ہے کیونکہ لفظ کی صورت کے علاوہ معنی کی صورت بھی انہیں پر پوری اترتی ہے۔ سیرافی کہتا ہے۔

''ہندوستان میں ایک گروہ ہے جس کا نام ''بیکر جیین'' ہے۔ یہ ننگے ہوتے ہیں، ان کے بالوں کی لٹیں اتنی بڑی ہوتی ہیں کہ وہ پھیل کر ستر چھپا لیتی ہیں ان کے ناخن بہت بڑے ہوتے ہیں۔ وہ ان کو کٹاتے نہیں چاہے ٹوٹ جائیں۔ یہ ہمیشہ شہر بہ شہر پھرا کرتے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کی گردن میں آدمی کی ایک کھوپڑی تاگے میں بندھی ہوئی پڑی رہتی ہے جب ان کو زیادہ بھوک لگتی ہے تو وہ کسی کے دروازے پر کھڑے ہو جاتے ہیں، مکان والا جلدی

۱۔ سفرنامہ سلیمان تاجر مطبوعہ پیرس سنہ ۱۸۱۱ع صفحہ ۵۷

سے پکے ہوئے چاول لے کر خوش خوش آتا ہے اور ان کو پیش کرتا ہے۔ وہ
اسی کھوپڑی میں لے کر ان کو کھا لیتے ہیں۔ جب ان کا پیٹ بھر جاتا ہے تو شہر
سے واپس چلے جاتے ہیں پھر صرف بھوک کے وقت وہ نکلتے ہیں۔"(۱)

بزرگ بن شہریار ناخدا نے سنہ ۳۰۰ھ میں سراندیب سے گزرتے ہوئے اس قسم کے فقیروں کو دیکھا تھا۔ اس نے بھی ان کی یہی تصویر کھینچی ہے اور ان کا نام بیکور بتایا ہے اور لکھا ہے کہ یہ گرمی میں بالکل ننگے رہتے ہیں اور صرف چار انگل کی لنگوٹی باندھتے ہیں اور جاڑوں میں چٹائی اوڑھتے ہیں اور مختلف رنگ کے ٹکڑوں کو جوڑ کر ایک کپڑا سی لیتے ہیں، اسی کو پہنتے ہیں، بدن پر مردوں کی جلی ہوئی ہڈی کی راکھ ملتے ہیں اور گلے میں انسان کی کھوپڑی لٹکاتے ہیں اور عبرت اور خاکساری کیلئے اسی میں کھاتے ہیں۔(۲)

لیکن بیرونی نے اس قسم کے فقیروں کو مہادیو کے پجاری کہا ہے، ان کی صورت بھی ان سے ملتی جلتی تھی، وہ بھی گلے میں رنڈ مالا ڈال کر جنگل جنگل پھرتے تھے۔(۳)

جوگی

جوگیوں اور تارک الدنیا فقیروں کے حالات بھی ان کتابوں میں لکھے ہیں مگر ان میں سب سے زیادہ عجیب وہ واقعہ ہے جس کو سلیمان تاجر نے نویں صدی عیسوی کے بیچ میں اپنے مشاہدہ سے لکھا ہے۔ کہتا ہے:

"ہندوستان میں ایسے لوگ ہیں جو ہمیشہ پہاڑوں اور جنگلوں میں پھرا کرتے ہیں اور لوگوں سے بہت کم ملتے ہیں۔ بھوک لگتی ہے تو گھانس پات یا جنگل کے پھل کھا لیتے ہیں...... ان میں بعض ننگ دھڑنگ ہوتے ہیں، چیتے کی کھال کا کوئی ٹکڑا البتہ ان پر پڑا رہتا ہے۔ میں نے اسی طرح ایک شخص کو دھوپ میں بیٹھا دیکھا۔ سولہ برس کے بعد جب پھر میرا ادھر سے گزر ہوا تو میں نے اس کو اسی طرح اور اسی حال میں پایا مجھے تعجب ہوتا تھا کہ دھوپ کی تمازت سے اس کی آنکھ کیوں نہ بہہ گئی"(۴)

۱- سفرنامہ ابوزید سیرانی ۱۲۸، ۱۲۸
۲- عجائب الہند بزرگ بن شہریار صفحہ ۱۵۵، (لیڈن)
۳- کتاب الہند ص ۵۸
۴- سفرنامہ سلیمان تاجر ص ۵۰، ۵۱

سمنیہ اور سلام

سمنیہ کے ساتھ مسلمانوں کے تعلقات خراسان، ترکستان اور افغانستان سے شروع ہوتے ہیں اور رفتہ رفتہ وہ ہندوستان تک بڑھتے چلے آتے ہیں۔ چنانچہ بلخ کے نووھار (نوبہار) کے متولی برمکیوں سے لے کر ان ملکوں کے معمولی بودھوں نے بھی اسلام قبول کرنے میں کچھ زیادہ پس وپیش نہیں کیا۔ یہی صورت ہم کو سندھ میں نظر آتی ہے۔ پہلی صدی ہجری (ساتویں صدی عیسوی) کے خاتمہ پر یعنی سندھ کی فتح کی چند ہی سال کے بعد جب بنوامیہ کے دیندار اور برگزیدہ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز نے سندھ کے لوگوں کو اسلام کا دعوت نامہ بھیجا تو بہت سے راجاؤں نے اسلام قبول کر لیا۔[1]

اسی طرح ملیبار، مالدیپ اور بعض دوسرے جزیروں میں بھی ہم کو اسی قسم کے حالات ملتے ہیں۔ ہم نے اس قسم کے واقعات اپنے ایک سلسلہ مضمون میں جس کا عنوان ''ہندوستان میں اسلام'' ہے مفصل بیان کئے ہیں اس لئے یہاں ان کے دہرانے کی حاجت نہیں۔

سمنیہ اور ''حصریہ''

کہیں اوپر ایک واقعہ یہ گزرا ہے کہ مشہور فلاسفر اور متکلم نظام معتزلی جو دوسری صدی ہجری کے آخر (آٹھویں صدی عیسوی) میں تھا اور خلیفہ مامون الرشید کا استاد تھا اس پر اس کے دشمنوں نے جو غلط الزام لگائے تھے ان میں ایک یہ تھا کہ اس نے جوانی میں مجوسیوں اور سمنیوں کی صحبت اٹھائی تھی اور ''تکافو ادلہ'' کا مسئلہ اس نے سمنیوں سے سیکھا تھا اور فلاں مسئلہ فلاں سے فلاں مسئلہ فلاں سے اس کی فہرست دی گئی ہے بہرحال یہ عبارت کتابوں میں یکساں درج ہے۔ لیکن صرف ایک لفظ میں ہر جگہ نئی تعریف ہے سب سے قدیم کتاب جس میں یہ عبارت مجھ کو ملی ہے اور وہ عبدالقادر بغدادی (المتوفی سنہ ۴۲۹ھ سنہ ۱۰۳۷ء) کی کتاب الفرق بین الفرق ہے۔ اس کتاب میں یہ لفظ ''سمتیہ'' (سمنیہ) لکھا ہے لیکن ایک اور مستند محدث ومورخ سمعانی المتوفی سنہ ۵۶۲ھ نے اس پوری عبارت کو نقل کیا ہے مگر ''سمنیہ'' کی جگہ پر ''حصریہ'' لکھا ہے جیسا کہ ان کی کتاب الانساب کے اس قدیم نسخہ میں ہے جس کو گب میموریل لندن نے سنہ ۱۹۱۲ء میں زنکوگراف کے ذریعہ سے بعینہ چھاپا ہے۔ ''حصریہ''

۱۔ فتوح البلدان وبلاذری فتح سندھ

نام کسی فرقہ کا وجود نہیں معلوم' غالباً اسی لئے کسی نے اس کو ''دہریہ'' کر دیا ہے۔ جیسا کہ مولانا شبلی کی علم الکلام کی منقولہ عبارت میں ہے مگر یہ صریحی تحریف ہے۔ اس لفظ سمنیہ ہ اور حصریہ کے اختلاف پر میں دیر تک غور کرتا رہا اور آخر بحمد اللہ ایک نتیجہ پر پہنچ کر مجھے بالکل اطمینان ہو گیا۔ حقیقت میں معانی کے نسخہ میں ''حصریہ'' نہیں بلکہ ح اور ص سے دو نقطے کاتبوں نے اڑا لئے ہیں۔ یہ لفظ ''خضریہ'' ہے۔ اس نتیجہ تک پہنچنے میں جس درمیانی واسطہ نے مدد دی وہ امام سمعانی کے ہمعصر فلسفی ومحدث شہرستانی کا یہ خیال تھا کہ ''بودھ کی جو کیفیت بیان کی جاتی ہے اگر وہ سچ ہے تو وہ اس خضر سے ملتا جلتا ہے جس کے وجود کا دعویٰ مسلمان منجم اور مسمرائزر کیا کرتے ہیں''(۱) اس سے معلوم ہوا کہ بودھ کو ''خضر'' فرض کر کے بودھ مت کے پیروؤں کا نام لوگوں نے ''خضریہ'' رکھ لیا تھا اور سمعانی نے نظام کے حال میں اسی فرقہ کا نام ''خضریہ'' لکھ دیا۔ اس بنا پر بغدادی کا ''سمنیہ'' اور سمعانی کا خضریہ کہنا ایک ہے۔

محمرہ

بودھوں کا ایک تیسرا نام عربی کتابوں میں محمرہ بھی ہے یعنی ''سرخ کپڑے پہننے والے''(۲) جس سے مقصود شاید گیروا رنگ ہو یا زعفرانی۔ یہ رنگ ان کے مذہبی پیشواؤں کی پہچان تھی۔

بودھ اور بت

اس موقع پر ایک اور لفظ کی طرف اشارہ کرنا ہے اور وہ لفظ بت ہے جس سے بت پرست اور بت خانہ بنے ہیں۔ اس کو عام طور سے ایک فارسی لفظ سمجھا جاتا ہے لیکن حقیقت میں یہ لفظ ''بودھ'' سے بدْ'' اور ''بدْ'' سے ''بت'' بنا ہے چونکہ بودھ کی مورتی کی پوجا ہوتی تھی اس لئے ''بدْ'' کے معنی ہی فارسی میں بت ہو گئے اسی لئے عربی میں اس بت کو ''بدْ'' کہتے ہیں اور اس کی جمع ''بدوہ'' آتی ہے۔(۳)

۱- ملل ونحل شہرستانی جلد ۳ ص ۲۴۲ برحاشیہ ملل ونحل ابن حزم

۲- کتاب الہند بیرونی ص ۱۹۱

۳- دیکھو فہرست ابن ندیم ص ۳۴۷ وسفرنامہ سلیمان ص ۵۵' ۵۷ وکتاب البدیہ التاریخ ص ۱۹ وملل ونحل شہرستانی ص ۲۴۰

سمنی کا بت ہندوستان میں

عربوں کو یہ اچھی طرح معلوم تھا کہ بتوں اور مجسموں کے گاہک زیادہ تر ہندوستان کے لوگ ہیں اسی لئے یہ بات تعجب سے سنی جائے گی کہ امیر معاویہ نے (سنہ ۴۶ھ میں) جب سسلی (اٹلی) پر حملہ کیا تو وہاں سے ان کو سونے کے اسٹیچو اور مجسمے ہاتھ آئے انہوں نے چاہا کہ نفس سونے کی مالیت کے علاوہ ان مجسموں اور اسٹیچوں کی ساخت اور صنعت کی قیمت بھی وصول ہو۔ چنانچہ انہوں نے ہندوستان بھیج کر ان کو فروخت کرنا چاہا۔ بعض مورخین نے لکھا ہے کہ مسلمانوں نے اس تجویز سے اختلاف کیا اور اس پر عمل نہ ہوا(۱) لیکن بیرونی کا بیان ہے کہ وہ یہاں لائے گئے اور بیچے گئے (۲) غالباً بیرونی کے اس بیان کا ماخذ واقدی کی روایت ہو جس کو بلاذری نے (۳) بھی فتوح البلدان میں نقل کیا ہے۔

عرب و ہند کے یہ مذہبی تعلقات بہرحال رنگ لائے اور ایک دوسرے سے متاثر ہونے کا موقع بہم پہنچا اور اتنا تو ضرور ہوا کہ دونوں کو ایک دوسرے کے مذہب سے کچھ نہ کچھ واقفیت ہوئی۔ میرا نظریہ یہ ہے کہ اس زمانے کے ہندوستان کا غالب مذہب بودھ تھا اور وہی عربوں کے مذہب سے زیادہ متاثر ہوئے۔ یہ اثر سب سے پہلے ان راستوں میں نظر آتا ہے جو عربوں کے تجارتی گزرگاہ تھے یعنی کارومنڈل (معبر) ملیبار اور کولم سے لے کر کچھ اور گجرات تک اور ادھر سندھ سے لے کر کشمیر تک۔

اور جنوبی ہندوستان اور ہندوستان کے جنوبی جزیروں سے عربوں کے تعلقات سب سے زیادہ ہے اور اس کا سبب تجارت کے علاوہ سراندیپ کے ایک روایتی نقش قدم کی زیارت کی کشش بھی تھی۔

عرب و ہند کا ایک متحدہ مقدس مقام

مشہور ہے کہ سراندیپ' سیلون یا لنکا جو کہو اس کے ایک پہاڑ کی چٹان پر پاؤں کا ایک نشان ہے خدا جانے کب سے اس پاؤں کا نشان لوگوں کی عقیدتوں کا مرکز ہے مگر سب سے

۱- اماری سسلی بحوالہ نہایۃ الادب ص ۴۲۶

۲- کتاب الہند بیرونی ص ۶۰

۳- فتوح البلدان بلاذری ص ۲۳۵ (لیڈن)

عجیب بات یہ ہے کہ یہ نقش قدم مسلمان عربوں' بودھوں اور عام ہندوؤں تینوں کی دلی عقیدتوں کا متحدہ مرکز تھا اور یہ وہ چیز ہے جس کی دوسری مثال مذہب کی دنیا میں پیش نہیں کی جاسکتی۔ مسلمان اس کو حضرت آدم کا نقش قدم سمجھتے ہیں اور اس کی عزت کرتے ہیں۔ بودھ اس کو شاکیہ مونی کے قدم کا نشان اور ہندو شیر کے پاؤں کا نشان سمجھتے ہیں اور اس کی تعظیم بجا لاتے ہیں۔ دور دور سے لوگ اس کے جاترے کو جاتے ہیں۔ مسلمان عرب سیاحوں اور عراق کے درویشوں میں اس کی زیارت کا بڑا شوق تھا۔ تقریباً بحری سفر کے ہر عرب سیاح نے اس کا ذکر کیا ہے اور اس کی زیارت کا شوق اس کو وہاں کھینچ لایا ہے اور آخر یہی چیز اس جزیرہ میں مسلمان درویشوں کی بکثرت آمدرفت کا ذریعہ بن گئی اور ان کی اس آمدرفت کی کثرت کے سبب سے اسلام کے قدم وہاں جم گئے۔ ابن بطوطہ کے زمانہ میں یہاں کا راجہ ہندو تھا مگر نقش آدم کے پہاڑ کے پاس خواجہ خضر کا غار بھی دکھائی دیتا تھا۔ کہیں بابا طاہر کا غار ملتا تھا۔ چیلاؤ (سالایم) میں ہاتھی بکثرت تھے مگر ایک شیرازی بزرگ شیخ عبداللہ خفیف (المتوفی سنہ ۳۳۱ھ) کی دعا کی برکت سے یہ کسی کو نہیں ستاتے۔ اسی لئے اس وقت سے جب سے ان بزرگ کی یہ کرامت ظاہر ہوئی وہاں کے بت پرست بھی مسلمانوں کا ادب کرتے ہیں۔ ان کو اپنے گھروں میں ٹھہراتے ہیں اور اپنے بال بچوں میں ان کو رہنے دیتے ہیں اور وہ اب تک (ابن بطوطہ کے زمانہ تک) شیخ عبداللہ خفیف کے نام کا ادب کرتے ہیں۔

ہندوستان میں اسلام

بہرحال ان مختلف تجارتی' معاشرتی اور سیاسی تعلقات کا یہ نتیجہ ہوا کہ سندھ' گجرات' کارومنڈل' ملیبار' مالدیپ' سراندیپ اور جاوہ میں اسلام نے اپنے قدم آہستہ آہستہ بڑھانے شروع کئے۔ ان جزیروں میں ایک طرف ہندوؤں اور دوسری طرف چینیوں کے اثر سے بودھ مت پھیلا ہوا تھا مگر صدی بصدی کے جغرافیوں اور سفرناموں کی کتابوں کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ لڑائی بھڑائی کے بغیر پورے امن اور چین کے ساتھ اسلام کے اثرات یہاں بڑھتے جاتے ہیں اور دونوں قوموں کے لئے ایک دوسرے سے واقفیت کا موقع بہم پہنچتا جاتا ہے۔ اس دور کے چند متفرق واقعات پر اس بیان کا خاتمہ ہے۔

پنجاب یا سرحد کے ایک راجہ کا اسلام

بلاذری جو تیسری صدی ہجری (نویں صدی عیسوی) کے اخیر کا مورخ ہے بیان کرتا ہے کہ کشمیر' کابل اور ملتان کے بیچ میں ایک شہر عسیفان (اسیوان)(۱) نام تھا' راجہ کا ایک لاڈلا بیٹا بہت سخت بیمار ہوا راجہ نے مندر کے پجاریوں کو بلا کر کہا کہ اس کی سلامتی کی دعا مانگی جائے پجاریوں نے دوسرے دن آ کر کہا کہ دعا مانگی گئی اور دیوتاؤں نے اس کے جیتے رہنے دئے جانے کا وعدہ کر لیا ہے۔ اتفاق یہ کہ وہ لڑکا اس کے تھوڑی ہی دیر کے بعد مر گیا۔ راجہ کو بڑا سخت صدمہ ہوا اسی وقت جا کر مندر ڈھا دیا۔ پجاریوں کی گردنیں مار دیں پھر شہر میں جو مسلمان سوداگر تھے ان کو بلوا کر ان کے مذہب کا حال دریافت کیا۔ انہوں نے اسلام کے عقائد بیان کئے راجہ مسلمان ہو گیا(۲)۔ بلاذری کہتا ہے کہ ''یہ واقعہ خلیفہ معتصم باللہ کے زمانہ میں پیش آیا''۔ معتصم باللہ کا زمانہ سنہ ۲۱۸ھ سے سنہ ۲۲۷ھ تک ہے۔

عربوں اور ہندوؤں میں مذہبی مناظرہ

یہ تعلقات اس حد تک بڑھ چکے تھے کہ عرب مسلمانوں اور ہندوؤں میں بلکہ بودھوں میں دوستانہ مذہبی مناظرے ہوتے تھے۔ معتصم کے باپ ہارون الرشید (دوسری صدی ہجری کا اخیر) کے زمانہ کا واقع ہے کہ ہندوستان کے کسی راجہ نے ہارون الرشید کو کہلا بھیجا کہ ''آپ اپنے مذہب کے کسی عالم کو میرے پاس بھیج دیجئے جو مجھ کو اسلام سے آگاہ کرے اور میرے سامنے میرے ایک پنڈت سے بحث کرے''۔ دوسری روایت یہ ہے کہ سندھ کے کسی راجہ کے یہاں ایک بودھ مذہب کا فاضل پنڈت تھا اس نے راجہ کو آمادہ کیا تھا اور اس نے کہلا بھیجا تھا کہ مجھ سے یہ کہا گیا ہے کہ ''تلوار کے سوا آپ کے پاس آپ کے مذہب کی سچائی کا یقین ہو تو اپنے ہاں کے کسی عالم کو بھیجئے جو میرے ایک پنڈت سے آ کر بحث کرے۔ خلیفہ نے ایک مقدس محدث عالم کو اس کام کے لئے بھیج دیا۔ پنڈت نے جب عقلی اعتراضات شروع کئے تو ملا نے جواب میں حدیثیں پیش کرنی شروع کیں۔ پنڈت نے کہا یہ تو ان کے لئے سند ہیں جو تمہارے مذہب کو مانتے ہوں ایک روایت میں ہے کہ پنڈت

۱- امیر خسرو نے خزائن الفتوح میں سیوان نام ایک قلعہ کا جو دہلی سے سو فرلانگ کی مسافت پر تھا اور سنہ ۷۰۸ میں سیتل چاند اس کا راجہ تھا ذکر کیا ہے۔

۲- فتوح البلدان بلاذری ص ۴۴۶

نے پوچھا کہ تمہارا خدا اگر ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے تو کیا اپنی جیسی کسی ہستی کے بنانے پر بھی اس کو قدرت ہے؟ ان بھولے بھالے عالم صاحب نے کہا اس قسم کی باتوں کا جواب دینا ہمارا کام نہیں ہے۔ یہ علم کلام والوں کا کام ہے۔ راجہ نے ان عالم صاحب کو واپس کیا اور ہارون الرشید کو کہلا بھیجا کہ پہلے تو بزرگوں کے کہنے سے مجھے معلوم ہوا اور اب اپنی آنکھوں سے دیکھ کر یقین ہو گیا کہ آپ کے پاس آپ کے مذہب کی سچائی کی کوئی دلیل نہیں۔ خلیفہ نے کلام والوں کو بلوا کر یہ مسئلہ ان کے سامنے پیش کیا اس جماعت کے ایک کمسن بچہ نے اٹھ کر کہا "امیر المومنین! یہ اعتراض لغو ہے' اللہ تو وہ ہے جس کو نہ کسی نے بنایا نہ پیدا کیا' وہ مخلوق نہ ہو۔ اب اگر وہ اپنے ہی جیسے کسی دوسرے کو پیدا کرے گا تو وہ اس جیسا تو ہو نہیں سکتا کہ وہ بہر حال اس کا مخلوق ہی ہوگا۔ پھر یہ کہ بعینہ خدا کی طرح کسی دوسری ہستی کا ہوسکنا خدا کی توہین ہے اور خدا اپنی توہین وتحقیر پر جو محال ہے قدرت نہیں رکھتا۔ یہ سوال کرنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی کہے کہ خدا جاہل ہوسکتا ہے؟ خدا مر سکتا ہے؟ خدا کھا سکتا ہے یا پی سکتا ہے؟ یا سو سکتا ہے؟ ظاہر ہے کہ ان میں سے خدا کچھ نہیں کر سکتا ہے کہ یہ سب اس کی ذات کی شان کے خلاف ہے۔ یہ جواب سب نے پسند کیا اور خلیفہ نے چاہا کہ اس پنڈت کے مقابلہ کے لئے اسی لڑکے کو ہندوستان بھیجا جائے مگر تجربہ کاروں نے عرض کی کہ حضور یہ بہر حال بچہ ہے ایک جواب بن آیا تو ضرور نہیں کہ سب جواب بن آئیں۔ چنانچہ ایک دوسرے مشہور متکلم کو خلیفہ نے چن کر ہندوستان بھیجا۔ ایک روایت میں ہے کہ وہ بودھ اس متکلم سے کبھی مناظرہ کر چکا تھا اور شکست کھا چکا تھا اور دوسری روایت میں ہے کہ اس نے راستہ ہی میں ایک آدمی کو بھیج کر پتہ چلایا کہ یہ صرف مذہبی ملا ہے یا عقلیات سے بھی واقف ہے۔ جب اس کو معلوم ہوا کہ وہ عقلیات کا بڑا فاضل ہے تو پھر دونوں روایتوں میں ہے کہ اس پنڈت نے اس کے مقابلہ میں اپنے کو کمزور پا کر اس سے پہلے کہ وہ مسلمان مناظر راجہ کے دربار میں پہنچے راستہ ہی میں اس کو زہر دلوا دیا۔[1]

اس قصہ کے تمام اجزا صحیح ہوں یا نہ ہوں مگر بہر حال اس سے اتنا ثابت ہے کہ ان دونوں قوموں کے مذہبی تعلقات اور روابط نے اس حد تک ترقی کی تھی۔

۱- کتاب فی شرح کتاب الملل والنحل لاحمد بن یحیی المرتضی' باب ذکر المعتزلہ مطبوعہ حیدرآباد دکن سنہ ۱۳۱۶ھ ص ۳۱ و ۳۴

ایک مناظر راجہ

مؤرخ مسعودی جو سنہ ۳۰۳ھ میں ہندوستان آیا تھا کھمبایت کے حال میں لکھتا ہے کہ:

''میں جب سنہ ۳۰۲ھ میں یہاں آیا تو یہاں کا حاکم ایک بانیا (بنیا) تھا جو برہمنی مذہب رکھتا تھا اور وہ مہانگر کے راجہ ولبھ رائے کا ماتحت تھا۔ اس کو مناظرہ کا بہت شوق تھا۔ اس کے شہر میں باہر سے جو نئے مسلمان یا اور مذہب کے لوگ آتے تھے وہ ان سے بحث ومناظرہ کرتا تھا''(۱)۔

بودھوں سے ایک اور مناظرہ

بودھ مت کے پیرو حواس ظاہری کے علاوہ کسی اور ذریعہ علم کے قائل نہ تھے چنانچہ بصرہ جو اس زمانہ میں (دوسری صدی کا وسط) مختلف مذہب وملت کے لوگوں کا مرکز تھا وہاں واصل بن عطاء جہم بن صفوان اور بودھوں سے اس مسئلہ میں مناظرہ ہوا۔ آخر واصل نے اپنی دلیلوں سے ان کو قائل کر دیا۔(۲)

ایک مسلمان کا بت پرست ہو جانا

سنہ ۳۷۰ھ کا ایک عرب سیاح جو بیت المقدس کا رہنے والا تھا وہ سندھ کے بت خانوں کے تذکرہ میں کہتا ہے کہ ''ھبروا میں پتھر کی دو عجیب وغریب مورتیں ہیں۔ وہ دیکھنے میں سونے اور چاندی کی معلوم ہوتی ہیں۔ کہتے ہیں یہاں آ کر جو دعا لوگ مانگتے ہیں وہ قبول ہوتی ہے۔ اس کے پاس ایک سبز رنگ کے پانی کا چشمہ ہے جو بالکل زنگار معلوم ہوتا ہے۔ زخموں کے لئے بہت مفید ہے۔ یہاں کے پجاریوں کا خرچ دیوداسیوں کے ذریعہ پورا ہوتا ہے بڑے بڑے لوگ یہاں اپنی لڑکیاں لا کر چڑھاتے ہیں۔ میں نے ایک مسلمان کو دیکھا جو ان دونوں مورتیوں کی پوجا کرنے لگا تھا پھر بعد کو نیشاپور جا کر وہ مسلمان ہو گیا۔ یہ دونوں مورتیں طلسماتی ہیں کوئی ان کو ہاتھ سے چھو نہیں سکتا۔(۳)

۱- مروج الذھب مسعودی جلد اول ص ۲۵۴ (لیڈن)

۲- شرح کتاب الملل والنحل مرتضی زیدی مطبوعہ حیدرآباد واصل بن عطاء کا حال

۳- احسن التقاسیم فی معرفتہ الاقالیم بشاری ص ۴۸۳

قرآن پاک کا پہلا ہندی ترجمہ آج سے ایک ہزار برس پہلے

قرآن پاک کا ترجمہ لوگ آج ہندی میں کرنے لگے ہیں مگر یہ سن کر کتنا اچنبھا ہوگا کہ آج تقریباً ایک ہزار برس پہلے قرآن پاک کا ترجمہ ہندی میں یا سندھی میں ایک ہندو راجہ کے حکم سے کیا گیا تھا۔ سنہ ۲۷۰ھ مین الرا (الور واقع سندھ؟) کے راجہ مہروگ نے جس کا راج کشمیر بالا (کشمیر) اور کشمیر زیریں (پنجاب) کے بیچ میں ہے اور جو ہندوستان کے بڑے راجاؤں میں ہے اس نے منصورہ (واقع سندھ) کے امیر عبداللہ بن عمر کو لکھ بھیجا کہ کسی ایسے شخص کو میرے پاس بھیجئے جو ہندی میں ہم کو اسلام کا مذہب سمجھا سکے۔ منصورہ میں عراق کا ایک مسلمان تھا جو بہت تیز طبیعت، سمجھدار اور شاعر تھا اور چونکہ ہندوستان میں پلا تھا اس لئے یہاں کی مختلف زبانیں وہ جانتا تھا۔ امیر نے اس سے راجہ کی خواہش کا ذکر کیا وہ تیار ہوا اس نے ان کی زبان میں ایک قصیدہ لکھ کر راجہ کو بھیجا راجہ نے اس قصیدہ کو سنا تو بہت پسند کیا اور اس کو سفر خرچ بھیج کر اپنے پاس بلوایا۔ وہ راجہ کے دربار میں تین برس رہا اور اس کی خواہش سے اس نے قرآن کا ہندی زبان میں ترجمہ کیا۔ راجہ روزانہ ترجمہ سنتا تھا اور اس سے بے حد متاثر ہوتا تھا۔ [1]

ایک گجراتی راجہ کا بے مثال مذہبی انصاف

چھٹی صدی ہجری کے آخیر میں جب سلطان غوری کے بعد دھلی میں شمس الدین ایلتمش اور سندھ میں ناصرالدین قباچہ حکومت کرتے تھے محمد عوفی نام ایک فاضل بخارا سے چل کر ہندوستان آیا تھا اور اس نے غالباً سندھ کے کسی ساحل منصورہ یا دیبنل سے نکل کر خلیج فارس، سواحل عرب اور ہندوستان کی مختلف بندرگاہوں کی سیاحت کی تھی چنانچہ اس سلسلہ میں وہ کھمبایت بھی پہنچا تھا اس کی دو کتابیں اس وقت باقی ہیں ایک فارسی شاعروں کا تذکرہ جس کا نام لباب الالباب ہے جو ناصرالدین قباچہ کے وزیر کے نام لکھی ہے اور وہ دو جلدوں میں گب سیریز لندن سے شائع ہو چکی ہے دوسری کتاب اس سے زیادہ بڑی ہے اس کا نام جامع الحکایات ولامع الروایات ہے۔ اس میں مصنف نے کچھ اپنے کانوں سنے اور اپنی آنکھوں دیکھے اور کچھ دوسری کتابوں میں پڑھے ہوئے واقعوں اور قصوں کو مختلف عنوانوں میں ذکر کیا

ا- عجائب الہند ص۳ (لیڈن)

ہے۔ یہ کتاب سلطان شمس الدین ایلتمش کے وزیر قوام الدین جنیدی کے نام سے لکھی ہے اور اب تک حلیہ طبع سے محروم ہے۔ اس کا ایک قلمی نسخہ دارالمصنفین کے کتب خانہ میں بھی موجود ہے۔

محمد عوفی نے اس کتاب کے دوسرے باب ''در ذکر ملوک طوائف واحوال ایشاں'' میں ایک عجیب وغریب قصہ لکھا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندو مسلمانوں کے تعلقات اس ملک میں عربوں کے عہد میں کیسے تھے اور ہندو راجہ اپنی مسلمان رعایا کے ساتھ کس طرح انصاف سے پیش آتے تھے۔ محمد عوفی کا یہ سفر سنہ ۶۲۵ ھ سے پہلے ہوا تھا اور جو واقعہ اس نے بیان کیا ہے وہ یقیناً اس سے پہلے کا ہے اور یہ وہ زمانہ ہے جب گجرات کی طرف صرف ایک سلطان محمود اور دوسو برس کے بعد قطب الدین ایبک کے سرسری دھاووں کے سوا وہاں کسی اسلامی حکومت کا نام ونشان بھی نہ تھا۔

محمد عوفی کہتا ہے کہ ''مجھے ایک دفعہ کھمبایت جانے کا اتفاق ہوا جو سمندر کے کنارے ایک شہر ہے اور وہاں دیندار مسلمانوں کی ایک جماعت آباد ہے جو مسلمانوں کی خوب خاطر تواضع کرتی ہے اور یہ شہر نہر والہ (احمد آباد گجرات کے قریب) کی سلطنت میں ہے اور یہاں کچھ مسلمانوں اور کچھ ان کے مخالفوں کی آبادی ہے۔ میں جس زمانہ میں یہاں آیا ایک قصہ سنا جو نوشیرواں کے اوپر والے قصہ سے ملتا جلتا ہے اور وہ یہ ہے کہ راجہ جنک کے راج کے زمانہ میں یہاں ایک مسجد تھی جس میں منارہ تھا اس پر چڑھ کر مسلمان اذان دیتے تھے' پارسیوں نے ہندوؤں کو بھڑکا کر مسلمانوں سے لڑا دیا' ہندوؤں نے منارہ توڑ دیا اور مسجد کو مع اسی (۸۰) مسلمانوں کے شہید کر ڈالا۔ مسجد کا امام وخطیب جس کا نام علی تھا یہاں سے بھاگ کر نہر والہ چلا گیا وہاں جا کر راجہ کے درباریوں اور افسروں سے مل کر فریادی مگر کسی نے توجہ نہ کی' امام نے یہ حال دیکھ کر تدبیر یہ کی کہ ہندی (غالبا گجراتی) میں پورا واقعہ ایک قصیدہ میں نظم کیا اور خبر رکھی کہ راجہ شکار کو کب جاتا ہے۔ جب شکار کا دن آیا امام وہ قصیدہ لے کر راستہ میں ایک جھاڑی میں چھپ کر بیٹھ گیا جب راجہ ادھر سے گزرا امام فریادی بن کر سامنے آ گیا اور دھائی دی اور عرض کی کہ اس کا یہ قصیدہ سن لیا جائے۔ راجہ نے ہاتھی روک کر اس کی منظوم عرض داشت سمنیہ اور بہت متاثر ہوا اور قصیدہ کو اس کے ہاتھ سے لے کر ایک افسر کے سپرد کر دیا کہ فرصت کے وقت مجھے یہ پھر دکھایا جائے۔ راجہ اسی وقت شکار سے واپس آ گیا اور وزیر کو بلوا

کر کہا کہ میں تین دن تک محل میں رہوں گا اور آرام کروں گا۔ ان تین دنوں کے اندر کسی کام کیلئے مجھے تکلیف نہ دینا' سب کام تم بطور خود انجام دینا۔ یہ کہہ کر راجہ محل میں چلا گیا اور رات کو ایک تیز سانڈنی پر بیٹھ کر تن تنہا کھمبایت کی طرف روانہ ہو گیا۔ نہر والہ سے کھمبایت ۴۰ فرلانگ ہے مگر راجہ نے ایک دن رات میں اس راستہ کو طے کیا اور وہاں بھیس بدل کر ایک سوداگر کی صورت میں اترا اور گلی کوچہ بازار میں ہر جگہ پھر کر تحقیق کی اور راستہ چلتوں کی باتیں سنیں۔ ہر ایک کی زبان سے یہی سنا کہ بیچارے مسلمانوں کو بے گناہ مارا گیا اور ان پر بڑا ظلم ہوا۔ راجہ ہر طرح واقعہ کی تحقیق کر کے ایک لوٹے میں سمندر کا پانی بھر کر اور اس کا منہ بند کر کے اپنے ساتھ لیا اور پھر اسی طرح چوبیس گھنٹے میں سانڈنی پر اپنی راجدھانی کو واپس آ گیا۔ صبح کو راجہ نے دربار منعقد کیا' مقدمات سنے اور اسی کے ساتھ مسجد کے اس امام کو یاد کیا۔ جب وہ دربار میں حاضر ہوا تو راجہ نے اس کو حکم دیا کہ تم اپنی عرضداشت پڑھ کر سناؤ۔ امام نے جب اس کو پڑھا تو ہندو درباریوں نے کہا یہ مقدمہ جھوٹا ہے اور یہ دعویٰ سرے سے غلط ہے۔ راجہ نے آبدار کے ہاتھ سے وہ لوٹا منگوایا اور سب کو تھوڑا تھوڑا اس کا پانی پلایا جس نے پیا وہ اس کو گھونٹ نہ سکا اور کہا یہ تو سمندر کا کھاری پانی ہے۔ راجہ نے کہا مجھ کو چونکہ اس معاملہ میں کسی دوسرے پر بھروسہ نہ تھا کہ ''اختلاف دین درمیان بود'' کہ یہ مذہبی اختلاف کا معاملہ تھا اس لئے میں نے خود جا کر اس کی تفتیش کی اور مجھ پر ثابت ہو گیا کہ یہ مسلمان بے شک مظلوم ہیں اور ان پر ظلم ہوا ہے۔ میرے راج میں کسی جماعت پر جو میرے سایہ میں ہو ایسا ظلم نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے بعد حکم دیا کہ برہمنوں اور پارسیوں میں سے جو اس جرم کے مرتکب ہوئے ہیں دو دو کو سزا دی جائے اور مسلمانوں کو ایک لاکھ بالوترا (گجراتی سکہ) تاوان دلوایا تا کہ اس سے وہ مسجد اور منارہ دوبارہ بنوا لیں اور امام کو خلعت اور انعام دیا چنانچہ وہ مسجد دوبارہ بنی اور یہ انعامات اس میں یادگار کے طور پر رکھے گئے چنانچہ ہر سال عید کے دن ان کو نکال کر سب کو دکھایا جاتا ہے۔

محمد عوفی کہتا ہے کہ ''آج تک (سنہ ۶۲۵ھ) یہ چیزیں وہاں رکھی ہیں اور وہ پرانی مسجد اور منارہ بھی باقی تھا مگر کچھ دن ہوئے بالو (یابالا) کی فوج نے گجرات پر حملہ کیا تو اس مسجد کو ویران کر دیا۔ آخر سعید بن شرف (کسی عرب تاجر) نے اپنے سرمایہ سے اس کو دوبارہ بنوایا ہے اور اس کے چاروں طرف چار سنہرے گنبد بنوائے ہیں اور اسلام کی یہ یادگار اس ہندو ملک

میں آج تک قائم ہے''۔

مسلمانوں میں وحدۃ الوجود

وحدۃ الوجود کا مسئلہ کسی نہ کسی شکل میں ہر قوم میں موجود تھا۔ بعض یونانی فلاسفر ایک معنی میں اس کے قائل تھے۔ اسکندریہ کا نو افلاطونی فرقہ اس کا معتقد تھا پرانے یہودیوں اور عیسائیوں میں بھی یہ خیال موجود تھا' ہندو ویدانت کی پوری عمارت اسی تخیل پر قائم ہے اور بعض مسلمان صوفیوں میں بھی اس کی پرجوش تلقین پائی جاتی ہے گو کہ وحدۃ الوجود کے اندر خود بہت سے مختلف معنی ہیں اور اس ایک وحدت کی بھی بکثرت تشریحیں کی گئی ہیں یہاں تک کہ ایک تشریح کے مطابق وہ ''حلول'' کا مرادف اور ہم معنی بن گیا ہے۔

بہرحال یہاں اصل مسئلہ سے غرض نہیں بلکہ اس کی تاریخی حیثیت سے بحث ہے۔ یہ سوال اکثر اٹھا ہے کہ مسلمان صوفیوں میں یہ تخیل کہاں سے آیا؟ جہاں تک ہم سے تحقیق ہو سکی ہے ہمارے پاس کوئی دلیل ایسی نہیں ہے جس سے یہ ثابت ہو سکے کہ ہندو ویدانت کا ترجمہ عربی زبان میں ہوا ہے حالانکہ اسلام میں اس تخیل کا آغاز تیسری صدی کے آخر سے یعنی حسین بن منصور حلاج کے زمانہ سے ہے اور اس کا کمال پانچویں صدی ہجری میں محی الدین ابن عربی کے زمانہ میں نظر آتا ہے۔ اس میں تو کوئی شک نہیں کہ ہندوستان میں آنے کے بعد ہندو ویدانتیوں کے تخیل سے مسلمان صوفیوں پر اثر پڑا ہے (۱) مگر اسلامی تصوف میں اس تخیل کا اثر اس سے پہلے معلوم ہوتا ہے۔ خصوصاً جب یہ واقعہ ہے کہ مسلمانوں میں محی الدین ابن عربی ہی سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے اس عقیدہ کی سب سے پرجوش حمایت کی ہے اور وہ اسپین کے باشندے تھے اور کبھی ہندو فلاسفی سے ان کو دوچار ہونے کا موقع نہیں ملا اس لئے یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ ہندو ویدانت سے نہیں بلکہ نو افلاطونی فلسفہ سے متاثر ہوئے تھے۔

لیکن جہاں تک حسین بن منصور حلاج کا تعلق ہے یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ جس وحدۃ

۱- چنانچہ غالباً آٹھویں صدی ہجری میں بنگال کے ایک نو مسلم پنڈت اور ایک صوفی عالم نے مل کر سنسکرت کی کتاب امرت کند کا عربی میں ترجمہ ''عین الحیواۃ'' کے نام سے کیا پھر اس سے فارسی میں اور اب فارسی سے اردو میں اس کا ترجمہ ہوا ہے اور دارا نے اپنے زمانہ میں سرا کبر کے نام سے جوگ بشد کا ترجمہ فارسی میں کیا۔

الوجود کا مدعی تھا وہ معتبر محتاط مسلمان صوفیون کا وحدۃ الوجود نہیں بلکہ وہ حلول یعنی ایک قسم سے ہندوؤں کے اوتار کے مسئلہ کا قائل تھا۔ اس کی تفصیل اس کے پرانے تذکرہ نویسوں نے پوری طرح کی ہے اور خود اس کی تصنیف کتاب الطّواسین سے بھی ثابت ہے۔ اس کے بعد یہ بھی ثابت ہے کہ وہ ہندوستان کے جادو، منتر اور کرتب کو سیکھنے یا جیسا کہ بعض کہتے ہیں کہ اپنے مذہب کی تبلیغ کیلئے ہندوستان آیا تھا اس لئے عجب نہیں کہ وہ یہیں سے اپنا مسئلہ وحدۃ الوجود عراق لے گیا ہو[۱]۔

ہندوؤں میں وحدت تنزیہی

اس کے برخلاف قیاسات اس ثبوت میں بھی ہیں کہ ہندوؤں میں وحدت تنزیہی کا تخیل اور بت پرستی کے خلاف جذبہ اسلام کا نتیجہ ہے۔ یہ مضمون خود بڑی وسعت رکھتا ہے اور وہ کسی دوسری بحث کے ضمنیہ کے طور پر ادا نہیں ہوسکتا۔

ان چند صفحوں میں عرب و ہند کے مذہبی تعلقات کا جو آئینہ تیار کیا گیا ہے خوب غور کر کے دیکھو کہ ان دونوں قوموں نے باوجود شدید مذہب پرست ہونے کے کہیں اس شیشہ میں بال آنے دیا ہے؟ کیا جو پہلے گزر چکا وہ آئندہ نہیں ہوسکتا۔

۱۔ حلاج کی کتاب الطراسین فرانس کے صوفی مستشرق لوئیس میسگنان (Louis Massignan) نے سنہ ۱۹۱۴ء میں پیرس سے شائع کی ہے اور اسی کے ساتھ ایک مستقل جلد میں حلاج کے حالات کے متعلق قدیم بیانات کو بھی یکجا کر دیا ہے، حلاج کے ہندوستان آنے کا واقعہ اسی کتاب یں ابن باکریہ صوفی شیرازی کی کتاب کے اقتباسات میں مذکور ہے۔ دیکھو صفحہ ۳۱، ۲۳ (مطبوعہ پیرس)

باب:۵

ہندوستان میں مسلمان

(فتوحات سے پہلے)

ماخذ

علاوہ ان کتابوں کے جن کا ذکر اوپر گزر چکا ذیل کے معلومات کے لئے سندھ کی فارسی تاریخوں سے بھی فائدہ اٹھایا گیا ہے۔افسوس ہے کہ یہ کتابیں اب تک چھپی نہیں ہیں مختلف کتب خانوں میں قلمی موجود ہیں۔البتہ الیٹ صاحب نے اپنی تاریخ کی پہلی جلد میں ان کے ضروری اقتباسات دے دئے ہیں اور وہی میرے پیش نظر ہیں ان کتابوں کے نام یہ ہیں۔

چچ نامہ

یہ تاریخ السند والہند کے نام سے عربی زبان میں سندھ کی سب سے پرانی تاریخ تھی۔ محمد علی بن حامد بن ابوبکر کوفی نے ناصرالدین قباچہ کے عہد میں سنہ ۶۱۳ ھ (۱۲۱۶ع) میں اوچ (سندھ) میں بیٹھ کر فارسی میں ترجمہ کیا۔اس کی اصل عربی نہیں ملتی مگر صرف محمد بن قاسم کی موت اور راجہ داہر کی لڑکی کی قید کا واقعہ اس میں افسانہ ہے باقی اکثر باتیں اس میں ایسی ہیں جن کی پرانی عربی تاریخوں سے تائید ہوتی ہے۔

۲-تاریخ معصومی

یہ میر محمد معصوم کی تاریخ سندھ ہے اکبر کے زمانہ میں سنہ ۱۰۱۱ھ میں لکھی گئی۔

۳-تاریخ طاہری

میر طاہر بن سید حسن قندھاری نے سندھ کے قیام کے زمانہ میں سنہ ۱۰۳۰ھ (۱۶۲۴ع) میں سندھ کی یہ تاریخ لکھی۔

۴- بیگ لارنامہ

یہ کتاب شاہ قاسم خاں بن سید قاسم بیگ لار کے نام سے سنہ ۱۰۱۷ھ سے سنہ ۱۰۳۶ھ تک میں لکھی گئی۔

۵-تحفۃ الکرام

یہ سب سے آخری کتاب ہے علی شیر نے سنہ ۱۱۸۱ھ (۱۷۶۷ع) میں لکھی ہے۔

اس خطبہ میں جن معلومات کو مرتب کیا گیا ہے ان کے متعلق اردو کی دو کتابیں بھی خاص طور سے ذکر کے قابل ہیں۔

۱-تاریخ سندھ

مولانا عبدالحلیم شرر لکھنوی نے سنہ ۱۹۰۹ع میں الیٹ کی تاریخ سندھ جلد اول کے معلومات اور ماخذوں سے بعض اپنی ذاتی تحقیقات سے اسلامی سندھ کی نہایت مبسوط تاریخ دو جلدوں میں لکھی ہے۔ تمام ضروری معلومات ان میں فراہم ہیں مگر یہ کتاب نئی ترتیب کی محتاج ہے ساتھ ہی مولانا نے الیٹ پر اس میں بے حد بھروسہ کیا ہے اور مشکلات کے حل میں بعض ایسے قیاسات سے کام لیا ہے جو میرے نزدیک صحیح نہیں جیسا کہ آگے معلوم ہوگا۔ کتابوں کے حوالوں میں نہ صفحوں کا حوالہ دیا ہے اور نہ جلد اور باب کا اشارہ کیا ہے اس لئے اس کے واقعات کی تصدیق و تطبیق سخت مشکل ہے۔

۲- دوسری قابل ذکر اردو کتاب پیرزادہ محمد حسین صاحب دہلوی، ایم اے مرحوم کے ابن بطوطہ کے سفرنامہ دوسری جلد متعلقہ ہند کا اردو ترجمہ ہے۔ اس میں اصل چیز ابن بطوطہ کے بیان کردہ مقامات اور اشخاص پر مترجم کے حواشی ہیں جو انگریزی ترجمہ اور ذاتی تلاش پر مبنی ہیں۔

ہمارے اسکولوں اور کالجوں میں ہندوستان کی جو تاریخ پڑھائی جاتی ہے وہ بالکل ایک

خاص مقصد کو سامنے رکھ کر پڑھائی جاتی ہے اور اسی مقصد کو سامنے رکھ کر تاریخ ہند کی کتابیں انگریزی میں تصنیف کی جاتی ہیں۔ ان کتابوں میں قدیم ہندوستان کی تاریخ کو کہنا چاہئے کہ گویا وہ سکندر اور اس کے جانشینوں کی تاریخ کا ایک ٹکڑا ہے۔ اسی حملہ سے ہندوستان کی کایا پلٹ ہوئی اس کو علم وفن کی دولت ملی' تاریخ کی دنیا میں اس نے زندگی پائی۔ سکندر کے حملہ اور سفر کے ایک ایک راستہ کا پتہ لگانا' بگڑے ہوئے یونانی ناموں کو درست کرنا اور ان کے الٹے پلٹے بیانوں کو مرتب اور منظم کر کے پیش کرنا ہندوستان کی پرانی تاریخ ہے۔ یہی مورخ جب اسلام اور ہندوستان کی ڑتاریخ کا آغاز کریں گے تو چند سطروں میں وحشی عربوں کا اور پھر (نعوذ باللہ) ایک خونخوار پیغمبر کا اور اس کے جانشینوں کے بے پناہ حملوں کا ذکر کر کے صفحہ دو صفحہ میں عرب سے سیدھے غزنی پہنچ جائیں گے۔ یہاں محمود کی فوج ہندوستان پر جہاد کرنے کیلئے تیار ملتی ہے اور اس کو لے کر وہ فورًا پنجاب' سندھ اور گجرات پہنچ جاتے اور لوٹ مار کر کے اس کو واپس لے جاتے ہیں پھر ڈیڑھ سو برس کے بعد شہاب الدین غوری کو ہندوستان لاتے ہیں اور اس کے بعد سے قرون وسطی کی تاریخ ہند کا سلسلہ آگے چلاتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اس دوری اور بعد مسافت کے باوجود تو یونان کی سرحد ہندوستان سے آ کر مل جاتی ہے لیکن اس قرب اور نزدیکی کے ہوتے بھی کیا ہندوستان اور افغانستان سے ایک طرف اور مکران اور سندھ سے دوسری طرف کوئی سرحد نہیں ملتی تھی؟ اور ان ملکوں میں آپس میں صلح و جنگ اور لڑائی اور میل کے تعلقات نہ تھے؟ اور ان کا سلسلہ ان سرحدی قبیلوں کے مسلمان ہونے سے پہلے قائم تھا یا نہیں؟ آخر ان کی تحقیق اور تفتیش اور ان کی ٹوٹی ہوئی کڑیوں کو باہم جوڑنا اور ملانا اور ان سے نتیجہ نکالنا ضروری ہے یا نہیں؟

ان کتابوں کے پڑھنے اور ان تاریخوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ محمود غزنوی تک ایک بھی مسلمان ملیچھ کا قدم اس پاک اور پوتر بھومی پر نہیں پڑا تھا اور مسلمانوں اور ہندوؤں میں آپس میں کسی قسم کا تعلق تھا نہ جان پہچان تھی نہ آمدورفت تھی حالانکہ گزشتہ صفحوں کے پڑھنے والوں کو یہ اچھی طرح معلوم ہو گیا ہوگا کہ ان دونوں قوموں کے درمیان کتنے متعدد اور مختلف پہلوؤں کے تعلقات قائم تھے۔

ہندوستان اور درہ خیبر پار کے ملکوں کے درمیان ہمیشہ سے صلح و جنگ کے متواتر تعلقات قائم تھے۔ اسلام سے پہلے ان ملکوں کی کیفیت یہ تھی کہ جب کبھی کابل کے شاہ کو قوت

حاصل ہوئی اس نے ویھند اور اور پشاور تک قبضہ کرلیا اور جب رائے لوھاور کو موقع ملا کابل و
قندھار تک اپنی سرحد قائم کر لی۔ یہی حال سندھ کی طرف تھا۔ کبھی شہنشاہ ایران نے مکران
سے دریائے سندھ تک قبضہ کرلیا اور کبھی سندھ کے راجہ نے بلوچستان ومکران لے کر ایران کی
سرحد سے سرحد ملا دی۔ یہی کیفیت ساتویں صدی عیسوی تک تھی۔ جب ادھر اسلامی فتوحات
نے قدم بڑھانا اور ان ملکوں کے قبیلوں اور قوموں نے اسلام قبول کرنا شروع کیا ادھر سب
سے پہلی اسلام کی سلطنت سامانیہ حکومت ہے جس نے بخارا کو اپنا دارالحکومت بنایا لیکن اس
کے زمانہ میں بھی کابل سے آگے توجہ نہ کی جاسکی۔ اسکے بعد صفاریہ حکومت جو چند روزہ قائم
ہوئی تھی اس نے کابل وقندھار سے آگے اپنی نظر بڑھائی۔ خلافت عباسیہ نے سندھ کی برائے
نام حکومت بھی اسی کے سپرد کر دی تھی۔ اس کے بعد سامانیہ حکومت کے حدود سے ہٹ کر اس
کے ایک ترک افسر الب تگین نے اس لئے تا کہ وہ اپنے آقا کے فوجی حملہ اور سزا سے محفوظ
رہے اس دور دست علاقہ کو اپنی کوششوں کی جولانگاہ اور غزنین کو اپنی خودمختار حکومت کا مرکز
بنایا۔ یہ چوتھی صدی ہجری کے بیچ کا واقعہ ہے اسی حکومت غزنین کا دوسرا کہو یا تیسرا تاجدار
سلطان محمود غزنوی ہے۔ اس نے اپنی ۳۳ برس کی حکومت میں غزنین کی چاروں طرف کے
ملکوں اور حکومتوں کو خواہ وہ مسلمان ہوں یا نہ ہوں اپنے بے پناہ حملوں سے مجبور کر کے اپنی
چھوٹی سے موروثی حکومت میں داخل کر کے ایک عظیم الشان سلطنت کی بنیاد ڈال دی۔ اس
نے غزنین کی ایک طرف کاشغر کی اسلامی ایلخانی حکومت کو دوسری طرف خود اپنے آقا
سامانیوں کی حکومت کو تیسری طرف ویلمیوں کی حکومت کو طبرستان کی حکومت آل زیاد کو مشرق
کی سمت میں غوریوں کی سرزمین کو جواب تک نہ تو مسلمان تھے اور نہ کبھی کسی سلطنت کے
ماتحت رہے تھے اور اس کے بعد مشرقی سمت میں ملتان اور سندھ کے عرب امیروں کو پھر
لاہور اور ہندوستان کے بعض راجاؤں کو زیروزبر کر کے غزنین کی سلطنت قائم کی۔ ان میں
سے ہندوستان اور غور کے سوا باقی کل خالص مسلمانوں کی سلطنتیں تھیں۔

چونکہ اس بیان کی تفصیلات میرے مضمون کے دائرہ سے باہر ہیں اس لئے صرف سلسلہ
کے لئے یہ چند سطریں لکھ کر تاریخ ہند کے علمبرداروں کی توجہ ادھر ملتفت کرتا ہوں کہ وہ محمود
سے پہلے کے افغانستان اور ہندوستان کے تعلقات پر تلاش ومحنت سے مواد فراہم کریں اور
کسی نئے نتیجہ سے باخبر کریں۔

اوپر کی تفصیل سے یہ اندازہ ہوگا کہ افغانی کوہستان کے دروں سے مسلمانوں کی ہندوستانی راجاؤں کے ساتھ قوت آزمائی محض مذہبی جذبہ کا نتیجہ نہ تھی بلکہ صدیوں کی قومی لڑائیوں کے سلسلہ کی یہ ایک کڑی ہے۔

بہرحال یہ تو شمالی ہندوستان کا حال تھا لیکن جنوبی ہندوستان کی کیفیت دوسری تھی۔ سنہ ۴۱۶ ھ (سنہ ۱۰۲۶ع) میں محمود غزنوی سنہ ۵۷۴ ھ (سنہ ۱۱۷۸ع) میں شہاب الدین غوری اور سنہ ۵۹۲ ھ (سنہ ۱۱۹۶ع) میں قطب الدین ایبک گجرات پر دھاوے کر کے بادل کی طرح آئے اور آندھی کی طرح نکل گئے۔ البتہ اس کے سو برس بعد باگھیلہ راجہ اور اس کے وزیر مادھو کی باہمی رنجش اور آزردگی اور مادھو کی دعوت نے سب سے پہلے علاؤ الدین خلجی کو سنہ ۶۹۷ ھ (سنہ ۱۲۹۷ع) میں گجرات کا حاکم بنا دیا۔ علاؤ الدین خلجی نے گجرات سے لے کر سمندر کے کنارے کنارے کارومنڈل تک کا علاقہ فتح کیا۔ مگر فتوحات کا یہ سلسلہ اس جہاز کی طرح تھا جو اپنے زور میں سمندر کے سینہ کو چاک کر کے آگے بڑھتا جاتا ہے لیکن جیسے ہی وہ ایک قدم آگے بڑھتا ہے پیچھے پانی سمٹ کر ایسا ہو جاتا ہے کہ پانی کی سطح میں اس غیر معمولی شگاف کا نشان بھی نہیں ملتا۔ یہ گویا خلجی سپہ سالار کی ایک فوجی سیر و سیاحت تھی۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ سنہ ۷۰۹ ھ (سنہ ۱۳۰۹ع) میں اس کے ایک افسر ملک کافور نے کرناٹک فتح کر لیا لیکن اس کے بعد سنہ ۸۲۷ ھ (سنہ ۱۳۱۳ع) میں دکن کی سمت میں بیجانگر کی عظیم الشان ہندو سلطنت قائم ہوگئی جو صدیوں تک جنوبی ہند کو شمالی ہند کے مسلمان حملہ آوروں سے بچاتی رہی اور ملک کافور کے فتوحات کے سلسلہ میں معبر (کارومنڈل) میں جو ایک چھوٹی سی اسلامی حکومت قائم ہوگئی تھی وہ بھی چالیس برس بعد مٹ کر بیجانگر کے دائرہ حکومت میں داخل ہوگئی۔

مگر اس لڑائی بھڑائی جنگ و جدل فوج کشی اور حملہ آوری کے حدود سے دور اور الگ ان مسلمان عربوں اور عراقیوں کی آبادیاں تھیں جو خشکی کی راہ اتر سے دکھن نہیں آئے تھے بلکہ سمندر کے کناروں سے چل کر ان علاقوں میں آباد ہوئے تھے اور آتے جاتے رہتے تھے۔

یہ بالکل کھلی ہوئی بات ہے کہ شمالی ہند سے پہلے جنوبی ہند میں مسلمانوں کی نو آبادیاں قائم ہوئیں اور اس کا سلسلہ درحقیقت تجارتی آمدورفت سے وابستہ ہے۔ اس علاقہ میں نہ صرف یہ کہ باہر سے مسلمان آ کر آباد ہوئے بلکہ خود ملک کے باشندوں نے بھی اسلام قبول

کرنا شروع کر دیا تھا اس اثر اور نتیجہ کے پیدا ہونے کے متعلق مختلف روایتیں مشہور ہیں اور تاریخ کی کتابوں اور سفرناموں میں لکھی ہوئی ہیں ان کا مشترک مضمون یہ ہے کہ یہ اثر دوطرفہ کششوں کا نتیجہ تھا ایک تو عرب تاجروں کی آمدورفت اور دوسرے سراندیپ کے نقش قدم کی زیارت کو آنیوالے صوفیوں اور درویشوں کی کرامت۔

مسلمانوں کا پہلا مرکز سراندیپ

فرشتہ نے لکھا ہے کہ ''چونکہ اسلام کے پہلے ہی سے عرب ان جزیروں میں تاجرانہ آتے تھے اور یہاں کے لوگ عرب جایا کرتے تھے اس لئے سراندیپ کے راجہ کو اسلام اور مسلمانوں کا حال سب سے پہلے معلوم ہوا اور صحابہ کرام ہی کے زمانہ میں سنہ ۴۰ ھ میں (ساتویں صدی عیسوی کے شروع ہی میں) وہ مسلمان ہو گیا[۱] فرشتہ نے اپنے ماخذ کا حوالہ نہیں دیا ہے مگر ایک قدیم العہد تصنیف عجائب الہند سے جو تقریباً سنہ ۳۰۰ ھ میں لکھی گئی ہے اس روایت کی پوری تصدیق ہوتی ہے۔ بزرگ بن شہریار ناخدا جوان جزیروں کا جہاز راں تھا سراندیپ کے بیان میں لکھتا ہے۔

> ''ہندوستان کے پجاریوں، سناسیوں اور جوگیوں کی کئی قسمیں ہیں ان میں سے ایک ''بیکور'' [۲] ہوتے ہیں جن کی اصل سراندیپ سے ہے۔ یہ مسلمانوں سے بہت محبت کرتے ہیں اور ان کی طرف بہت میلان رکھتے ہیں وہ گرمی کے موسم میں ننگے رہتے ہیں۔ صرف چار انگل کی لنگوٹی کمر میں ایک ڈوری لگا کر باندھ لیتے ہیں اور جاڑوں میں گھاس کی چٹائی اوڑھ لیتے ہیں اور ان میں سے بعض ایک ایسا کپڑا پہنتے ہیں جس کو مختلف رنگوں کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں سے جوڑ کر سی لیتے ہیں اور بدن پر مردوں کی جلی ہوئی ہڈیوں کی راکھ مل لیتے ہیں اور سر اور داڑھی مونچھ کے بال منڈاتے ہیں اور دوسرے بال بڑھاتے ہیں، گلے میں انسان کی ایک کھوپڑی لٹکائے رہتے ہیں اور عبرت اور خاکساری کے لئے اسی میں کھاتے ہیں''۔

۱- فرشتہ جلد دوم مقالہ ہشتم سندھ صفحہ ۳۱۱ ۔ نولکشور

۲- غالباً یہی لفظ ہے جو کتاب البداء التاریخ اور سلیمان تاجر کے سفرنامہ وغیرہ میں کہیں بیکرجین اور کہیں بیکر تخین کے نام سے ملتا ہے۔

اس تصویر سے اور اس گروہ کے متعلق دوسرے عرب سیاحوں کے بیانات سے اس تسلیم میں کوئی شبہ نہیں رہتا کہ یہ لوگ بودھ مذہب کے پیرو ہوں گے۔

ہمارا ناخدا پھر اپنی کہانی شروع کرتا ہے۔

''سراندیپ اور اس کے آس پاس والوں کو پیغمبر اسلام کی بعثت کا حال جب معلوم ہوا تو انہوں نے اپنے میں سے ایک سمجھدار آدمی کو تحقیق حال کے لئے عرب روانہ کیا۔ وہ رکتے رکاتے جب مدینہ پہنچا تو رسول اللہ صلعم وفات پا چکے تھے۔ ابوبکر صدیق کی خلافت بھی ختم ہو چکی تھی اور حضرت عمر کا زمانہ تھا۔ ان سے ملا اور رسالت مآب ﷺ کے حالات دریافت کئے۔ حضرت عمر نے بتفصیل بیان کئے۔ جب وہ واپس ہوا تو مکران (بلوچستان کے پاس) پہنچ کر مر گیا۔ اس کے ساتھ اس کا ایک ہندو نوکر تھا وہ صحیح سلامت سراندیپ پہنچ گیا اور اس نے رسول اللہ ﷺ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کا سارا حال بیان کیا اور ان کے فقیرانہ اور درویشانہ طور وطریق کا ذکر کیا اور بتایا کہ وہ کیسے متواضع اور خاکسار ہیں اور پیوند لگے ہوئے کپڑے پہنتے ہیں اور مسجد میں سوتے ہیں۔ اب یہ لوگ مسلمانوں کے ساتھ جو اس قدر محبت اور میلان رکھتے ہیں وہ اسی سبب سے ہے'' (۱)

اس روایت کی تیسری تائید اس واقعہ سے ہوتی ہے کہ پہلی صدی ہجری کے آخر میں امویوں کی طرف سے حجاج عراق کا گورنر تھا اور جزائر ہند کی طرف عراق ہی کی بندرگاہ سے جہازات آتے جاتے تھے تو سراندیپ کے (جس کو عرب یاقوت کا جزیرہ بھی کہتے تھے) راجہ نے مسلمانوں کے ساتھ اپنی دوستی اور محبت کے اظہار کے طور پر ایک جہاز میں دوسرے تحفوں کے ساتھ ان مسلمان عورتوں اور لڑکیوں کو عراق روانہ کیا جن کے باپ وہاں تجارت کرتے تھے اور وہیں ان کو مسافرت میں بے والی وارث چھوڑ کر مر گئے تھے (۲) اس واقعہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ پہلی ہی صدی ہجری میں سراندیپ میں مسلمانوں کی نوآبادی قائم ہو چکی تھی۔ ابو

۱- عجائب الہند ص ۱۵۵۔۱۵۷

۲- فتوح البلدان بلاذری (سنہ ۲۷۹) ص ۴۳۵ (لیڈن)

زید سیرافی (سنہ ۳۰۰ھ) نے تیسری صدی ہجری کے اخیر میں یہاں عرب سوداگروں کے قیام کا اور آمدروفت کا تذکرہ کیا ہے۔(۱)

الغرض مختلف روایتوں سے اتنا مشترک نتیجہ نکلتا ہے کہ ان اطراف میں اسلام اور عربوں کی پہلی نوآبادی سراندیپ میں قائم ہوئی اور اس کی تاریخ کا آغاز پہلی صدی ہجری اور ساتویں صدی عیسوی تک پہنچ جاتا ہے۔

دوسرا مرکز مالدیپ

ان اطراف میں مسلمانوں اور عربوں کا دوسرا مرکز مالدیپ کا جزیرہ تھا جس کو عرب کبھی جزیرۃ المہل اور کبھی ان چھوٹے چھوٹے سب جزیروں کو ملا کر ''دیبات'' (۲) کہتے ہیں۔ ان جزیروں کا سب سے مفصل حال ابن بطوطہ نے بیان کیا ہے۔ اس کے زمانہ میں یعنی سلطان محمد تغلق کے زمانہ میں (سنہ ۷۰۰ھ) میں یہ جزیرہ پورا کا پورا مسلمان تھا اور ان میں عربوں اور دیسی مسلمانوں کی آبادیاں تھیں اور سلطان خدیجہ نام ایک بنگالی خاتون ان پر حکمراں تھی۔ ابن بطوطہ کے زمانہ میں یہاں یمن وغیرہ کے بہت سے علماء اور جہاز راں موجود تھے۔ ان کی زبانی اس جزیرہ کے لوگوں کے مسلمان ہو جانے کی کیفیت یہ درج کی ہے کہ یہاں کے لوگ پہلے بت پرست تھے۔ یہاں ہر مہینہ سمندر سے دیو کی شکل میں ایک بلا آتی تھی جب یہاں کے لوگ اس کو دیکھتے تھے تو ایک کنواری لڑکی کو بناؤ سنگار کر کے اس بت خانہ میں جو سمندر کے کنارے تھا چھوڑ آتے تھے لیکن مراکو کے ایک عرب شیخ ابوالبرکات بربری مغربی جو اتفاق سے یہاں آ گئے تھے۔ ان کی دعا اور برکت سے یہ بلا ان کے سر سے ٹلی۔ اس کرامت کو دیکھ کر وہاں کا راجہ شنورازہ اور تمام رعایا شیخ کے ہاتھ پر مسلمان ہو گئی۔ ابن بطوطہ کہتا ہے کہ وہاں کی اس مسجد کی محراب پر جس کو اس نومسلم راجہ نے بنایا تھا یہ کتبہ میں نے لکھا ہوا پایا۔

ہندوستان میں مسلمان

''سلطان احمد شنورازہ ابوالبرکات مغربی کے ہاتھ پر مسلمان ہوا''۔

۱- ابوزید سیرافی ص ۱۲۱ (پیرس)

۲- ''دیپ''، سنسکرت میں جزیرۃ کو کہتے ہیں۔

الغرض اس وقت سے لے کر آج تک یہ تمام جزیرے مسلمان ہیں اور ان میں بڑی تعداد مخلوط النسل عربوں کی ہے

تیسرا مرکز ملیبار

روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام اور عربوں کا تیسرا مرکز ہندوستان کا وہ آخری کنارہ ہےجس کو ہندوؤں کے پرانے زمانہ میں کیرالا کہتے تھے اور بعد کو ملیبار کہنے لگے (ملی پہاڑ اور بار ملک) اس کی حد عربی جغرافیہ نویسوں نے گجرات کے خاتمہ سے کولم واقع ٹراونکور تک بتائی ہے۔

تحفۃ المجاہدین کی روایت ہے جس کو فرشتہ نے نقل کیا ہے۔

''اسلام سے پہلے اور اسلام کے بعد یہودی اور عیسائی سوداگر یہاں آیا کرتے تھے اور یہاں بود و باش اختیار کر چکے تھے۔ جب اسلام پر دو سو برس گزرے عرب اور عجمی مسلمان درویشوں کی ایک جماعت حضرت آدم کے نقش قدم کی زیارت کے لئے سراندیپ جس کو لنکا کہتے ہیں جا رہی تھی۔ اتفاق یہ ہے کہ ان کا جہاز ہوا کے جھونکوں سے بہک کر ملیبار کے شہر کدنکلور (کدنگانور) کے کنارے آ کر لگا۔ شہر کے راجہ زیمود (سامری) نے ان کی بڑی آؤ بھگت کی۔ باتوں باتوں میں اسلام کا ذکر آ گیا۔ راجہ نے کہا میں نے یہودیوں اور عیسائیوں کی زبانی تمہارے پیغمبر کا اور مذہب کا حال سنا ہے' اب تم خود سناؤ۔ درویشوں نے اسلام کی حقیقت کو اس موثر انداز سے بیان کیا کہ اس نے راجہ کا دل موہ لیا۔ راجہ نے ان سے وعدہ لیا کہ واپسی میں بھی وہ ادھر ہی سے گزرتے جائیں۔ چنانچہ وہ وعدہ کے مطابق آئے۔ راجہ نے سب امراء کو بلا کر کہا کہ اب میں خدا کی یاد کرنا چاہتا ہوں اور یہ کہہ کر ملک برابر برابر سب افسروں میں تقسیم کر دیا اور خود چھپ کر ان درویشوں کے ساتھ عرب چلا گیا اور مسلمان ہو گیا اور ان درویشوں سے کہا کہ ملیبار میں اسلام کے پھیلانے کی صورت یہ ہے کہ تم لوگ ملیبار سے تجارت اور سوداگری کا کاروبار شروع کرو اور اپنے امراء

کے نام ایک وصیت نامہ لکھ کر سپرد کیا کہ ان پردیسی سوداگروں کے ساتھ ہر قسم کی مہربانی اور لطف کا برتاؤ کیا جائے اور ہر نیک کام میں ان کی مدد کی جائے اور ان کو اپنی عبادت گاہوں کے بنانے کی اجازت دی جائے اور اس طرح ان سے سلوک کیا جائے کہ ان کو وہاں رہنے کی اور اس کو وطن بنانے کی خواہش پیدا ہو۔ اس وقت سے عرب سوداگر اس ملک میں آنے جانے اور رہنے سہنے لگے۔

ایک دوسری روایت ہے (جس کو فرشتہ نے پہلے سے زیادہ صحیح مانا ہے اور میرے نزدیک وہ پہلے سے زیادہ غلط ہے) کہ زیمود کے اسلام کا واقعہ خود پیغمبر اسلام کے زمانہ میں پیش آیا۔ بہرحال یہ درویش پھر ملیبار واپس آئے اور کدنکور میں مسجد بنائی اور کچھ لوگ وہاں مقیم ہوئے اور کچھ لوگ موجودہ ٹراونکور کے شہر کولم میں جا کر رہے اور وہاں بھی مسجد بنائی پھر ہیلی ماروای، جرپتن، درپتن، فندرنیا (پنڈارانی) چالیات، فاکنور اور منگلور میں مسجدیں بنائیں اور نو آبادیاں قائم کیں''۔

یہ فرشتہ کا خلاصہ ہے مگر اصل تحفۃ المجاہدین کے ایک دو اقتباسات بھی مفید ہیں جن سے بعد کے زمانہ کا طرز عمل ظاہر ہوتا ہے۔

''ہندوستان کے مغربی ساحل کے بندرگاہوں میں مختلف ملکوں سے تاجر بکثرت آتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نئے شہر آباد ہو گئے ہیں اور مسلمانوں کی تجارت سے ان میں آبادی بڑھ گئی ہے اور مکانات کثرت سے بن گئے ہیں۔ یہاں کے سردار اور راجہ مسلمانوں پر سختیاں کرنے سے پرہیز کرتے ہیں۔ باوجودیکہ یہ سردار اور ان کی سپاہ بت پرست ہے مگر وہ مسلمانوں کے مذہب اور ان کے شعائر کا بہت کچھ پاس و لحاظ کرتے ہیں۔ بت پرستوں اور مسلمانوں کے اس اتحاد سے اس لئے اور تعجب ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی تعداد کل آبادی کا دسواں حصہ بھی نہیں...... بحیثیت مجموعی ملیبار کے ہندو راجاؤں کا برتاؤ مسلمانوں کے ساتھ عزت اور

مہربانی کا ہے کیونکہ ان کے ملک میں زیادہ شہروں کا آباد ہو جانا انہیں مسلمان تاجروں کی بودوباش کا نتیجہ ہے''[۱]۔

ملیبار کے یہی مسلمان عرب تاجر اور سوداگر اور تارکین وطن ہیں جو موپلا اور نائٹ کے ناموں سے ہندوستان میں مشہور ہیں اور جن کے ہاتھوں میں پرتگیزوں سے پہلے تک سمندر کی باگ تھی۔ ان کے ساتھ وہ لوگ بھی شامل ہو گئے ہیں جو دیسی باشندوں میں سے مسلمان ہو گئے ہیں یا شادی بیاہ کے ذریعہ سے ان کی برادری میں آ گئے ہیں۔

کولم

کولم کا شہر موجودہ ٹراونکور میں داخل ہے۔ عرب جہاز راں بہت پرانے زمانہ سے اس کا نام لیتے چلے آئے ہیں اور کہتے ہیں کہ ''یہ مسالوں والے ملک کا آخری شہر ہے''۔ یہاں سے جہاز عدن کو جایا کرتے تھے یہاں مسلمانوں کا ایک محلّہ آباد ہو گیا تھا اور ان کی ایک جامع مسجد بھی تھی۔[۲]

چوتھا مرکز معبر یا کارومنڈل

مدراس میں ملیبار کے دوسرے مقابل ساحل کو عرب معبر کہتے ہیں۔ اس کا موجودہ مشہور نام کارومنڈل ہے۔ معبر کا نام بھی عرب سیاحوں اور تاجروں میں خاص طور سے شہرت رکھتا تھا۔ ابن سعید مغربی نے چھٹی صدی کے آخر میں اس کا ذکر کیا ہے اور بتایا ہے کہ یہ کولم کے پورب تین چار دن کے راستہ پر دکھن کی طرف جھکا ہوا ہے[۳] زکریا قزوینی (سنہ ۶۸۶ھ) نے ساتویں صدی میں اس کا نام منڈل لکھا ہے اور یہاں کی عودلکڑی کی تعریف کی ہے[۴] اور اسی کے قریب راس کامران (راس کماری) کو جگہ دی ہے جس کی نسبت سے اس عود کو کامرونی (قامرونی) عود کہتے تھے[۵] ابوالفداء سنہ ۷۳۲ھ (سنہ ۱۳۱۳ع) نے راس

۱- تحفۃ المجاہدین بحوالہ دعوت اسلام ڈاکٹر آرنلڈ صفحہ ۳۸۲، ۳۸۳

۲- تقویم البلدان ص ۳۶۱

۳- التقویم البلدان ص ۳۶۱

۴- آثار البلاد قزوینی صفحہ ۸۲

۵- تقویم البلدان صفحہ ۳۵۵

کماری کوراس کمہری لکھا ہے [1] اور معبر کی حد یہ لکھی ہے کہ ''یہ ملیبار کے پورب کولم سے تین چار دن کی مسافت پر ہے اور اس کا آغاز کولم کے پورب سے ہے'' [2] ''پایہ تخت کا نام بیر دال (بیر دھول) ہے یہاں باہر سے گھوڑے لائے جاتے ہیں'' [3]

معلوم ہوتا ہے کہ ساحل کا یہ حصہ چند صدیوں کے بعد عربوں کے استعمال میں آیا ہے۔ چھٹی صدی کے آخر سے اس کا نام سننے میں آتا ہے۔ ساتویں صدی میں یہاں عربوں کا اچھا خاصہ عمل دخل معلوم ہوتا ہے۔ وصاف (المتوفی سنہ ۷۲۸ھ) اور رشید الدین جامع التواریخ کے مصنف (المتوفی سنہ ۷۱۸ھ) دونوں نے آٹھویں صدی کے آخر میں اپنی کتابیں لکھی ہیں۔ یہ زمانہ ہندوستان میں جلال الدین فیروز شاہ خلجی کا تھا۔ وصاف اور رشید دونوں قریب قریب بیک لفظ یہ لکھتے ہیں۔

> ''معبر کولم سے لے کر سینوار (نینور) کے ملک تک سمندر کے کنارے کنارے تین فرسنگ لمبا ہے۔ اس کے اندر بہت سے شہر اور گاؤں ہیں۔ راجہ کو یہاں کے لوگ دیوار کہتے ہیں جس کے معنی دولت والے کے ہیں۔ چین کے بڑے جہاز جن کو جنک کہتے ہیں یہاں چین، ماچین اور سندھ اور ہند کے ملکوں سے بیش قیمت سامان اور کپڑے لاتے ہیں۔ معبر سے ریشمی کپڑے خوشبودار لکڑی لے جاتے ہیں اور اس کے دریا سے بڑے موتی نکالے جاتے ہیں۔ یہاں کی پیداواریں عراق، خراسان، شام، روم اور یورپ تک جاتی ہیں۔ یہ ملک لال اور خوشبودار گھاسیں پیدا کرتا ہے۔ اس کے مندر میں بکثرت موتی ہیں۔ معبر ہندوستان کی کنجی ہے۔ چند سال پہلے سندر پانڈے یہاں کا دیوار تھا جس نے اپنے تین بھائیوں کے ساتھ مختلف سمتوں میں قوت حاصل کی۔ ملک تقی الدین بن عبدالرحمان بن محمد الطیبی جو شیخ جمال الدین کا بھائی ہے اس راجہ کا وزیر اور مشیر تھا جس کو پٹن، ملی پٹن، (پٹم اور ملی پٹم) اور بادل کی ریاست راجہ

۱- ایضاً ۳۵۴

۲- تقویم البلدان صفحہ ۳۵۵

۴- تاریخ وصاف کی تصنیف کا سال سنہ ۷۰۷ھ (سنہ ۱۳۰۷ع) ہے۔ الیٹ جلد ۳ ص ۴۴

نے سپرد کر دی تھی اور چونکہ معبر میں گھوڑے اچھے نہیں ہوتے اس لئے درمیان میں یہ معاہدہ تھا کہ جمال الدین ابراہیم دیوار کو چودہ سو مضبوط عرب گھوڑے کیش (قیس) (۱) کی بندرگاہ سے لا دیا کرے۔ سال میں دس ہزار گھوڑے خلیج' فارس کی دوسری بندرگاہوں سے جیسے قطیف' الحساء' بحرین' ہرمز وغیرہ سے آتے تھے اور ہر گھوڑے کی قیمت ۲۲۰ طلائی سکے (دینار) ہوگی۔ سنہ ۶۹۲ھ (سنہ ۱۲۹۳ء) میں دیوار مر گیا اور اس کی دولت اس کے وزیروں' مشیروں اور نائبوں میں بٹ گئی اور شیخ جمال الدین کو جو اس کا جانشین ہوا' کہتے ہیں کہ سات ہزار بیلوں کا بوجھ سونا اور جواہرات ہاتھ آئے اور تقی الدین پہلے کے معاہدہ کے مطابق اس کا نائب مقرر رہا'' (۲)

اسی زمانہ کے قریب مارکوپولو جب یہاں آیا ہے اس وقت یہاں کی حکومت پانچ ہندو راجاؤں کے ہاتھوں میں پائی مگر مسلمانوں کا تاجرانہ عمل و دخل بھی یہاں اس کو پورا نظر آیا اور گھوڑوں کی آمد عرب سے اس طرح تھی۔ کہتا ہے۔

''اس ملک میں گھوڑے نہیں ہوتے۔ ہرمز اور عدن کی بندرگاہوں سے سوداگر ہر سال گھوڑے لاتے ہیں اور پانچوں راجوں میں ہر سال دو دو ہزار گھوڑے خریدے جاتے ہیں اور ایک ایک گھوڑے کی قیمت پانچ پانچ سو دینار دی جاتی ہے''۔

یہاں کے موتی اور جواہرات کی لاتعداد دولت کا اس نے بھی ذکر کیا ہے۔

ہندو راجہ کیلئے مسلمانوں کی مسلمانوں سے لڑائی

اس کے بعد ہی سلطان علاؤ الدین خلجی کی فوج نے گجرات سے لے کر کارومنڈل تک زیر وزبر کر ڈالا۔ اس وقت تمام ہندوستان میں پہلی دفعہ یہ واقعہ پیش آتا ہے کہ کارومنڈل جس کا پایہ تخت اس وقت بیر دھول تھا اس کے راجہ کی طرف سے مسلمان عراقیوں اور عربوں

۱- عرب و ہند کے ''تجارتی تعلقات'' کے ضمن میں اس جزیرہ کا پورا حال گزر چکا ہے۔

۲- ترجمہ جامع التواریخ الیٹ جلد اول صفحہ ۶۹' ۷۰ وصاف نے زیادہ تحقیق اور تفصیل کے ساتھ اس کو لکھا ہے۔ دیکھو وصاف جلد ۲ ص ۳۲-۵۳

نے مسلمان ترک حملہ آوروں کا مقابلہ کیا۔ امیر خسرو دہلوی نے خزائن الفتوح میں جو علاؤ الدین خلجی کی انہیں فتوحات کی ایک رنگین اور بے معنی لفاظی سے بھری ہوئی تاریخ ہے اس واقعہ کو پوری تفصیل کے ساتھ نقل کیا ہے[۱] مسلمانوں نے اپنے عہد و پیمان اور دارالامن کی بنا پر دھول کے راجہ کی پوری مدد کی اور اس کی طرف سے ترک مسلمانوں سے خوب لڑے لیکن ترک بہادروں کا مقابلہ آسان نہ تھا۔ راجہ نے شکست کھائی اور ملک پر سلطان علاؤ الدین کے سپہ سالار ملک کافور نے قبضہ کر لیا۔ ان مسلمانوں کو جو اس سے لڑے تھے وہ سخت سزا دینا چاہتا تھا مگر انہوں نے قرآن اور کلمہ پڑھ پڑھ کر اپنا مسلمان ہونا ثابت کیا۔[۲]

یہ واقعہ سنہ ۷۱۰ھ (سنہ ۱۳۱۰ع) میں پیش آیا۔

الیٹ صاحب کی ایک غلطی

الیٹ نے اپنی کتاب کی دوسری جلد میں تاریخ علائی کے نام سے خزائن الفتوح کا خلاصہ کیا ہے۔ اس میں اس واقعہ کے ضمن میں خسرو کے ایک فقرہ کا یہ ترجمہ دیا ہے کہ ''یہ مسلمان نیم ہندو اور اپنے دین و مذہب سے بے خبر تھے'' [۳] لیکن یہ مطلب بالکل غلط ہے' حقیقت یہ ہے کہ امیر خسرو نے اپنے شاعرانہ مبالغہ اور انشا پردازی کی نری الفاظی میں ان مسلمانوں کو ہندو راجہ کے ساتھ دینے کے جرم میں بہت کچھ ابرا بھلا کہا ہے جس کا کوئی مقصود و مطلب نہیں ہے چہ جائیکہ اس کے معنی نیم ہندو کے ہوں۔ [۴]

پانچواں مرکز گجرات

عربوں کا پانچواں تجارتی محاذ گجرات' کاٹھیاواڑ' کچھ اور کوکن کا علاقہ تھا جہاں ولبھ رائے یا عربوں کے محبوب راجہ بلہرا کی حکومت تھی جس کی پہلی راجدھانی ولبھی پور تھا جو موجودہ بھاؤنگر کے پاس ایک بڑا شہر تھا اور عرب اس کو ہمیشہ مانگر یا مہانگر کے نام سے پکارتے تھے۔ آثار قدیمہ کی موجودہ تحقیقات سے ثابت ہوتا ہے کہ اس شہر کا دائرہ پانچ میل تک پھیلا ہوا تھا۔ یہاں کے بعض راجاؤں کا مذہب بودھ اور بعضوں کا جین تھا اور انہیں دونوں کے

۱- خزائن الفتوح امیر خسرو۔ مطبوعہ تاریخ جامع ملیہ اسلامیہ علی گڑھ سنہ ۱۹۲۷ع ص ۱۵۷-۱۲۶

۲- ج ۳ ص ۹۰

۳- دیکھو خزائن الفتوح ص ۱۶۱' ۱۶۲

۴- دیکھو خزائن الفتوح ص ۱۶۱' ۱۶۲

جھگڑوں میں شائد اس کا خاتمہ ہوا۔ اس راج کے زیر سایہ چھمور کی بندرگاہ جس کو عرب عیمور کہتے ہیں بہت ترقی پر تھی اس کے بعد کھمبایت وغیرہ کا درجہ تھا۔

سب سے پہلا عرب سیاح وتاجر جس نے اپنا سفرنامہ سنہ ۲۳۵ھ میں تمام کیا ہے یعنی سلیمان' اس نے وَلبھی راجہ کی بڑی تعریف کی ہے اور لکھا ہے ''اس کو اور اس کی رعایا کو عربوں اور مسلمانوں سے بڑی محبت ہے اور اس کی رعایا کا عقیدہ ہے کہ ہمارے راجاؤں کی عمریں اسی لئے زیادہ بڑی ہوتی ہیں کہ وہ عربوں کے ساتھ محبت سے پیش آتے ہیں''(۱)

ان اقتباسات سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب سوداگروں اور نوآبادکاروں اور یہاں کے لوگوں میں بڑے اچھے دوستانہ تعلقات تھے۔ یہی سبب ہے کہ اس راج کے مختلف شہروں میں عربوں کی آبادیاں کثرت سے قائم ہوگئی تھیں اور وہ اخیر اخیر تک قائم رہیں۔

اسی طرح طاقن یا داکھن یا دکھن کے راجہ کی نسبت بھی اس کا یہی بیان ہے کہ ''وہ بھی عربوں کے ساتھ بلہرا ہی کی طرح محبت رکھتا ہے''(۲) خاص گجرات یا گوجر (جزر) راجاؤں کی نسبت لکھتا ہے کہ ''وہ عربوں کی دشمن ہیں''(۳)

تیسری صدی ہجری کے آخر اور چوتھی صدی ہجری کے شروع میں جب بزرگ بن شہر یار ناخدا ادھر اپنے جہاز لاتا تھا تو ان اطراف میں عربوں اور عام مسلمانوں کی بڑی آبادی تھی۔ ایک نومسلم ہندو جہازراں بھی اس کو ملتا ہے جس نے اپنے جہازوں کے ذریعہ سے بڑی دولت کمائی تھی اور حج بھی ادا کیا تھا(۴) محمد بن مسلم سیراف کا ایک تاجر اس کو ملتا ہے جو تھانہ (بمبئی کے پاس) میں بیس برسوں سے زیادہ رہا تھا اور ہندوستان کے اکثر شہروں میں اس نے سفر کیا تھا اور ان تمام حالات سے واقف تھا(۵) چیمور (صیمور واقع گجرات) میں فسا (واقع فارس) کے ایک مسلمان ابوبکر سے اس کی ملاقات ہوئی(۶) گوا جس کو قدیم عرب

۱- ص ۲۶' ۲۷

۲- ص ۲۹

۳- ص ۲۸

۴- عجائب الہند ص ۱۶

۵- ص ۱۵۲

۶- ص ۱۵۷

صنداپور کہتے تھے اس کے راجہ کا مصاحب موسیٰ نام ایک مسلمان تھا[۱]۔

ہنرمند

یہ ایک فارسی لفظ ہے جس کے معنی ہنر والے کے ہیں لیکن عربوں نے ایک خاص معنی میں اس کو استعمال کیا ہے اور اخیر کی دال گرا کر وہ اس کو ہنرمن کہتے ہیں اور اس کا مصدر ''ہر منہ'' (ہنرمند ہونا) بناتے ہیں۔ اس کے اصطلاحی معنی اس مسلمان قاضی یا کونسل کے تھے جو غیر مسلم حکومتوں میں انہیں حکومتوں کی طرف سے مسلمانوں کے معاملات کو فیصل کرنے کے لئے مقرر کیا جاتا تھا۔ عربوں اور مسلمانوں کی حکومتوں کو جب دنیا میں پورا عروج حاصل تھا تو جس طرح آج کل یورپین قوموں کو ایشیا اور افریقہ کی سلطنتوں میں خاص خاص امتیازات حاصل ہیں اور ان کا مقدمہ کسی غیر یورپین کی عدالت میں پیش نہیں کیا جاتا اسی طرح عربوں اور مسلمانوں کی کیفیت بھی تھی اور اسی طرح کے حقوق انہوں نے بھی اپنے تعلق اور آمدورفت کے غیر اسلامی ملکوں میں حاصل کر لئے تھے۔ ترکستان، روم، چین اور ہندوستان میں مسلمانوں کے ان امتیازی حقوق کا پتہ چلتا ہے۔[۲] بہرحال اسی قاضی یا کونسل یا غیر حکومت کے مقرر کردہ مسلمان افسر کا نام ''ہنرمند'' تھا۔ تیسری صدی ہجری کے اخیر اور چوتھی صدی ہجری کے شروع میں چیمور میں عربوں کی اتنی بڑی آبادی ہوگئی تھی کہ ان کے لئے راجہ کو ایک ہنرمند مقرر کرنا پڑا تھا جس کا نام عباس بن ماہان تھا۔[۳]

ولبھ رائے کی عملداری

چوتھی صدی ہجری کے شروع میں مسعودی ہندوستان آیا سنہ ۳۰۳ھ میں وہ کھمبایت میں تھا۔ اس کے علاوہ وہ گجرات کے مختلف شہروں میں پھرا۔ ولبھ رائے (بلہرا) راجاؤں کے متعلق اس کی بھی شہادت وہی ہے جو اس کے ساتھ ستر برس پہلے سلیمان تاجر نے ظاہر کی تھی۔ کہتا ہے ''سندھ اور ہندوستان کے تمام راجاؤں میں راجہ بلہرا کے راج کی طرح اور کسی راج میں عربوں اور مسلمانوں کی اتنی عزت نہیں۔ اسلام اس راجہ کی حکومت میں معزز اور محفوظ

۱- ص ۱۵۷

۲- دیکھو ابن حوقل ص ۲۳۳

۳- عجائب الہند ص ۱۴۴

ہے اور اس کے ملک میں مسلمانوں کی مسجدیں اور جامع مسجدیں بنی ہیں جو ہر طرح آباد ہیں۔ یہاں کے راجہ چالیس چالیس، پچاس پچاس، برس راج کرتے ہیں۔ یہاں کے لوگوں کا یہ اعتقاد ہے کہ ہمارے راجاؤں کی عمریں اسی عدل وانصاف اور مسلمانوں کی عزت کرنے کے سبب سے لمبی ہوتی ہیں۔ گجرات کے راجہ کی دشمنی کا وہی حال ہے اور طاقن یا دھکن کے راج میں بھی مسلمانوں کی وہی عزت ہے۔(۱)

صیمور میں دس ہزار کی آبادی

صیمور (ولبھ رائے کی حکومت میں ایک شہر) میں عربوں اور مخلوط النسل مسلمانوں کی آبادی روز بروز بڑھتی جاتی ہے۔ جس زمانہ میں (سنہ ۳۰۴ھ میں) مسعودی آیا ہے صرف اسی ایک شہر میں مسلمانوں کی دس ہزار کی آبادی تھی۔

بیسر

خدا جانے یہ کیا لفظ ہے بہرحال اس کے معنی مسعودی نے یہ لکھے ہیں کہ وہ مسلمان جو ہندوستان میں پیدا ہوئے ہیں اس کی جمع بیاسرہ ہے۔ مسعودی کی یہ اہم عبارت حسب ذیل ہے۔

''میں سنہ ۳۰۴ھ میں لار کی سرزمین میں سے جو بلہرا کی حکومت میں ہے شہر چیمور (صیمور) میں موجود تھا اس زمانہ میں اس شہر کے حاکم کا نام جانچ تھا اور اس وقت وہاں دس ہزار مسلمان آباد تھے جو ہندوستان کے پیدا شدہ (بیاسرہ) اور سیراف، عماں، بصرہ اور بغداد اور دوسرے ملکوں کے تھے جنہوں نے یہاں بود و باش اختیار کر لی ہے۔ ان میں سے بہت سے معزز سوداگر ہیں جیسے موسیٰ بن اسحاق صندالونی (صنداپوری؟) اور ہنرمندی کے عہدہ پر ان دنوں ابوسعید معروف بن زکریا ممتاز تھے۔ ہنرمند سے مراد مسلمانوں کا سردار ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ راجہ مسلمانوں پر انہیں کے رئیسوں میں سے کسی کو سردار بنا دیتا ہے اور مسلمانوں کے معاملات اسی کے سپرد کر دیتا ہے اور بیاسرہ کے معنی ہیں وہ مسلمان جو ہندوستان میں پیدا ہوئے ہوں''(۲)

۱- مروج الذہب مسعودی جلد اول صفحہ ۳۸۲، ۳۸۴

۲- مروج الذہب مسعودی ج ۲ ص ۸۵، ۸۶ (لیڈن)

تھانہ میں

چھٹی صدی ہجری کے آخر میں سلطان شہاب الدین کا ہمعصر ابن سعید مغربی سنہ ۵۸۵ھ مراکش اور مصر میں بیٹھ کر بیرونی کی قانون مسعودی کی طرح جغرافیہ فلکی پر ایک کتاب لکھ رہا تھا۔ اس میں اس نے جنوبی ہند کے بعض شہروں کے نام لئے ہیں۔ تھانہ کے ذکر میں کہتا ہے کہ "یہ گجرات (لار) کا آخری شہر ہے۔ تاجروں کی زبان پر اس کا نام بہت مشہور ہے۔ اس ہندی ساحل پر رہنے والے سب ہندو ہیں جو بت پوجتے ہیں مگر اپنے ساتھ وہ مسلمانوں کو بھی بسا لیتے ہیں"(۱)

کھمبایت میں

کھمبایت کی نسبت اس کا بیان ہے کہ "یہ بھی ہندوستان کے ساحلی شہروں میں سے ہے جہاں تاجر جایا کرتے ہیں اس میں مسلمان بھی آباد ہیں"(۲) اس کے بعد ہی سلطان شمس الدین التمش کے زمانہ میں (سنہ ۶۲۵ھ) جامع الحکایات کا مصنف عوفی غالبًا سندھ سے کھمبایت گیا تھا۔ اس کا بیان ہے کہ "وہاں (کھمبایت میں) خوش عقیدہ اور دیندار مسلمانوں کی آبادی ہے اور ان کی ایک جامع مسجد بھی ہے اور اس کا ایک امام اور خطیب بھی ہے۔ گجرات کا راجہ جو نہر والہ میں رہتا تھا ان لوگوں کے ساتھ بہت عدل وانصاف کے ساتھ پیش آتا تھا۔(۳)

کھمبایت سے چیمور تک چوتھی صدی میں

ابن حوقل بغدادی جس نے چوتھی صدی ہجری میں گجرات سے سندھ تک سفر کیا تھا وہ بیان کرتا ہے کہ۔

"کھمبایت سے صیمور تک راجہ بھلرا (ولبھ رائے) کی حکومت ہے......اس میں غالب آبادی تو ہندوؤں کی ہے لیکن اس میں مسلمان بھی ہیں اور مسلمانوں پر حکومت خود مسلمانوں کی ہے یعنی راجہ کی طرف سے ایک مسلمان والی ان کے لئے مقرر ہوتا ہے...... ولبھ رائے

۱- بحوالہ تقویم البلدان ابوالفدا ء ص ۳۵۹

۲- ایضاً ص ۲۵۷

۳- جامع الحکایات عوفی کا قلمی نسخہ موجودہ دارالمصنفین (اعظم گڑھ)

کے علاقوں میں مسجدیں ہیں جن میں جمعہ کی نمازیں ادا کی جاتی ہیں اوراسی طرح ان میں اور نمازیں پڑھی جاتی ہیں اوراذان بھی علی الاعلان دی جاتی ہے''(۱)

کھمبایت سے کارومنڈل تک آٹھویں صدی ہجری میں

گجرات سے کارومنڈل تک جتنا علاقہ ملک کافورفتح کرتا چلا گیا تھا وہ ایک آندھی تھی جوآئی اور گزرگئی مگر ابتدا اور انتہا میں فتح علائی کا جوجھنڈا گڑا تھا۔ وہ نہ اکھڑ سکا تاہم وہ دونوں خودمختار ہوگئے۔ ادھر گجرات اور ادھر کارومنڈل بیچ میں سینکڑوں میل کے علاقہ بدستور ہندو رایوں اور راجاؤں کے زیرفرماں رہے۔ گجرات تو پھر ہمیشہ کے لئے اسلامی ہوگیا مگر کارومنڈل (معبر) میں حسن کیتھلی اوراس کے جانشین نے آٹھویں صدی کے وسط تک تقریباً چالیس برس تک حکومت کی پھر بیجانگر کے راجاؤں نے اس کوفتح کرلیا۔

مراکش کا مشہور سیاح ابن بطوطہ جواسی زمانہ میں ہندوستان آیا تھا اور محمد تغلق کی طرف سے ایک جوابی سفارت لے کر چین جا رہا تھا وہ دھلی سے کھمبایت اور پھر کھمبایت سے کارومنڈل گیا تھا جہاں سے چین کو جہازات جاتے تھے۔ اس پورے راستہ کی اسلامی آبادیوں اور وہاں کے حاکموں کا اس نے ذکر کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ خالص ہندوؤں کی آبادی اور حکومت میں کہاں کہاں مسلمان آباد تھے اوران کی کیا حالت تھی۔

کھمبایت

ابن بطوطہ دولت آباد اور ساگر ہوکر کھمبایت پہنچا ہے جوگجرات کی بڑی بندرگاہ تھی۔ یہ بندرگاہ کواب دھلی کی سلطنت سے برائے نام وابستہ تھا مگر یہاں کی تجارت' کاروبار'اثر واقتدار اورنظم ونسق تمام عرب اورعراق کے تاجروں اور جہاز رانوں کے ہاتھوں میں تھا جو یہاں پہلے سے آباد چلے آتے تھے۔ عربی وعراقی وعجمی مسلمانوں کی ہرطرف کثرت تھی اوران کی بنائی ہوئی مسجدیں اورخانقاہیں آباد تھیں۔ ابن بطوطہ کہتا ہے کہ ''یہ شہراپنی مسجدوں اور دوسری عمارتوں کے لحاظ سے بہترین شہر ہے اوراس کا سبب یہ بتاتا ہے کہ یہاں کے اکثر باشندے بیرونی ملکوں سے تجارت کرتے ہیں وہ ہمیشہ عمدہ مکانات اور خوبصورت مسجدیں بناتے رہتے ہیں اوران کے بنانے میں ایک دوسرے سے بڑھ جانے کا جذبہ پیدا ہے۔ عالیشان عمارتوں میں شریف

۱- ابن حوقل ص۲۳۳ (لیڈن)

سامری کا محل ہے۔اس کے پہلو میں عظیم الشان مسجد ہے اور ملک التجار گازرونی کا بھی بڑا مکان ہے اور اس کے ساتھ بھی ایک مسجد ہے اور تاجر شمس الدین کلاہ دوز کا گھر بہت بڑا ہے۔شہر میں حاجی ناصر کی خانقاہ ہے جو عراق کے شہر دیار بکر کے باشندہ تھے۔دوسری خانقاہ خواجہ اسحاق کی ہے جہاں فقیروں کے لئے لنگر بھی تقسیم ہوتا ہے (۱)۔

گاوی اور گندھار

گاوی اور گندھار یہ دونوں بھروچ کے ساتھ کی بندرگاہ تھے۔(آئین اکبری) ابن بطوطہ کھمبایت سے چل کر پہلے گاوی اور گاوی سے گندھار پہنچا۔کہتا ہے یہ دونوں ساحلی شہر راجہ جالینی کے قبضہ میں ہیں مگر وہ بادشاہ اسلام کے ماتحت ہے یہاں اس کو مسلمان آباد ملتے ہیں جن میں بہت سے راجہ کے درباریوں اور افسروں میں داخل تھے۔ان میں ایک خواجہ بہرہ نام تھا اور دوسرا ناخدا ابراہیم تھا جو چھ جہازوں کا مالک تھا۔ابن بطوطہ اسی گندھار میں ناخدا ابراہیم اور اس کے بھائی کے جہازوں میں سوار ہوا۔ان جہازوں کے نام جاگیر اور منورت تھے۔جہازوں میں پچاس تیرانداز اور پچاس حبشی سپاہی تھے۔

بیرم

یہ ایک چھوٹا سا جزیرہ ہے جو ہندوستان کے ساحل سے چار میل دور ہے (یہ عدن کے قریب کا بیرم نہیں) پہلے اس پر ہندو قابض تھے پھر مسلمانوں نے قبضہ کر لیا۔ابن بطوطہ کے زمانہ میں ملک التجار گازرونی نے اس کو تعمیر کیا اور وہاں مسلمانوں کو آباد کیا۔

گوگہ

یا گھوگہ (موجودہ بہاولنگر کے پاس ہے) یہاں راجہ ونکول کی حکومت تھی۔بہت بڑا شہر تھا۔بڑے بڑے بازار تھے یہاں اس نے ایک مسجد دیکھی جو حضرت خضر کی طرف منسوب تھی (جن کو عام لوگ سمندر میں ڈوبتوں کا سہارا سمجھتے ہیں) یہاں حیدری فقیروں کا ایک گروہ تھا۔

چنداپور

یہاں سے ہمارا مسافر چنداپور پہنچا جس کو عرب صنداپور کہتے تھے اور جس کو اسی تشابہ کی

۱- سفرنامہ ابن بطوطہ عربی مطبوعہ خیریہ مصر جلد دوم صفحہ ۱۲۸، ۱۲۹

وجہ سے میں نے کبھی سنگھا پور سمجھا تھا۔لیکن وہ درحقیقت موجودہ گوا کے پاس تھا۔ ہمارا سیاح یہاں ایک مسلمان سلطان سلطان جمال الدین ہنوری کی ریاست پاتا ہے۔ اس سلطان جمال الدین کا باپ حسن ایک جہازراں تھا۔سلطان جمال الدین راجہ ہریب (صحیح نام ہریر ہے اور یہ بیجانگر کا راجہ تھا) کے ماتحت تھا۔ یہاں ایک ہندوؤں کا اور دوسرا مسلمانوں کا محلّہ الگ الگ تھا۔ یہاں ایک عظیم الشان مسجد تھی' ابن بطوطہ کی نگاہ میں بغداد کی مسجدوں کا مقابلہ کرتی تھی۔

چنداپور کے پاس ہی ایک اور چھوٹی سی ساحلی آبادی تھی جہاں ایک گرجا بھی تھا اور وہاں کے ایک بتخانہ میں ایک بظاہر جوگی لیکن درحقیقت مسلمان صوفی سے اس کی ملاقات ہوتی ہے جوصرف اشاروں سے باتیں کرتا تھا۔

ہنور

جس کو ہونور کہتے ہیں اور جواب بھی احاطۂ بمبئی میں شمالی کنٹرا کے ضلع میں ہے۔ یہ سلطان جمال الدین کا اصلی مرکز تھا۔ یہاں ابن بطوطہ کو شیخ محمد ناگوری نام ایک صاحب خانقاہ بزرگ ملے اور فقیہ اسماعیل سے جو قرآن پاک کے استاد تھے اور نورالدین علی قاضی سے اور ایک اور امام سے ملاقات ہوئی۔ اس شہر میں اس نے عجیب بات یہ پائی کہ یہاں عورتوں' مردوں سب میں تعلیم کا برابر چرچا تھا۔شہر میں تیرہ مکتب لڑکیوں کے اور ۲۳ لڑکوں کے دیکھے۔ ہنور کی مسلمان عورتیں بھی ہندو عورتوں کی طرح ساری باندھتی تھیں۔ باشندوں کا ذریعہ معاش تجارت تھی۔ یہاں ابن بطوطہ کو اس مسلمان جوگی کا ایک پیام اور تحفہ ملا۔ باشندے امام شافعی کے پیرو تھے جس کے معنی یہ ہیں کہ وہ عرب تھے یا ان کی اولاد تھے۔

ملیبار

ہنور سے ابن بطوطہ کا جہاز ملیبار کے سواحل پر آ کر لگتا ہے۔کہتا ہے کہ اس علاقہ کی حد چنداپور سے کولم تک دو مہینہ کا راستہ ہے۔ یہ سیاہ مرچوں والا ملک ہے اس ملک میں چھوٹے بڑے بارہ ہندو راجہ ہیں۔ بڑے راجاؤں کے پاس پچاس پچاس ہزار اور چھوٹوں کے پاس تین چار ہزار فوج ہے۔ایک راجہ کا علاقہ ختم ہو کر جہاں دوسرے راجہ کا علاقہ شروع ہوتا ہے۔ وہاں لکڑی کا ایک پھاٹک لگا ہے جس پر اس علاقہ کے راجہ کا نام لکھا ہے۔ ہندو حکومت ہونے کے باوجود ان علاقوں میں مسلمانوں کی بڑی عزت ہے۔ چنداپور سے کولم تک ہر آدھ میل پر

لکڑی کا ایک مکان بنا ہے جس میں دکانیں اور چبوترے بنے ہیں ہر مسافر خواہ وہ مسلمان ہو یا ہندو ہو آرام کرتا ہے۔ ہر ایک مکان کے پاس ایک کنواں ہے جس پر ایک ہندو سب کو پانی پلاتا ہے۔ ہندوؤں کو برتن میں اور مسلمانوں کو اوک سے۔ ہندو باشندے مسلمانوں کو اپنے گھروں کے اندر نہیں آنے دیتے اور نہ اپنے برتنوں میں ان کو کھلاتے ہیں اور اگر کھلاتے ہیں تو یا اس برتن کو توڑ دیتے ہیں یا اسی مسلمان کو دے دیتے ہیں لیکن جہاں کہیں کوئی مسلمان نہ ہو وہاں وہ مسلمانوں کا کھانا پکا دیتے ہیں اور کیلے کے پتے پر رکھ دیتے ہیں جو باقی بچتا ہے وہ چیل کوے اور کتے کو کھلا دیتے ہیں۔ اس پورے راستہ میں ہر منزل میں مسلمان آباد ہیں جن کے پاس مسافر جا کر ٹھہرتے ہیں اور وہ ان کے لئے ہر چیز خرید کر کھانا پکا لیتے ہیں یہاں اگر مسلمانوں کی آبادی جا بجا نہ ہوتی تو مسلمان مسافروں کا یہاں سفر کرنا مشکل تھا۔ راستہ میں بھی اگر ہندو کسی مسلمان راہ چلتے کو دیکھتے ہیں تو راستہ سے ہٹ جاتے ہیں۔

ابی سرور

ملیبار کے جس شہر میں پہلے وہ داخل ہوتا ہے۔ اس کا نام وہ ابی سرور بتاتا ہے۔ ابوالفدا نے اپنے جغرافیہ میں اس شہر کا نام باسرور لکھا ہے۔ ابن بطوطہ کہتا ہے یہ ایک چھوٹی سی بندرگاہ ہے یہاں بھی مسلمانوں کی آبادی ہے اور ان کا سب سے بڑا آدمی یہاں شیخ جمعہ ہے جو ابی ستہ کے نام سے مشہور ہے بڑا مخیّر آدمی ہے اس نے اپنی دولت فقیروں اور محتاجوں کو بانٹ دی ہے یہاں ناریل کے درخت بہت ہیں۔

پاکنور

ابی سرور سے وہ پاکنور پہنچتا ہے (یہ مدارس میں جنوبی کنٹری میں برکور کے نام سے اب مشہور ہے یہ ابن بطوطہ کے زمانہ میں بیجانگر کے ماتحت تھا) کہتا ہے کہ یہاں کے راجہ کا نام باس دیو ہے اس کے پاس تیس جنگی جہاز ہیں لیکن ان کا امیرالبحر مسلمان ہے جو اچھا نہ تھا۔ تاجروں کو لوٹتا تھا۔ جب یہاں کوئی جہاز آتا ہے تو راجہ ''بندرگاہ کے حق'' کے نام سے کچھ وصول کرتا تھا۔ راجہ نے ابن بطوطہ کی بڑی خاطر کی۔ یہاں کا بڑا آدمی حسین سلاط ہے اور یہاں قاضی اور خطیب مقرر ہیں اور حسین سلاط کی بنوائی ہوئی ایک مسجد بھی ہے۔

یہاں سے وہ منگرور (منگلور) جا کر لنگر ڈالتا ہے۔ کہتا ہے کہ یہ ملیبار کا سب سے بڑا

دریائی موقع ہے۔اور فارس اور یمن کے اکثر تاجر یہاں اترتے ہیں۔اس کے راجہ کا نام رام دیو ہے۔ چار ہزار کے قریب مسلمان یہاں آباد ہیں ان کا محلّہ الگ ہے۔کبھی کبھی یہاں کے باشندوں سے ان کی لڑائی بھی ہوتی ہے مگر راجہ بیچ میں پڑ کر دونوں میں صلح کرادیتا ہے۔ یہاں ایک قاضی ہے جو نہایت لائق اور فیاض آدمی ہے جس کا نام بدرالدین ہے معبر (کارومنڈل) کا رہنے والا شافعی مذہب ہے۔ یہاں کے راجہ نے اپنے لڑکے کو جب ضمانت کے طور پر جہاز میں بھیجا تب ہم قاضی کے کہنے سے اترے تین دن تک ہماری ضیافت ان لوگوں نے کی۔

ہیلی

ہیلی نام گو اب کوئی بندر نہیں مگر کنانور سے سولہ میل شمال کی طرف پہاڑ کا کونا سمندر میں نکلا ہے اس کو کوہ ہیلی (ایلی) کہتے ہیں۔ابن بطوطہ کا بیان ہے کہ ''یہ بہت بڑا اور خوبصورت شہر ہے یہاں بڑے بڑے جہازات آتے ہیں چین کے جہاز یہیں آ کر ٹھہرتے ہیں۔ یہ شہر ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کے نزدیک مقدس ہے کیونکہ یہاں ایک جامع مسجد ہے جس کی نذر تمام جہاز والے مانتے ہیں اور دیتے ہیں اس کی نذرو نیاز کا ایک خزانہ ہے جس کا منتظم حسین نام وہاں کی مسجد کا امام ہے اور حسین وزان یہاں کے مسلمانوں کا سردار ہے۔ یہاں طالب علموں کی ایک جماعت ہے جس کو اسی جامع مسجد کے خزانہ سے وظیفہ ملتا ہے اس مسجد کے متعلق ایک لنگر خانہ بھی ہے جہاں سے مسافروں کو اور غریب مسلمانوں کو کھانا بٹتا ہے۔ یہاں مقدشوا (افریقہ) کے ایک درویش سے ابن بطوطہ کی ملاقات ہوتی ہے یہ بزرگ ہندوستان اور چین اور عرب کی سیاحت کر چکے تھے۔

جرپٹن

یہ ملیبار کے علاقہ میں شاید وہ مقام ہے جس کو اب سری کنداپورم کہتے ہیں۔پہلی صدی ہجری میں ملیبار کے راجہ کے مسلمان ہونے پر ملیبار کے مختلف شہروں میں جو مسجدیں بنی تھیں ان میں ایک یہاں بھی بنی تھی۔ابن بطوطہ کہتا ہے کہ ''یہاں کے راجہ کا نام کویل ہے یہ ملیبار کا بڑا راجہ ہے اس کے جہازات فارس، یمن اور عمان جاتے ہیں'' یہاں بغداد کے ایک عالم سے اس کی ملاقات ہوئی جن کا ایک بھائی یہاں کا بڑا سوداگر تھا اور جو بڑی دولت چھوڑ کر مرا تھا۔ ہندو راجہ مسلمان میت کے ترکہ میں سے کچھ نہیں لیتا بلکہ وہ مسلمانوں کے سردار کے پاس

امانت رہتا ہے۔ ابن بطوطہ کا بیان ہے کہ جب میں چلا ہوں تو وہ عالم صاحب اپنے متوفی بھائی کا سب سامان لے کر بغداد کی روانگی کی تیاری کر رہے تھے۔

دہ پٹن

یہ بھی راجہ کویل کی عملداری میں ہے سمندر کے کنارے یہ بڑا شہر ہے۔ باغات بکثرت ہیں ناریل' سیاہ مرچ' چھالیہ' پان اور اروی کی بہتات ہے۔ یہاں راجہ کویل کے بزرگوں میں سے کسی کا بنایا ہوا ایک نہایت خوبصورت تالاب ہے جس میں تراشے ہوئے سرخ پتھر لگے ہیں اور جس کے چاروں کونوں پر چار گنبد ہیں اور اسی کے قریب راجہ کویل کے باپ دادوں میں سے کسی کی بنوائی ہوئی مسجد بھی ہے۔ مسلمان اس تالاب میں نہاتے اور وضو کرتے اور اس مسجد میں نماز پڑھتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ وہ راجہ مسلمان تھا اس کے مسلمان ہونے کا قصہ ابن بطوطہ نے وہاں کے مسلمانوں کی زبانی یہ سنا کہ جہاں مسجد ہے وہاں ایک ایسا درخت تھا جس میں ہر خزاں کے موسم میں ایک ایسا پتا گرتا جس پر کلمہ لکھا ہوتا تھا جب یہ پتا گرتا تھا تو آدھا مسلمان اور آدھا ہندو لے لیتے تھے۔ اس سے بیماروں کو شفا ہو جاتی تھی۔ اسی کرامت کو دیکھ کر وہ راجہ مسلمان ہو گیا تھا۔ وہ عربی خط پڑھ سکتا تھا اس کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا مسلمان نہ ہوا اور اس نے اس درخت کو جڑ سے اکھڑوا دیا مگر وہ پھر نکل آیا۔ ابن بطوطہ کے زمانہ میں اس مسجد کے پاس وہ درخت موجود تھا اس کے سامنے ایک محراب بنی تھی۔

بودھ پٹن

دہ پٹن سے جہاز بودھ پٹن پہنچا یہاں یہی پہلی صدی ہجری والے نومسلم راجہ کی ایک مسجد تھی۔ ابن بطوطہ کا بیان ہے کہ یہ بھی سمندر کے کنارے ایک بڑا شہر ہے (یہ شاید شہر جالیام تھا جو موجودہ شہر بے پور کے قریب واقع تھا) ابن بطوطہ کہتا ہے کہ یہاں زیادہ تر برہمن آباد ہیں جو مسلمانوں سے بہت نفرت رکھتے ہیں اور مسلمان آباد نہیں۔ شہر کے باہر سمندر کنارے ایک مسجد ہے مسلمان مسافر وہیں جا کر ٹھہرتے ہیں یہ مسجد بھی اس لئے بچی ہوئی ہے کہ ایک دفعہ کسی برہمن نے اس کی چھت توڑ کر اس کی لکڑی اپنے گھر میں لگا لی تو اس کا گھر جل گیا جس میں وہ خود مع اپنے تمام خاندان اور اسباب کے جل کر مر گیا۔ اس وقت سے کوئی برہمن اس مسجد کو نہیں چھوتا بلکہ وہ اس مسجد کی خدمت اور حفاظت کرتے ہیں۔

آنے جانے والوں کے پینے کیلئے پانی کا انتظام کیا ہے اور اس کے دروازہ پر جالی لگا دی ہے تا کہ اس میں پرند نہ جائیں۔

پنڈ ارانی

یہاں سے نکل کر ہمارا سیاح پنڈ ارانی پہنچا جس کو وہ قندرینہ کہتا ہے اور جو کالی کٹ سے سولہ میل اتر ہے۔ کہتا ہے کہ "یہ بہت بڑا شہر ہے اس میں مسلمانوں کے تین محلے آباد ہیں ہر محلّہ میں ایک مسجد ہے، سمندر کے کنارہ سمندر کے رخ پر ایک پرفضا جامع مسجد ہے وہاں کا قاضی اور امام عمان کا رہنے والا ہے یہاں گرمیوں میں چین کے جہاز آ کر ٹھہرتے ہیں"۔

کالی کٹ

اب ہمارا سیاح ملیبار کے مشہور بندر کالی کٹ میں پہنچتا ہے۔ کہتا ہے کہ یہ ملیبار میں سب سے بڑا بندر ہے یہاں چین جاوا، سیلون، مالدیپ، یمن اور فارس کے سوداگر بلکہ تمام دنیا کے سوداگر آتے ہیں۔ یہاں کا بندر دنیا کی بڑی بندرگاہوں میں سے ہے۔ یہاں کا راجہ ہندو ہے جس کا لقب زیمور (سامری) ہے۔ یہ اسی طرح داڑھی منڈاتا ہے جس طرح (رومی) فرنگی لوگ جن کو میں نے وہاں دیکھا ہے منڈاتے ہیں لیکن یہاں کے سوداگروں اور تاجروں کا سردار مسلمان ہے اس کا نام ابراہیم شاہ بندر ہے وہ بحرین کا باشندہ ہے بڑا عالم اور سخی داتا ہے۔ ہر طرف کے سوداگر اس کے دسترخوان پر آ کر کھانا کھاتے ہیں۔ شہر کا قاضی فخر الدین عثانی ہے اور خانقاہ کا شیخ شہاب الدین گازرونی ہے۔ چین اور ہندوستان میں جو لوگ ابواسحاق گازرونی کی نذر مانتے ہیں۔ وہ اسی خانقاہ میں لا کر اپنی نذر پیش کرتے ہیں۔ ناخدا مثقال بھی یہیں رہتا ہے۔ یہ شخص بہت مشہور اور مالدار دریائی تاجر ہے اس کے اپنے جہاز ہیں جو ہندوستان، یمن، چین اور فارس سے تجارت کا سامان لاتے اور لے جاتے ہیں۔ راجہ کے نائب اور شیخ شہاب الدین اور ابراہیم شاہ بندر نے ابن بطوطہ کا استقبال سلطان محمد تغلق کے سفیر کی حیثیت سے طبل وعلم ونقارہ کے ساتھ کیا۔ ابن بطوطہ کہتا ہے کہ کالی کٹ کا راجہ بڑا عادل ہے۔ ایک دفعہ راجہ کے نائب کے بھتیجے نے ایک مسلمان تاجر کی تلوار چھین لی، تاجر نے اس کے چچا سے جا کر شکایت کی اس نے تحقیق کے بعد حکم دیا کہ اسی تلوار سے اس کے بھتیجے کے دو ٹکڑے کر دیئے جائیں۔

چین کے جہازات یہیں سے روانہ ہوتے تھے' اچھے موسم کے انتظار میں ابن بطوطہ کو مہینوں قیام کرنا پڑا۔ اس کے جہاز کا وکیل ملک شام کا رہنے والا سلیمان صفدی نام تھا اس کی غلطی سے یہ واقعہ پیش آیا کہ ابن بطوطہ کا مال و اسباب تو جہاز پر چڑھ گیا مگر وہ خود ساحل پر چھوٹ گیا اور آخر وہ خشکی کے راستہ سے کولم روانہ ہوا تا کہ وہاں وہ اس جہاز کو پا کر سوار ہو جائے۔

کولم

کولم موجودہ ٹراونکور میں داخل ہے۔ ابن بطوطہ کہتا ہے کہ ''تمام ملیبار میں یہ شہر سب سے زیادہ خوبصورت ہے' بازار بھی اچھے ہیں' سوداگر اتنے بڑے مالدار ہیں کہ پورے جہاز کے جہاز کا مال وہ ایک دفعہ خرید لیتے ہیں اور گودام میں رکھ کر بیچتے ہیں۔ مسلمان سوداگر بھی یہاں بکثرت ہیں۔ ان میں سب سے بڑا شہر آوہ کا باشندہ علاؤ الدین ہے۔ یہاں عراقی خاصی تعداد میں آباد ہیں' شہر کا قاضی قزوین کا ایک فاضل ہے۔ شہر میں سب سے دولت مند مسلمان محمد شاہ بندر ہے۔ اس کا بھائی تقی الدین بڑا فاضل ہے' یہاں کی جامع مسجد بھی اچھی اور خوبصورت ہے' یہاں کے راجہ کا نام تروری (بناتے ڈیری اس زبان میں راجہ کو کہتے ہیں) ہے۔ یہ مسلمانوں کی بڑی عزت کرتا ہے اور بہت منصف مزاج ہے' یہاں کالی کٹ والے شیخ شہاب الدین گازرونی کے بیٹے شیخ فخر الدین کی خانقاہ ہے۔

چالیات

ابن بطوطہ کو جہازوں کی تباہی کے سبب سے پھر اسی راستہ سے کالی کٹ کو واپس آنا پڑا۔ راستہ یں وہ چالیات میں ٹھہرا جس کو عرب شالیات کہتے تھے اور اب اس کو شالیا کہتے ہیں۔ یہ کالی کٹ کے قریب تھا' ابن بطوطہ یہاں کے کپڑوں کی صنعت کی تعریف کرتا ہے' وہ یہاں سے ہنور اور وہاں سے چنداپور (گوا) پہنچتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ راجہ (شاید بیجانگر کا راجہ مراد ہے) نے لڑ کر سلطان جمال الدین ہنوری کے ہاتھ سے یہاں کی ریاست چھین لی۔ ابن بطوطہ یہاں سے سوار ہو کر مالدیپ چلا گیا۔

مالدیپ

یہاں عرب مسلمانوں کی بڑی آبادی تھی اور سلطان خدیجہ حکمراں تھی اس کا پورا حال

اوپر گزر چکا ہے۔

سیلون

مالدیپ سے وہ سیلون آتا ہے، یہاں کا راجہ اس وقت اریا چکروتی نام تھا، اس کے پاس بہت سے جہازات تھے جو یمن تک جایا کرتے تھے۔ یہ راجہ فارسی زبان سمجھتا تھا، نقش قدم کی وجہ سے یہاں عربی اور عجمی مسلمان فقیروں اور درویشوں کی آمدروفت لگی تھی۔

کالی

پھرتا پھراتا وہ سیلون کے بندر کالی (قالی) میں پہنچتا ہے۔ یہاں سے آج بھی یورپ اور آسٹریلیا کو جہازات جاتے ہیں، یہاں کے جہازوں کا مالک ناخدا ابراہیم نام تھا، وہ کلمبو اور بطالہ سے جہاز پر سوار ہوکر ناخدا ابراہیم کے جہاز پر معبر (کارومنڈل) ہندوستان کے ساحل پر دوبارہ آیا۔

معبر (کارومنڈل)

ابن بطوطہ جس وقت کارومنڈل پہنچا ہے اس وقت وہاں غیاث الدین وامغانی بادشاہ تھا، یہ وہی حکومت تھی جو علاؤ الدین خلجی کے افسر ملک کافور کی فتح کے بعد یہاں قائم ہوگئی تھی۔ یہ غالباً سنہ ۷۴۱ھ (۱۳۴۱ع) تھا اس صدی کے اخیر میں بیجانگر کے راجہ نے اس اسلامی سلطنت کا خاتمہ کر دیا۔ شہر مدورا اس کا پایہ تخت تھا۔

دوارسمندر

جہاں اب مسیور کی ریاست ہے۔ وہاں اس وقت ھوسیالا خاندان کا راج تھا۔ اس کے پایہ تخت کا نام دوارسمندر تھا۔ اس وقت جو راجہ حکمراں تھا اس کا نام بلال دیو تھا۔ ابن بطوطہ نے اس کے لشکر کی تعداد ایک لاکھ بتائی ہے اس میں بیس ہزار کے قریب مسلمان تھے جو ابن بطوطہ کے بیان کے مطابق سب بھاگے ہوئے مجرم اور پہلے چور اور ڈاکو تھے مگر اتنے چور، ڈاکو اور مجرم کہاں سے آ گئے تھے شاید یہ ابن بطوطہ نے اس غصہ میں لکھ دیا ہے کہ یہ لوگ اس وقت کارومنڈل کے بادشاہ غیاث الدین سے جو ابن بطوطہ کا ساڑھو تھا برسرپرخاش تھے۔

بیجانگر

دریائے کرشنا سے لیکر سمندر کے کنارے تک بیجانگر کی عظیم الشان ہندو حکومت قائم تھی۔ کیا تعجب کی بات ہے کہ ایک طرف تو خشکی میں بہمنیوں کی اسلامی سلطنت سے اس کی دائمی لڑائی برپا تھی اور دوسری طرف سمندر کے راستہ سے عرب و فارس کے مسلمان بادشاہوں سے اس کے تعلقات قائم تھے اور چنانچہ امیر تیمور کے بیٹے مرزا شاہ رخ نے یہاں اپنی سفارت بھیجی تھی جس کے سروفد مولانا کمال الدین عبدالرزاق تھے۔ انہوں نے واپس جا کر بیجانگر کی سلطنت کے جاہ و جلال اور ترقی و کمال کا جو حال لکھا ہے اس کو خاوند شاہ نے روضۃ الصفا کے آخر میں اور حبیب السیر نے جغرافیہ کے حصہ میں منگلور، کالی کٹ اور بیجانگر کے ناموں کے نیچے نقل کیا ہے۔ بیجانگر کی فوج میں دس ہزار مسلمان موجود تھے اور بیجانگر کے راجہ ان کی فوجی قوت کی برتری کے سبب سے ان کی عزت کرتے تھے۔ مسجد بھی بنوادی تھی اور قرآن پاک کی تعظیم بھی کی جاتی تھی۔ [1]

حاضرین! ان دور دراز علاقوں میں پھرتے پھراتے اکتا گئے ہوں مگر آپ نے دیکھ لیا کہ ان دور افتادہ علاقوں میں مسلمان اسلامی جنگی فتوحات سے پہلے بھی کہاں کہاں اور کس کس صورت میں پھیلے تھے اور ہندو ہمسایوں اور راجاؤں سے ان کے تعلقات کیسے تھے؟ اور ہندو مسلمانوں کے تعلقات کا یہ منظر شمالی ہندوستان کے منظر سے کتنا مختلف ہے؟ اب آیئے تھوڑی دیر سندھ کے ریگستان کا بھی لطف اٹھائیں۔

چھٹا مرکز سندھ

گزر چکا ہے کہ عربوں نے کس طرح دیبل (ٹھٹھہ) سے ملتان تک پہلی صدی ہجری کے آخر میں فتح کیا مگر واقعہ یہ ہے کہ اس فتح بلکہ حملہ سے بھی پہلے سندھ میں مسلمان آباد ہو چکے تھے چنانچہ پانچ سو عرب مسلمان ایک عرب سردار کی ماتحتی میں مکران سے بھاگ کر سندھ کے راجہ داہر کے یہاں چلے آئے تھے [2] محمد بن قاسم نے پہلی صدی ہجری کے آخر میں سندھ اور ملتان کو فتح کیا۔ اس کے بعد سے تقریباً سوا سو برس تک یہ ملک پہلے دمشق پھر بغداد

۱- فرشتہ جلد اول ص ۳۳۳ نولکشور

۲- بلاذری فتوح سندھ

کی حکومت کا جزو رہا۔ تیسری صدی ہجری (نویں صدی عیسوی) کے بیچ میں معتصم باللہ کے بعد مرکز کی کمزوری کے سبب سے یہاں کے عرب گورنروں نے خودمختاری سی حاصل کر لی' اس کے بعد کہیں ہندو راجاؤں نے کسی کسی حصہ پر قبضہ کر لیا اور کہیں مسلمانوں نے اپنی ریاستیں کھڑی کر لیں۔ سلطان محمود غزنوی کے حملہ تک ان میں سے بعض بعض مسلمان ریاستیں سندھ میں قائم تھیں ان میں سے دو نسبتاً ذرا بڑی تھیں۔ ایک سندھ کے سرے پر منصورہ میں اور دوسری سندھ کے خاتمہ پر ملتان میں چوتھی صدی ہجری کے اخیر تک جو عرب سیاح یہاں آتے گئے ہیں وہ ان دونوں اسلامی ریاستوں کا حال بیان کرتے آئے ہیں۔ ملتان' منصورہ' دیبل اور دوسرے شہروں سے سلطان محمود کے وجود سے پہلے بیسیوں مسلمان عالم اور محدث پیدا ہوئے جن میں سے ایک ابومعشر نجیح سندھی ہیں جو دوسری صدی میں تھے اور جو سیرت کے امام سمجھے جاتے تھے اور جن کی یہ عزت تھی کہ جب انہوں نے انتقال کیا تو خلیفہ مہدی نے ان کے جنازہ کی نماز پڑھائی۔ اسی زمانہ کا ایک مشہور سندھی عربی شاعر ابوعطا سندھی ہے جس کا تلفظ گو درست نہ تھا مگر اس کے عربی اشعار کو خاص عرب اہل زبان نے بھی تسلیم کیا۔ اس درجہ اور رتبہ کے دوسرے بزرگوں کے نام یہاں گنائے جائیں تو ایک اور دفتر شروع ہو جائیگا اس لئے ان کو چھوڑتا ہوں۔

عربوں نے سندھ کا علاقہ فتح کرنے کے بعد وہاں اپنی نوآبادیاں قائم کیں۔ قریش' کلب' تمیم' اسد اور یمن و حجاز کے بہت سے قبیلے یہاں کے مختلف شہروں میں آ کر آباد ہوئے اور تیسری صدی ہجری کے بیچ تک ان کی حکومت ملتان سے لے کر سمندر تک کسی نہ کسی طرح قائم رہی لیکن آخر کار یمنی اور حجازی عربوں کی باہمی خانہ جنگی نے ان کو برباد کر دیا اور بہت سے علاقے ان کے ہاتھوں سے نکل گئے۔ تاہم ملتان اور منصورہ (سندھ) دو ریاستیں ان کی ایسی تھیں جو سلطان محمود غزنوی کے حملہ تک قائم رہیں۔ پہلے انہیں دونوں کا حال ذرا تفصیل سے بیان کرنا ہے۔

ملتان

گزر چکا ہے کہ اس شہر پر عربوں نے پہلی صدی ہجری (ساتویں صدی عیسوی) میں قبضہ کیا۔ اس وقت سے لے کر سلطان محمود غزنوی کے زمانے تک برابر اس پر عربوں کا ہی

قبضہ رہا۔ تیسری اور چوتھی صدی ہجری کے ہر عرب سیاح نے اس کا ذکر کیا ہے۔ سلطان محمود کے حملہ کے وقت اور اس کے بعد بھی برابر مسلمانوں کی نوآبادی یہاں قائم رہی۔ شروع میں سندھ کے دوسرے شہروں کے ساتھ ملتان پر بھی دمشق کے اموی خاندان کا قبضہ رہا۔ تیس پینتیس برس کے بعد زمانہ نے کروٹ لی' سنہ ۱۳۲ھ میں اسلامی حکومت کی مسند پر بنوامیہ کی جگہ بنوعباس بیٹھے اور حکومت کا مرکز دمشق سے ہٹ کر بغداد آ گیا۔ اس کے بعد تقریبا تیسری صدی ہجری کے شروع تک یعنی معتصم تک ملتان عباسی حکومت کے مرکز سے وابستہ رہا۔ اس کے بعد یہ ہوا کہ اگر خلیفہ زبردست ہوا تو اس نے اس دور دراز شہر پر قبضہ رکھا اور اگر کمزور ہوا تو یہاں کے والی اور عامل خودمختار بن گئے۔ اس زمانہ میں ملتان سندھ اور منصورہ کے والیوں کے پاس رہا مگر بعد کو ملتان سندھ سے بھی الگ ہو کر ایک خودمختار اور مستقل حکومت بن گیا۔ اس استقلال اور خودمختاری کی تاریخ غالبًا تیسری صدی ہجری کا وسط ہے۔

ملتان سے منصورہ صرف ایک شہر نہیں بلکہ پورا صوبہ ہے جو کبھی پوری ایک ریاست بلکہ سلطنت تھا۔ مصر کے وزیر ملہمی نے چوتھی صدی ہجری میں لکھا ہے کہ "اس کے حدود وسیع ہیں پچھّم طرف مکران اور دکھن میں منصورہ (سندھ) تک اس کی وسعت ہے"[۱] دریائے سندھ کے پاس جو قنوج تھا سنہ ۳۰۰ھ میں وہ ملتان میں تھا[۲] اس زمانہ میں ایک لاکھ اور بیس گاؤں شمار کے رو سے ملتان کی اسلامی ریاست کے حدود میں تھے۔[۳]

پرانی سلطنتوں میں یہ اکثر قاعدہ رہا ہے اور ہونا بھی چاہئے کہ مذہب کے غیر سرکاری فرقے بھاگ بھاگ کر حکومت کے آخری اور سرحدی ملکوں میں جا کر پناہ لیتے ہیں۔ مجوسی ایرانیوں اور عیسائی رومیوں میں بھی یہی دستور تھا اور مسلمان عربوں میں بھی یہی ہوا' چنانچہ پہلے آ چکا ہے کہ قزدار میں خارجی مسلمانوں کی آبادی اور انہیں کی ریاست قائم تھی۔ اسی طرح ملتان بھی شیعوں کے ایک فرقہ اسماعیلیہ کی جا پناہ بن گیا تھا اور بعد کو وہاں ان کی حکومت قائم ہوگئی تھی یہ خالص عربی النسل تھے اور اپنے کو سامہ بن لوئی کی اولاد کہتے تھے۔

۱- ابوالفدا کی تقویم البلدان ص ۳۵۰ (پیرس)

۲- مسعودی جلد اول ص ۳۷۲ (پیرس)

۳- ایضاً ص ۳۷۵

بنوسامہ کون تھے

قریش کے اجداد میں اوپر ایک نام لوئی بن غالب ہے اس لوئی کی ایک اولاد کا نام سامہ تھا۔ اسی خاندان کو بنوسامہ [۱] کہتے تھے۔ اسلام میں اس خاندان کا عروج معتضد کے زمانہ میں (سنہ ۲۷۹ھ سنہ ۲۸۶ھ) میں ہوا۔ اس کی صورت یہ ہوئی کہ عرب کے صوبہ عمان میں خارجیوں کی کثرت تھی خلیفہ نے محمد بن قاسم کو ان کی سرکوبی کے لئے متعین کیا۔ اس نے خوارج کو شکست دی اور عمان میں اپنی ریاست قائم کی اور اہل سنت کے مذہب کو رائج کیا۔ یہ اس خاندان کا پہلا امیر ہے اور اس کے بعد اس کی اولاد اس ریاست پر برابر قابض رہی۔ سنہ ۳۰۵ھ میں ان میں باہم خانہ جنگی ہوئی۔ قرامطہ جو بحرین میں اس وقت زور پکڑ رہے تھے۔ انہوں نے اس سے فائدہ اٹھایا یہاں تک کہ سنہ ۳۱۷ھ میں ابوطاہر قرمطی نے عمان کو اس کے قبضہ سے نکال کر قرمطی حدود سلطنت میں داخل کر لیا۔ [۲]

عمان اور سندھ کی دریائی آمدورفت اور بحری تجارت ہمیشہ سے قائم تھی اور غالباً بنوسامہ کا تعلق سندھ سے بہت پرانا تھا چنانچہ بنوسامہ کے غلام فضل بن ماہان اور فضل بن ماہان کے بعض اہل خاندان سندھ کے ایک مقام سندان پر مامون کے زمانہ سے لے کر معتصم باللہ (سنہ ۲۲۷ھ) تک حکومت کی اور پھر برادرانہ خانہ جنگی میں برباد ہوئی۔ [۳]

اس تعلق سے یہ تعجب کی بات نہیں اگر عمان میں بنوسامہ کی ریاست تباہ ہونے کے بعد وہ قرامطہ سے بھاگ کر سندھ اور سندھ سے ملتان چلے آئے ہوں اور یہاں خدا نے ان کو پھر نئی سلطنت عطا کی ہو۔ بہر حال یہی بنوسامہ ملتان کے امراء تھے اور انہیں کو پچھلے مورث کے لحاظ سے بنومنبہ بھی کہتے تھے اور تیسری صدی ہجری کے خاتمہ میں سب سے پہلے ان کی خود مختار ریاست کا نام ہم کو ملتا ہے۔

بنومنبہ

سب سے پہلے ابن رستہ جس کا زمانہ سنہ ۲۹۰ھ ہے۔ اپنی کتاب الاعلاق النفسیہ کے

۱- ابن خلدون نے اس کی بار بار تصریح کی ہے کہ بنوسامہ کا اس سامہ بن لوئی کے خاندان سے ہونا قریش کے اکثر سب دان تسلیم نہیں کرتے دیکھو ابن خلدون ج ۱ ص ۳۲۴ و جلد ۴ ص ۹۳

۲- ایضاً جلد ۴ ص ۹۳ (مصر)

۳- بلاذری ص ۴۴۶ (لیڈن)

حصہ جغرافیہ میں کہتا ہے۔

''ملتان میں ایک قوم رہتی ہے جو دعویٰ کرتی ہے کہ وہ سامہ بن لوئی [1] کے خاندان سے ہے' ان کو لوگ بنو منبہ کہتے ہیں اور وہی وہاں بادشاہ ہیں اور وہ امیر المومنین کا خطبہ پڑھتے ہیں۔ ہندوستان کے راجہ ان سے لڑنے آتے ہیں تو وہ بھی ملتان سے اپنی بڑی فوج لے کر نکلتے ہیں اور ان سے لڑتے ہیں اور اپنی دولت اور قوت کے سبب سے ان پر غالب آتے ہیں۔'' [2]

اس کے دس برس کے بعد مسعودی سنہ ۳۰۰ ھ کے بعد ہی ملتان پہنچتا ہے وہ لکھتا ہے۔

''ملتان کا امیر جیسا کہ ہم نے کہا ہے کہ سلطنت یہاں سامہ بن لوئی بن غالب کے ہاتھ میں ہے اس کے پاس فوج اور قوت ہے اور ملتان اسلامی حکومت کی بڑی سرحدوں میں سے ایک سرحد ہے۔ ملتان کے تابع اس کے چاروں طرف ایک لاکھ بیس گاؤں ایسے ہیں جو شمار میں آئے ہیں اور یہیں وہ مشہور بت خانہ ہے......امیر ملتان کی زیادہ تر آمدنی ان خوشبو لکڑیوں سے ہے جو دور دور سے اس بت خانہ کے لئے بھیجی جاتی ہیں...... جب کبھی ہندو اس پر حملہ کرتے ہیں اور مسلمان اس کے مقابلہ سے عاجز آتے ہیں تو وہ دھمکی دیتے ہیں کہ ہم اس بت خانہ کو توڑ دیں گے تو ہندو فوجیں واپس چلی جاتی ہیں۔ میرا ملتان جانا سنہ ۳۰۰ کے بعد ہوا اس وقت وہاں بادشاہ ابوالباب منبہ بن اسد قرشی سامی تھا۔'' [3]

مسعودی کے چالیس برس بعد سنہ ۳۴۰ میں اصطخری ہندوستان وارد ہوا وہ کہتا ہے۔

''شہر ملتان منصورہ سے آدھا ہے یہاں ایک بت خانہ ہے جس کے جاترے کیلئے لوگ دور دور سے آتے ہیں اور اس بت خانہ اور اس کے پجاریوں پر بڑی بڑی رقمیں خرچ کرتے ہیں۔ یہ بت خانہ بازار کے سب سے آباد حصہ میں ہے...... (بت کا حال ہے)......اور جو کچھ یہاں آتا

۱- بعض مورخون اور سیاحوں نے ''سامہ'' کے بجائے ''آسامہ'' کہیں کہیں لکھ دیا ہے یہ صحیح نہیں۔

۲- الاعلاق النفسیہ ابن رستہ ص ۱۳۵ لیڈن سنہ ۱۸۹۲

۳- مروج الذہب مسعودی جلد اول ص ۳۷۵' ۳۷۶ (پیرس)

ہے ملتان کا امیر اس کو لے لیتا ہے کچھ پجاریوں پر خرچ کرتا ہے اور کچھ اپنے لئے اٹھا رکھتا ہے اور جب کبھی کوئی ہندو راجہ اس پر حملہ کرنا چاہتا ہے تو وہ اس بت خانہ کے برباد کر دینے کی دھمکی دیتا ہے تو وہ واپس چلے جاتے ہیں اگر یہ نہ ہوتا تو ہندو راجہ اس کو ویران کر دیتے۔ ملتان کے چاروں طرف ایک مضبوط شہر پناہ ہے......شہر کے باہر آدھے فرسنگ پر بہت سی عمارتیں ہیں جن کا نام ''جندراون'' ہے یہ فوجی کیمپ ہے یہیں بادشاہ رہتا ہے وہ ملتان میں صرف جمعہ کو جاتا ہے' ہاتھی پر سوار ہو کر شہر میں جمعہ کی نماز پڑھنے جاتا ہے وہ نسلاً قریشی ہے' سامہ بن لوئی کے خاندان سے ہے۔ ملتان پر اس نے قبضہ کر لیا ہے اور منصورہ (سندھ) کے امیر یا کسی اور کا وہ تابع نہیں صرف خلیفہ کے نام کا خطبہ پڑھتا ہے''(۱)

اصطخری کے ۲۷ برس بعد سنہ ۳۶۷ھ میں ابن حوقل بغدادی ملتان آیا اس نے ملتان کا بہت کچھ حال لکھا ہے مگر یہاں کے باطنیوں اور اسماعیلیوں کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے حالانکہ یہ نئی بات یقیناً ذکر کے قابل تھی۔ اب ابن حوقل کے آٹھ برس بعد بشاری مقدسی ملتان میں قدم رکھتا ہے۔ وہ کہتا ہے۔

''ملتان والے شیعہ ہیں' اذان میں حی علی خیر العمل کہتے ہیں اور اقامت میں دو دفعہ تکبیر کہتے ہیں''(۲)

''ملتان میں خطبہ مصر کے فاطمی خلیفہ کا پڑھتے ہیں اور اسی کے حکم سے یہاں کا بندوبست ہوتا ہے اور یہاں سے برابر تحفے تحائف مصر کو بھیجے جاتے ہیں''۔(۳)

ان بیانات سے دوسرے واقعات کے علاوہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ ابن رستہ کے زمانے میں یعنی سنہ ۲۹۰ھ میں پھر مسعودی کے زمانہ میں بھی کیونکہ وہ خاموش ہے اور اصطخری کے زمانہ میں یعنی سنہ ۳۴۰ھ میں یہاں کی حکومت سمنیہ وں کے ہاتھ میں تھی اور خلیفہ بغداد کا

۱- اصطخری بحوالہ معجم البلدان یاقوت لفظ ''مولتان''

۲- احسن التقاسیم مقدسی ص ۴۸۱

۳- ایضاً ص ۴۸۵

خطبہ پڑھا جاتا تھا۔ سنہ ۳۶۷ھ تک کوئی قابل ذکر بات نہیں ہوئی لیکن سنہ ۳۷۵ھ میں یہ اسماعیلیوں کے ہاتھوں میں نظر آتا ہے اور مصر کے اسماعیلی فاطمی خلیفہ کے زیر اثر اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ملتان کے شاہی خاندان کا یہ مذہبی انقلاب سنہ ۳۴۰ھ بلکہ سنہ ۳۶۷ھ اور سنہ ۳۷۵ھ کے بیچ میں ہوا۔

اس قیاسی تاریخ کے تائید اس سے ہوتی ہے کہ مصر میں اسماعیلی فاطمیوں کی سلطنت بھی اسی زمانہ میں یعنی سنہ ۳۵۷ھ میں قائم ہوئی اور سنہ ۳۶۱ھ میں ان کا پایہ تخت افریقہ سے مصر کو منتقل ہوا۔ اس وقت دنیائے اسلام دو حصوں میں منقسم ہو رہی تھی۔ سمنیہ بغداد کے خلافت عباسیہ کو اور شیعہ مصر کی خلافت فاطمیہ کو مانتے تھے۔ یہ دونوں خلافتیں اپنے اپنے اثر اور اقتدار کو مختلف اسلامی ملکوں میں بڑھانے کے لئے رقیبانہ کوششوں میں مصروف تھیں یہاں تک کہ خود مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں بھی یہ رقیبانہ کاوشیں قائم تھیں اور جب کوئی نئی اسلامی ریاست قائم ہوتی تو دونوں کے داعی اور مبلغ اپنا کام شروع کر دیتے۔ گو یہ بغداد کی خلافت کے انحطاط کا اور مصر کے اوج ترقی کا زمانہ تھا کہ عباسیہ سلطنت بوڑھی ہو چکی تھی اور فاطمی حکومت کا عہد شباب تھا مگر اس کی تلافی اس سے ہو رہی تھی کہ مشرق میں جو نئی ترکی سلطنتیں قائم ہوئی تھیں وہ عباسیہ کو اپنا مقتدا تسلیم کر لیتی تھیں بخارا کے سامانیہ ان کے زیر اثر تھے۔ چوتھی صدی ہجری کے بیچ میں غزنویوں کا ظہور ہوا اور اس کے چالیس پچاس برس کے بعد سلجوقیوں کا پرچم لہرایا اور ان سب نے اپنی پوری فوجی قوت اور زور کے باوجود خلفائے عباسیہ کے سامنے سر جھکایا۔

سلطان محمود غزنوی کی شہرت کے آغاز کے ساتھ ہی خلیفہ بغداد نے سب سے پہلے سنہ ۳۸۷ اور سنہ ۳۹۰ کے بیچ میں اس کو خلعت فاخرہ بھیجا اور امین الملتہ یمین الدولہ (مذہب کا امین اور سلطنت کا دست راست) کا خطاب اس کو دیا اور اس کے بعد سنہ ۳۹۶ھ میں سلطان نے ملتان کے اسماعیلیوں کے خلاف فوج کشی کی اور سنہ ۴۰۱ میں وہاں کے قرمطی امیر کو گرفتار کر لیا' غالباً انہوں حالات کو دیکھ کر سنہ ۴۰۳ میں مصری فاطمیوں نے بھی محمود کے پاس اپنا سفیر بھیجا مگر سلطان نے اس کو باطنی سمجھ کر راستہ ہی میں پکڑ والیا اور مشہور سید حسین بن طاہر بن مسلم علوی کے سپرد کر دیا(۱) جنھوں نے اس کو مروا ڈالا۔

۱- اس فاطمی سفارت کا واقعہ زین الاخبار میں ہے ص ۷۱ (برلن)

ملتان کے قرامطہ

اب سوال یہ ہے کہ عرب جغرافیہ نویس سنہ۳۴۰ تک جس عرب سمنیہ خاندان بنومنبہ کو ملتان کا بادشاہ لکھتے ہیں۔اس کے بعد کا اسماعیلی خاندان وہی عرب بنومنبہ تھے جو سمنیہ سے اسماعیلی بن گئے تھے یا یہ کوئی دوسرا خاندان تھا؟ کتابوں کے پیش نظر ذخیرہ سے اس کا کوئی جواب ہم کو نہیں ملتا لیکن ابوریحان بیرونی کتاب الہند میں جس کو اس نے سنہ۴۶۴ھ میں لکھا ہے۔ملتان کے بت خانہ کی تاریخ بیان کرتے ہوئے کہتا ہے۔

> ''جب قرمطی (اسماعیلیہ) ملتان پر قابض ہوئے تو جلم بن شیبان نے جس نے یہاں غلبہ حاصل کرلیا تھا محمد بن قاسم کی جامع مسجد کو ایک اموی یادگار سمجھ کر بند کردیا اور اس بت خانہ کو توڑ کر مسجد بنالیا۔''(۱)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قرمطی خاندان جو چوتھی صدی کے آخر میں غالب ہوگیا تھا وہ کوئی دوسرا خاندان تھا اور اس کے بانی اول کا نام جام بن شیبان تھا اور جیسا کہ یہ نام ظاہر کرتے ہیں وہ بھی عرب تھا۔اس کے بعد بیرونی کہتا ہے کہ ''ان قرامطہ کا زمانہ ہم سے تقریباً ایک سو سال پہلے تھا'' (۲) کتاب الہند سنہ۴۲۴ھ میں لکھی گئی ہے۔اس سے سو سال پہلے سنہ ۳۲۴ھ ہوگا مگر ہم کو معلوم ہو چکا ہے کہ سنہ۳۴۰ھ تک یقینی طور سے یہاں بنومنبہ سمنیہ عرب خاندان کی حکومت تھی اسی لئے یہ سنہ۴۲۴ھ ملتان پر قرامطہ کے قبضہ کا سال نہیں ہے بلکہ عراق اور خلیج فارس کے سواحل پر ان کے ظہور کا زمانہ ہے۔

اصل یہ ہے کہ اس موقع پر تین اسلامی فرقوں کے نام گڈ مڈ ہو گئے ہیں۔قرامطہ' اسماعیلیہ اور ملاحدہ گو یہ تینوں اسماعیلی شیعیت ہی کی قسمیں ہیں مگر ان تینوں میں تھوڑا تھوڑا فرق ہے اور ان کی پیدائش کی تاریخ بھی الگ الگ ہے۔سب سے پہلے تیسری صدی کے آخر میں قرمطی بحرین اور خلیج فارس اور آخر عراق میں رونما ہوئے اسماعیلیہ افریقہ میں سنہ ۲۹۶ھ میں ظاہر ہوئے مگر یہ مصر میں سنہ۳۵۶ھ میں آئے اور ملاحدہ جن کا دوسرا نام باطنیہ ہے اور جو حسن صباح کا گروہ تھا وہ سنہ۴۸۳ھ (سنہ۱۰۹۱ع) کے بعد خراسان میں ظاہر ہوا۔

مصر کے اسماعیلی فاطمی خلیفۃ الحاکم بامراللہ نے شام میں ایک اور فرقہ پیدا کیا تھا جس کا

۱- کتاب الہند ص۱۰۵ (لندن)

۲- کتاب الہند ص۵۶ (لندن)

مشہور نام دروز ہے۔ سوال یہ ہے کہ ملتان میں جو فرقہ برسر حکومت آ گیا تھا وہ اسماعیلی شیعہ تو یقینی تھا مگر ان میں سے کس فرقہ کا تھا۔ میرے نزدیک وہ فاطمی اسماعیلی شیعہ تھے جن کا مرکز مصر تھا۔ باقی جن مورخوں نے ان کو قرامطہ اور ملاحدہ کہا ہے وہ اس اشتباہ کے سبب سے کہہ دیا ہے جو ان فرقوں میں باہم ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ جس زمانہ میں یعنی سنہ ۳۴۰ھ کے بعد یہ ملتان میں قوت پاتے ہیں وہ زمانہ ہر جگہ قرامطہ کے انحطاط اور زوال کا تھا۔ دوسرے یہ کہ قرامطہ مصر کے فاطمی خلفاء کی سرداری کو برائے نام تسلیم کرتے تھے اور ملتان والے مصر ہی کے فاطمی خلفاء کو مانتے تھے۔ تیسرے یہ کہ بشاری مقدسی جو ایک مذہبی عالم تھا وہ ان کو قرامطہ نہیں بلکہ شیعہ لکھتا ہے اور فاطمیہ کے زیر اثر اور پھر اذان حی علی خیر العمل جمعہ اور خطبہ وغیرہ کے شعائر قرامطہ میں نہ تھے جن کا وجود ملتان کے اسماعیلیوں میں مقدسی کے بیاں سے ثابت ہے دروزی سنہ ۳۸۶ھ سے سنہ ۴۱۱ھ کی پیداوار ہیں جو بہت بعد کا زمانہ ہے اور باطنیہ یا ملاحدہ یعنی حسن بن صباح کا فرقہ تو اس کے سو برس بعد پیدا ہوا ہے اس لئے بعض مورخین کا ان کو ملاحدہ کہنا سراسر غلط ہے۔

یہ ممکن ہے کہ خلیج فارس، بحرین عمان کے قرامطیوں کے ذریعہ پہلے قرامطہ ہی کی حیثیت سے یہ لوگ پیدا ہوئے ہیں اور بعد کو قرامطہ کے زوال کے بعد انہیں نے فاطمی اسماعیلی رنگ اختیار کر لیا ہو کیونکہ قرامطہ بھی گویا نیم اسماعیلی ہی تھے۔

سلطان محمود کے حملہ کے وقت ملتان میں جو اسماعیلی خاندان حکمراں تھا فارسی تاریخوں کے رو سے اس کے مورث کا نام شیخ حمید تھا۔ فرشتہ نے خدا جانے کس ماخذ سے لکھا ہے کہ وہ ابتدائی مسلمان جو افغانستان پر حملہ کے وقت ادھر آ گئے تھے وہ بعد کو واپس نہ جا سکے اور انہوں نے کوہستان خیبر کے پٹھانوں میں شادی بیاہ شروع کر دیا۔ اس عربی و افغانی نسل سے لودھی اور سور دو قبیلے پیدا ہوئے۔ شیخ حمید اسی لودھی خاندان سے تھا۔ یہ تمام داستان قبائل کی اصلیت کی دوسری بے بنیاد باتوں کی طرح بے بنیاد ہے۔ لودھیوں نے کبھی اپنے نام کے ساتھ شیخ نہیں لکھا اور نہ اس قسم کے ان کے نام ہوتے تھے بلکہ اس زمانہ میں ان کا اسلام بھی مشکل سے تسلیم ہو سکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ فارسی مورخین کو ملتان کی عربی تاریخ سے مطلقاً آگاہی نہیں تھی اسی لئے وہ ملتان کے ان مسلمان رئیسوں کو افغانی سمجھنے پر مجبور تھے ورنہ شیخ حمید وغیرہ کا دراصل افغانوں سے کوئی تعلق نہ تھا بلکہ اغلباً وہ جام بن شیبان کی نسل سے تھے

جس کا ذکر بیرونی کے حوالہ سے ابھی گزرا ہے۔ مزید تفصیل آگے آتی ہے۔

فرشتہ میں ہے کہ الپ تگین نے اور اس کے جانشین سبکتگین نے جب سرحد کے افغانوں پر حملے شروع کئے تو انہوں نے لاہور کے راجہ جے پال سے مدد مانگی۔ راجہ جے پال نے بھاٹیہ کے راجہ سے مشورہ کیا اور یہ طے کیا اور کہ چونکہ ہندوستان کی فوج جاڑوں میں سرحد کی سردی برداشت نہیں کر سکتی اس لئے پٹھانوں کو یہاں لا کر آباد کرنا چاہئے اور اس طرح شیخ حمید لودھی کو لمغان اور ملتان کی جاگیر دی۔ شیخ حمید نے اپنے حاکم مقرر کئے اور اس کے عوض اس نے ال تگین سنہ ۳۵۱ھ سنہ ۳۶۵ھ کے حملوں سے ہندوستان کو بچانے کی خدمت ادا کی [۱]۔ اس واقعہ میں پٹھانوں کو لا کر آباد کرنا اور شیخ حمید کو لودھی بتانا افسانہ ہے۔

الپ تگین کے بعد جب سنہ ۳۶۵ میں سبکتگین بادشاہ ہوا تو شیخ حمید نے غزنین کی بڑھتی ہوئی قوت کو دیکھ کر امیر سبکتگین سے صلح کر لی اور خود کو امیر کے باجگذاروں میں داخل کر لیا لیکن سنہ ۳۹۰ھ میں سلطان محمود نے جب غزنین کے تخت پر قدم رکھا اور پھر سنہ ۳۹۵ھ میں جب وہ بھاٹیہ کے راجہ بجراؤ پر حملہ کر رہا تھا تو ملتان کی ریاست شیخ حمید کے پوتے ابوالفتح داؤد بن نصیر بن شیخ حمید کے ہاتھ میں تھی اور فارسی تاریخوں میں اسی کو ملحد اور قرمطی (اسماعیلی) کہا گیا ہے ابوالفتح داؤد نے شاید سلطان محمود کے بڑھتے ہوئے حوصلہ کو دیکھ کر یہ چاہا کہ ہندو راجاؤں کے ساتھ مل کر اپنے کو بچائے چنانچہ بھاٹیہ کے حملہ کے وقت ابوالفتح نے محمود کے خلاف بجراؤ کی مدد کی۔ (۲)

سلطان اس دفعہ تو خاموش رہا مگر آئندہ سال سنہ ۳۹۶ھ میں اس نے ابوالفتح کو سزا دینے کا ارادہ کیا اور یہ چاہا کہ ملتان کے اوپر سے براہ راست (یعنی گویا ڈیرہ غازی خاں سے) آنے کے بجائے پشاور سے پنجاب ہو کر ملتان جائے تاکہ ابوالفتح کو خبر نہ ہونے پائے اس خیال سے اس نے پنجاب کے راجہ اندر پال سے راستہ مانگا کہ اس کے ملک سے ہو کر وہ سلطان کی فوج کو ملتان جانے دے دوسرے مورخین کی روایت یہ ہے کہ خود ابوالفتح نے سلطان کے ارادہ کا حال سن کر راجہ انند پال سے مدد مانگی' راجہ نے لاہور سے پشاور جا کر سلطان کو روکا مگر سلطان کی فوج اندر پال کو شکست دے کر اسی کے ملک سے ہو کر ملتان پہنچی

۱- یہ پورا واقعہ فرشتہ جلد اول ص ۱۷' ۱۸ نولکشور میں ہے۔

۲- یہ پورا واقعہ فرشتہ جلد اول ص ۲۴' ۲۵ نولکشور میں ہے۔

ابوالفتح قلعہ بند ہو گیا اور آخر اہل شہر نے بیچ میں پڑ کر اس بات پر صلح کر لی کہ ملتان سے مقررہ خراج غزنین پہنچتا رہے گا۔ ابوالفتح نے اپنے عقائد سے توبہ کی اور وعدہ کیا کہ اپنے ملک میں اسماعیلیت کے بجائے اہل سنت کے احکام کو جاری کرے گا۔ اس کے چند سال کے بعد (سنہ ۴۰۲ھ سے پہلے) سلطان نے پھر ملتان پر حملہ کیا اور اسماعیلیہ کا قلع قمع کیا اور داؤد بن نصیر کو پکڑ کر غزنین لے گیا اور غور کے قلعہ میں قید کر دیا جہاں وہ مر گیا۔ (۱)

یہ فرشتہ کا خلاصہ تھا مگر گردیزی جس کی تاریخ زین الاخبار سنہ ۴۴۱ھ کے قریب خاص غزنویوں کے عہد میں اور پایہ تخت میں لکھی گئی ہے اس میں ہے کہ ''اور غزنیں سے سلطان نے ملتان کا قصد کیا اور سونچا کہ یہاں سے اگر سیدھے ملتان جانا ہے تو شاید داؤد بن نصر (نصیر نہیں) کو جو ملتان کا امیر تھا خبر ہو جائے'' بچاؤ کا سامان کر لے اسلئے دوسرے راستہ سے چلا' انند پال راستہ میں پڑتا تھا اس سے راستہ مانگا' نہ دیا' لڑا' انند پال بھاگ کر کشمیر چلا گیا۔ سلطان ملتان پہنچا اور سات روز تک شہر کا محاصرہ کیا۔ آخر اہل شہر نے اس بات پر صلح کر لی کہ بیس ہزار درم خراج ادا کیا کریں' سلطان واپس گیا یہ سنہ ۳۹۶ھ میں ہوا...... پھر جب سنہ ۴۰۱ھ میں آیا' غزنین سے ملتان گیا اور ملتان کا جو حصہ باقی رہ گیا تھا اس کو بھی فتح کر لیا اور قرامطہ (اسماعیلیہ) جو وہاں تھے ان میں سے اکثر کو گرفتار کر لیا بعضوں کو مار ڈالا' بعضوں کے ہاتھ کاٹے اور سخت سزا دی...... اور اسی سال داؤد بن نصر کو گرفتار کر لیا اور قلعہ غور میں قید کر دیا۔ (۲)

عربی کی مستند تاریخوں میں اس کے متعلق بہت مختصر بیان ہے اور بعض باتوں میں کسی قدر اختلاف بھی ہے مگر پھر بھی واقعہ کے بعض اہم اجزا ان میں یکساں ہیں۔ ابن اثیر (سنہ ۵۵۵ھ سنہ ۶۳۰ھ) میں ہے۔

''امسال (سنہ ۳۹۶ھ) میں سلطان محمود نے ملتان پر حملہ کیا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ سلطان کو ملتان کے والی ابوالفتوح کی بداعتقادی اور الحاد (اسماعیلیت) کے الزام کی خبر معلوم ہوئی اور یہ حال بھی معلوم ہوا کہ اس نے اپنی رعایا کو بھی اس بدمذہبی کی دعوت دی اور انہوں نے قبول کر لی ہے۔ یہ سن کر سلطان نے مناسب سمجھا کہ اس پر جہاد کرے اور جس حال پر وہ

۱- تاریخ فرشتہ ص ۲۵ ص ۲۷ نولکشور

۲- زین الاخبار گردیزی ص ۶۷' ۶۸ (برلن)

ہے اس سے وہ اس کو نیچے اتار دے تو وہ غزنین سے اس کی طرف چلا تو اس کو راستہ میں دریا اور ندیاں بکثرت ملیں اور ان میں پانی بڑے زور سے بہہ رہا تھا خاص کر سیحون کو عبور کرنا سخت مشکل تھا اس لیے سلطان نے انند پال کو کہلا بھیجا کہ وہ اپنے ملک ہو کر ملتان جانے کا راستہ دے، اس نے اس کو قبول نہیں کیا تو سلطان نے پہلے اسی پر حملہ کیا......انند پال بھاگ کر کشمیر چلا گیا اور جب ابوالفتوح نے سلطان کی آمد کا حال سنا تو اس کے مقابلہ اور اس کی نافرمانی کی قوت نہ پا کر اپنی دولت سراندیپ میں بھجوا دی اور ملتان خالی کر دیا جب سلطان وہاں پہنچا تو وہاں کے لوگوں کو ضلالت اور گمراہی میں اندھا پایا تو ان کا محاصرہ کیا اور لڑ کر قبضہ کیا اور ان پر بیس ہزار درہم جرمانہ کیا۔ (۱)

ابن خلدون نے بھی اپنی تاریخ میں انہیں واقعات کا اعادہ کیا ہے۔ (۲)

اس اقتباس سے ایک تو نام کی صحت ہوتی ہے کہ ابوالفتح کے بجائے ابوالفتوح تھا دوسرے یہ معلوم ہوتا ہے کہ غزنین سے براہ راست ملتان کا راستہ چھوڑ کر پنجاب کے راستہ سے ملتان جانے کی کیا وجہ تھی باقی ابوالفتوح کا اپنے خزانہ کو سراندیپ منتقل کر دینا بے اصل ہے شاید اس زمانہ کے مورخ کو معلوم نہ ہو کہ ملتان اور سراندیپ میں کتنا فصل ہے ممکن ہے کہ اصل نسخہ میں کسی اور شہر کا نام ہو اور غلطی سے سراندیپ چھپ گیا ہو۔ اسی کے بعد سنہ ۴۰۳ھ میں مصر کے فاطمی خلیفہ نے سلطان محمود سے تعلق پیدا کرنا چاہا مگر سلطان نے قبول نہ کیا اور سفیر مارا گیا جیسا کہ پہلے گزر چکا۔

اس سلسلہ میں نہایت اہم چیز دروزیوں کی مقدس کتاب کا ایک ٹکڑا ہے مصر کے اسماعیلی خلیفۃ الحاکم بامراللہ (سنہ ۳۸۶ھ سنہ ۴۱۱ھ) نے مصر و شام میں جو اپنا خاص فرقہ پیدا کیا تھا اسی کا نام دروزی ہے اور جو آج بھی شام و لبنان میں آباد ہے بہرحال دروز کی اس کتاب میں ایک تحریر ہے جو سنہ ۴۲۳ھ کی ہے اس کی بعض فقرے یہ ہیں۔ (۳)

''ملتان اور ہندوستان کے اہل توحید کے نام عموماً اور شیخ ابن سومر راجہ پال کے نام خصوصاً''

۱- کامل ابن اثیر ج ۹ ص ۱۳۲ (لیڈن)

۲- ابن خلدون ج ۴ ص ۳۶۶ (مصر)

۳- ضمیمہ الیٹ ج ا ص ۴۹۱

سنہ۴۲۳ھ سلطان محمود المتوفی سنہ ۴۲۱ھ کے جانشین بیٹے سلطان مسعود کا زمانہ ہے۔
اس سے ثابت ہوتا ہے کہ غزنویوں کے ملتان فتح کر لینے کے بعد بھی ملتان ان لوگوں کا مرکز تھا بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ غزنویوں کی کمزوری کے بعد ملتان پر پھر اسماعیلیوں نے قبضہ کر لیا تھا کیونکہ سلطان شہاب الدین غوری کے زمانہ میں ہم پھر ملتان پر اسماعیلیوں کو حکمران پاتے ہیں چنانچہ سنہ ۵۷۲ھ میں سلطان کو قرامطہ (اسماعیلیہ) کے ہاتھوں سے پھر ملتان کو نکالنا پڑا[1] اور آخر دھلی کی حکومت کا وہ ایک جزو ہو گیا۔

فرمانروایان ملتان کا سلسلہ

اوپر کے بیان سے فرمانروایان ملتان کے تین مختلف سلسلے ظاہر ہوتے ہیں۔

۱- منبہ بن اسد جو اسامہ بن لوی کے خاندان قریش میں سے تھا اور جس کے خاندان کو بنو منبہ کہتے تھے اور جس کا پتہ سنہ ۲۹۰ھ سے سنہ ۳۴۰ھ تک (ابن رستہ سے اصطخری تک) یقینی طور سے لگتا ہے۔

۲- جام بن شیبان جو بیرونی کے بیان کے مطابق وہ شخص ہے جو پہلا قرمطی یا اسماعیلی تھا جس نے ملتان پر قبضہ کیا تھا اس کا زمانہ سنہ ۳۴۰ھ بلکہ سنہ ۳۶۷ھ اور ۳۷۵ھ کے درمیان ہے یعنی اصطخری بلکہ ابن حوقل اور بشاری کے بیچ میں کیونکہ بشاری پہلا عرب سیاح ہے جو ملتان اور مصر کے فاطمیوں کے درمیان تعلق کا ذکر کرتا ہے۔

۳- شیخ حمید اور اس کا بیٹا نصیر یا نصر اور اس کا بیٹا ابوالفتح یا ابوالفتوح داؤد قرمطی، شیخ حمید الپتگین اور سبکتگین کا معاصر تھا یعنی سنہ ۳۵۱ھ سنہ ۳۹۰ھ تک شیخ حمید اور اس کے بیٹے نصر کا (گروہ بھی فرماں روا ہوا ہو) زمانہ قرار دیا جا سکتا ہے اور سلطان محمود کا معاصر ابوالفتح داؤد تھا اس لئے اس کی فرماں روائی کا عہد سنہ ۳۹۰ھ سے سنہ ۳۹۶ھ تک (ملتان کی پہلی فتح کا سنہ) بلکہ سنہ ۴۰۱ھ (ملتان کی دوسری فتح اور داؤد کی گرفتاری) تک ہوگا۔

پہلے اور دوسرے خاندانوں سے فارسی مورخین واقف نہیں ہیں بہرحال وہ عرب سیاحوں کے بیان کے مطابق خالص عرب تھے تیسرے سلسلہ سے سلطان محمود کے تعلق سے فارسی مورخین کی واقفیت ہے۔ اس سلسلہ میں یہ تصحیح کر لیجئے کہ جس کو وہ ابوالفتح کہتے ہیں، اس

۱- فرشتہ ج ۱ ص ۵۶ و جلد دوم ص ۳۲۴ نولکشور

کی عربی کنیت ابوالفتوح تھی اور جس کو وہ نصیر لکھتے ہیں وہ گردیزی کی سب سے پرانی سند کے مطابق نصر تھا۔ یہ لفظی تصحیح اس لئے اہم ہے کہ فرشتہ وغیرہ نے ان کو لودھی اور پٹھانوں کے خاندان سے منسوب کیا ہے مگر یہ نام شیخ حمید، نصر، داؤد خالص عربی قسم کے نام ہیں اور نصیر کے بجائے اور زیادہ نصر خالص عربی الوضع ہے۔ اسی طرح کنیت (ابوالفتح یا ابوالفتوح) خاص عربوں کی نشانی ہے اور خصوصاً ابوالفتوح جمع کی صورت میں) اور اس کے بعد لفظ ''شیخ'' کا اعزازی لقب خاص عربی ہے اور اسماعیلی باطنیوں میں لفظ ''شیخ'' خاص طور سے ''امیر'' کے معنی میں استعمال ہوتا تھا کیونکہ اس کی شان سیاسی سے زیادہ مذہبی ہوتی تھی اسی لئے خود حسن بن صباح کو شیخ الجبال (پہاڑی علاقوں کا شیخ) کہتے تھے ان وجوہ سے ان کو لودھی اور پٹھان بنانے کی داستان فرضی معلوم ہوتی ہے۔ اس زمانہ میں تو پٹھانوں میں اسلام کا رواج بھی بمشکل تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ اس بنا پر میری رائے یہی ہے کہ شیخ حمید، شیخ نصر اور ابوالفتوح داؤد وغیرہ نسبتاً عرب اور نسلاً جام بن شیبان ہی کی اولاد ہوں گے۔ ہندوستان کے ایک مشہور مصنف [1] نے یہ بالکل بے ثبوت بات لکھ دی ہے کہ یہ ابوالفتوح داؤد وہی تھا جو سندھ کی تاریخ میں سومرہ کے نام سے مشہور ہے۔ سومرہ اس کا ہندو اور ابوالفتح اس کا اسلامی نام تھا۔ یہ غلطی اس لئے سرزد ہوئی کہ وہ سمجھے کہ ملتان اور منصورہ دونوں میں ایک ہی خاندان کی حکومت تھی اس لئے جب ملتان کے سلسلے میں اس کا نام ابوالفتح تھا اور سندھ کے سلسلہ میں سومرہ کو ہونا چاہئے تو درحقیقت یہ دونوں نام ایک ہی شخص کے ہوں گے حالانکہ یہ قطعاً غلط ہے۔

کتاب الدروز کے خط کے ان ابتدائی فقروں سے ''ملتان اور ہندوستان کے عام موحدوں اور خاص کر شیخ ابن سومر راجہ بل کے نام'' یہ استدلال نہیں کیا جا سکتا کہا ابن سومری ملتان کا بادشاہ تھا۔ ملتان کے سلسلہ میں سومر کا نام نہ کسی مورخ نے لیا ہے اور نہ اور کسی سند سے ثابت ہے۔ سومریوں کا تعلق صرف سندھ سے تھا جو مدت سے ملتان سے بالکل الگ اور مستقل ریاست تھی جیسا کہ عرب سیاحوں کے متفقہ بیان سے بلا اشتباہ ثابت ہے۔ یہ البتہ اس خط سے ثابت ہوتا ہے کہ ابوالفتح داؤد امیر ملتان اور سومر ایک ہی مذہب کے پیرو تھے اور غالباً ابوالفتح کے زوال اور قید کے بعد یہ سومر سندھ کے قرامطہ کا مذہبی شیخ و امام مقرر ہوا ہو۔

۱- مولوی عبدالحلیم صاحب شرر مرحوم نے اپنی تاریخ سندھ کے جلد دوم صفحہ ۹ میں پھر صفحہ ۱۲ میں یہ لکھا ہے۔ شاید مولانا کو الفاظ الیہ کے (جلد اول صفحہ ۴۹۱) سے کچھ غلط فہمی ہوئی ہو۔

شیخ حمید وغیرہ کے پٹھان ہونے کے متعلق ایک بات یہ ہو سکتی ہے کہ اسماعیلیوں کا یہ قاعدہ رہا ہے کہ وہ اکثر قوموں میں تبلیغ کی آسانی کی خاطر یہ کرتے تھے کہ وہ اپنے کو ان سے قریب کرنے کے لئے ان سے نسلی اور مذہبی قرب اختیار کر لیتے تھے۔ اس طرح شیخ حمید وغیرہ نے پٹھانوں کو اپنے ساتھ ملانے کے لئے اپنے کو پٹھان مشہور کر دیا ہو مگر ہندو اصل و نسل سے ان کا ہرگز کوئی تعلق نہیں اور نہ ان کے نام کے ساتھ کبھی کوئی ہندی لفظ استعمال ہوا ہے۔

ملتان کا ہندی اسلامی تمدن

ملتان میں عربی و ہندی تمدن و معاشرت کی خوشگوار آمیزش پیدا ہو گئی تھی۔ شہر گو چھوٹا لیکن خوبصورت تھا' بازار بھی ہر پیشہ والوں کے الگ الگ تھے۔ شہر کے چاروں طرف فصیل تھی۔ ملتان سے باہر امیر کا جو فوجی معسکر تھا وہاں بھی بلند عمارتیں قائم تھیں۔ بیرونی نے بتایا ہے کہ شہر میں محمد بن قاسم کی بنوائی ہوئی جامع مسجد تھی (سنہ ۳۴۰ھ اور سنہ ۳۷۵ھ کے بیچ میں غالباً) جام بن شیبان اسماعیلی قرامطی نے اس کو بند کر دیا کہ وہ بنوامیہ کی یادگار تھی اور سورج دیوتا والے مشہور بت خانہ کو توڑ کر جامع مسجد بنوایا۔ سلطان محمود نے (سنہ ۳۹۶ھ یا سنہ ۴۰۳) جب ملتان فتح کیا تو پھر پہلی جامع مسجد کو کھول دیا اور دوسری کو بے مرمت چھوڑ دیا۔ بیرونی کے زمانہ تصنیف کے وقت (سنہ ۴۲۴ھ میں) وہ گر کر میدان ہو گیا تھا جس میں مہندی کے درخت لگے تھے۔

اصطخری نے (سنہ ۳۴۰ھ) لکھا ہے کہ ملتان کا امیر ہاتھی پر سوار ہو کر جمعہ کی نماز کے لئے جامع مسجد جاتا ہے۔ یہ خالص ہندو راجاؤں کی پرشان و شکوہ سواری گویا عرب امیروں کو پسند آ چکی تھی۔ پھر کہتا ہے کہ ملتان کے لوگ پاجامہ پہنتے ہیں اور اکثر لوگ فارسی اور سندھی بھی بولتے ہیں' غرض ہندوؤں اور مسلمانوں میں لباس اور زبان کی یکسانی بھی پیدا ہو چکی تھی۔

ابن حوقل (سنہ ۳۶۷ھ) نے یہاں کے طرز لباس اور زبان کے متعلق اسی قسم کا بیان دیا ہے۔ کہتا ہے

> ''یہاں مسلمانوں اور ہندوؤں کا لباس ایک ہی طرح کا ہے اور بالوں کے چھوڑنے کا بھی وہی ایک طریقہ ہے اور اسی طرح ملتان والوں کی وضع ہے اور منصورہ اور ملتان اور اس کے اطراف میں عربی اور سندھی بولی جاتی ہے اور مکران

والوں کی بولی فارسی اور مکرانی ہے اور کرتوں کا لباس نمایاں ہے مگر تاجر لوگ قمیض اور چادر استعمال کرتے ہیں جس طرح عراق اور فارس کے لوگ''(۱)

سنہ ۳۷۵ھ میں بشاری آیا۔ اس نے یہاں کے اخلاق اور تمدن کا بہت کچھ اچھا نقشہ کھینچا ہے۔ کہتا ہے۔

''ملتان منصورہ سے چھوٹا ہے مگر اس سے زیادہ آباد ہے پھل گو زیادہ نہیں مگر سستے ہیں...... اور (عراق کی بندرگاہ) سیراف کی طرح سال کی لکڑی کے کئی کئی منزل کے مکانات ہیں۔ یہاں بدکاری اور شرابخواری نہیں اور جو اس جرم میں پکڑے جاتے ہیں ان کو قتل کیا جاتا ہے یا کوئی سخت سزا دی جاتی ہے۔ خرید و فروخت میں نہ جھوٹ بولتے ہیں اور نہ کم تولتے ہیں۔ مسافروں کی خاطر کرتے ہیں۔ اکثر باشندے عرب ہیں نہر کا پانی پیتے ہیں' سرسبزی اور دولت ہے بیوپار کی حالت بھی اچھی ہے تکلف و تنعم نمایاں ہے۔ حکومت منصفانہ ہے۔ بازار میں کوئی عورت بناؤ سنگار کئے ہوئے نہیں ملے گی اور نہ کوئی اس سے راستہ میں علانیہ بات کرتا ہے۔ پانی اچھا زندگی عیش و مسرت کی اور خوش دلی اور مروت ہے۔ فارسی زبان سمجھی جاتی ہے' تجارت کا نفع خاصہ ہے۔ جسم میں تندرستی ہے لیکن شہر میلا ہے' مکانات تنگ ہیں' ہوا خشک اور گرم ہے' رنگ گندم گوں اور سیاہ ہے''۔(۲)

''ملتان کا سکہ مصر کے فاطمی سکہ کے مطابق بنایا گیا ہے لیکن زیادہ تر ''قنہریات'' وہاں چلتے ہیں''(۳)

منصورہ

عربوں میں سندھ کا سب سے بڑا شہر برہمن آباد مشہور ہے جس کا اصلی ہندی نام جیسا کہ بیرونی نے بتایا ہے بہمنوا ہے۔ اہل ایران اس کو برہمن آباد کہتے تھے۔ یہی نام مسلمانوں

۱- سفرنامہ ابن حوقل ص ۲۳۲ (لیدن)

۲- احسن التقاسیم بشاری ص ۴۸۰ (لیدن)

۳- احسن التقاسیم ص ۴۸۲۔ قنہری کوئی معمولی سکہ معلوم ہوتا ہے۔ الیٹ نے خدا جانے اس کو قندھاریات کر کے لکھ دیا ہے کہ یہ قندھار میں مضروب ہوتے تھے مگر یہ بے ثبوت بات ہے اور لفظ کی تحریف ہے۔

میں رائج ہوا۔ اس کے بعد بعض فوجی اور سیاسی ضرورتوں سے سندھ میں عربوں کو خود اپنے شہر بسانے پڑے جن میں محفوظہ' بیضاء اور منصورہ زیادہ مشہور ہوئے۔

بنوامیہ کے اخیر زمانہ میں اہل عرب کی قوت جب کمزور ہوئی اور سندھیوں نے ان کو سواحل کی طرف دھکیلنا شروع کیا' اس وقت کے عرب والی حکم بن عوانہ کلبی نے سب عربوں کو سمیٹ کر ایک جگہ جمع کیا اور دریا پار ایک شہر بسایا جس کا نام محفوظہ رکھا۔

حکم کے ساتھ محمد بن قاسم کا لڑکا عمرو بھی تھا جو نہایت بہادر اور مدبر تھا۔ حکم کے تمام کام وہی انجام دیتا تھا۔ اس نے سمندر کے ساحل پر برہمن آباد سے دو فرسخ پر منصورہ آباد کیا۔ [۱]

عباسیوں کے زمانہ میں معتصم باللہ کے عہد میں (تیسری صدی ہجری کا وسط) برمکی خاندان کا ایک رکن عمران بن موسیٰ بن یحییٰ بن خالد جب سندھ کا والی مقرر ہوا تو اس نے بیضاء نام شہر آباد کیا۔ مگر ان سب میں سے قدرت کی طرف سے شہرت اور بقا منصورہ کے حصہ میں آئی۔

منصورہ کا بانی

شہر منصورہ کا نام منصورہ کیوں پڑا؟ بعض لوگوں نے غلطی سے یہ سمجھا کہ یہ خلیفہ منصور عباسی کے زمانہ میں بنا' اس کی نسبت سے یہ منصورہ کہلاتا ہے حالانکہ یہ قطعاً غلط ہے کیونکہ یہ شہر تو بنوامیہ کے زمانہ ہی میں بن چکا تھا۔ اسی طرح مسعودی نے اس کو منصور بن جمہور کی طرف منسوب کیا ہے۔ [۲] جو بنوامیہ کے اختلال اور عباسیہ کے آغاز قیام کے زمانہ میں سندھ کا حکمراں بن بیٹھا تھا مگر یہ بھی صحیح نہیں' اصل یہ ہے کہ نام کا دھوکا نہیں کھانا چاہئے۔ اس کا بانی جیسا کہ ہمارے قدیم ترین ماخذ بلاذری المتوفی سنہ ۲۷۹ کا بیان ہے محمد بن قاسم کا لڑکا عمرو تھا اس لئے منصورہ (مدد دیا گیا) کو ایسا نام سمجھنا چاہئے جو محفوظہ کی طرح محض خوش فالی کے لئے رکھا گیا تھا۔

بنا کا زمانہ

حکم جس کے زمانہ میں عمرو نے اس شہر کو بسایا وہ عراق کے امیر خالد بن عبداللہ قسری کا فرستادہ تھا۔ خالد سنہ ۱۰۵ھ میں عراق کا امیر بنا اور سنہ ۱۲۰ھ میں معزول ہوا۔ حکم خالد کا بھیجا ہوا

۱- فتوح البلدان بلاذری ص ۴۴۴ (لیدن)

۲- مروج الذهب ج ۱ ص ۳۷۹

سندھ کا دوسرا والی تھا' اس لئے غالباً سنہ ۱۱۰ھ سے اس کا زمانہ شروع ہوا ہوگا۔ اس قیاس سے منصورہ کی بنا کی تاریخ سنہ ۱۱۰ھ سے سنہ ۱۲۰ھ تک متعین کرنی چاہئے۔

جائے وقوع

سب سے پہلے ابن خرداذبہ (سنہ ۲۵۰ھ) منصورہ کی جگہ دریائے سندھ کے کنارے بتاتا ہے (۱) پھر بلاذری (سنہ ۲۷۹ھ) کہتا ہے کہ "وہ دریا کے ادھر ہی بسایا گیا تھا" (۲) ابن حوقل اور اصطخری دونوں نے لکھا ہے کہ "یہ دریائے مہران (سندھ) کے کنارہ ایک ایسی جگہ پر آباد کیا گیا ہے کہ دریا کی ایک شاخ نے نکل کر اس کو جزیرہ کی طرح بنا دیا ہے" (بعض عرب جغرافیہ نویسوں نے اس کا طول بلد مغرب سے ۹۳ درجہ اور عرض بلد جنوب سے ۲۲ درجہ بتایا ہے (۳)۔ خوش قسمتی سے ہمارے سامنے ابن حوقل کا وہ نقشہ ہے جو اس نے اپنے زمانہ میں سندھ کا تیار کیا تھا۔ اس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دریائے سندھ جو پنجاب کی طرف سے چل کر آخر کار بحر ہند (سمندر) میں جا کر گر جاتا ہے اس مقام سے تھوڑی دور پیچھے خشکی کی سمت میں ایک جگہ دریا کی ایک نئی شاخ نکلتی ہے اور جو فوراً ہی پھر گھوم کر اسی دریا میں مل جاتی ہے اور اس طرح بیچ میں دریا کے کنارے اس شاخ کے احاطہ سے ایک تھوڑی سی زمین جزیرہ کی صورت میں بن گئی ہے۔ اسی جزیرہ کی شکل میں یہ شہر آباد ہوا تھا جو ہر طرف سے پانی سے گھر کر نا گہانی حملہ آوروں سے محفوظ تھا۔ یہ اسی قسم کا مقام تھا جیسا کہ میسور میں کاویری ندی کے گھوم جانے سے سرنگا پٹم کا مقام نکل آیا ہے اور اس قسم کا ایک دوسرا مقام ترچنا پلی (احاطہ مدراس) میں بھی ہے پرانے زمانہ کے فن جنگ کے لحاظ سے اس قسم کے مقامات بہت محفوظ خیال کیے جاتے تھے۔

ابوالفضل نے آئین اکبری میں تمام مشکلات حل کر دی ہیں۔ اس نے بتایا ہے کہ سندھ کے مشہور شہر بھکر کا پرانا نام منصورہ تھا (۴) اور حقیقت یہ ہے کہ اس پر منصورہ کی پوری جغرافی تعریف صادق آتی ہے۔ ابوالفضل کہتا ہے "یہاں آ کر چھوؤں دریا مل کر ایک ہو جاتے ہیں

۱۔ المسالک والممالک ابن خرداذبہ ص ۱۷۴

۲۔ ص ۴۴۴ (لیدن)

۳۔ معجم البلدان یاقوت لفظ منصورہ

۴۔ آئین اکبری جلد دوم ص ۱۶۰ نولکشور

اور دو حصوں میں بٹ کر اس کے نیچے سے گزرتے ہیں۔ ایک حصہ دکھن اور ایک حصہ اتر ہو کر"۔ بھکر کا نام ہندوستانی تاریخوں میں بہت مانوس ہے اور اب بھی روشناس ہے۔

منصورہ پایہ تخت

منصورہ اپنی جائے وقوع کے لحاظ سے محفوظ بھی تھا اور ساتھ ہی دریا کے ساحل پر اور سمندر کے قریب واقع تھا اور اس لحاظ سے عراق اور ملک عرب سے آمدروفت اور وقت پڑنے پر یہاں سے نکل جانے کے لئے بھی مناسب تھا اس لئے بہت جلد سندھ میں عربوں کا پایہ تخت بن گیا۔ تیسری صدی میں ہم اس کا نام پایہ تخت کی حیثیت سے سنتے ہیں۔ بلاذری (المتوفی سنہ ۲۷۹ھ) منصورہ کے ذکر میں کہتا ہے "یہ وہی شہر ہے جہاں آج کل حکام جا کر ٹھہرتے ہیں"(۱) اس کے بعد کے تمام عرب سیاح اس کا اسی حیثیت سے نام لیتے ہیں اور آخر میں وہ ایک قریشی عرب ریاست کا دارالامارت بن جاتا ہے۔

سندھ دور خلافت عباسیہ میں

سندھ کا علاقہ خلیفہ المامون (سنہ ۲۱۸ھ) تک بغداد کے مرکز سے وابستہ رہا بلکہ اسی کے اخیر زمانہ میں عرب امراء خود مختاری کا خواب دیکھنے لگے' چنانچہ بنی سامہ کے غلام فضل بن ماہان نے سندان نام ایک شہر کو فتح کر کے براہ راست خلیفہ المامون سے اپنی امارت کی سند حاصل کی اور وہاں ایک جامع مسجد بنوائی جس میں نماز جمعہ ادا ہوتی تھی اور خلیفہ کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا تھا اس کے بعد اس کا بھائی محمد بن فضل بن ماہان حاکم ہوا اور یہ زمانہ معتصم باللہ (سنہ ۲۲۷ھ) کا تھا۔ اس نے ستر جہازوں کے بیڑے کے ساتھ میدیوں پر حملہ کیا۔ اس کی غیر حاضری میں اس کے بھائی ماہان نے ریاست پر قبضہ کر لیا اور غالباً اسی خانہ جنگی میں ریاست مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گئی(۲) معتصم باللہ زمانہ میں قندابیل میں محمد بن خلیل نے خود مختاری کا اعلان کر دیا تھا مگر معتصم کے عہدہ دار عمران برمکی والی سندھ نے وہاں کے سرداروں کو گرفتار کر کے قصدار (قزدار) بھیج دیا۔(۳)

۱- فتوح البلدان بلاذری ص ۴۴۴

۲- بلاذری ص ۴۴۶

۳- بلاذری ص ۴۴۵

عمران برمکی ہی کے زمانہ میں عربوں کے دو مشہور قبیلوں یمنی (قحطانی) اور حجازی (نزادی) میں بعینہ وہی خانہ جنگی شروع ہوئی جس خانہ جنگی نے بنوامیہ کا خاتمہ کر دیا تھا۔ عمران نے یمنیوں کی طرفداری کی۔ اس وقت حجازیوں کا سرگروہ ایک قریشی سرداری عمر بن عبدالعزیز ھباری تھا اس نے موقع پا کر عمران کو قتل کر دیا۔(۱)

سندھ کا ھباری قریشی خاندان

قریش کے خاندان بنواسد میں پیغمبر اسلام کے زمانہ میں ھبار بن اسود ایک شخص تھا جو اسلام اور پیغمبر اسلام کا سخت دشمن تھا۔ آخر وہ فتح مکہ کے زمانہ میں سنہ ۸ھ میں مسلمان ہوا۔ اس کی اولاد میں سے ایک شخص حکم بن عوانہ کلبی والی سندھ کی معیت میں سندھ وارد ہوا تھا۔ اسی شخص کا پوتا عمر بن عبدالعزیز ھباری تھا(۲) اس کا نسب نامہ یہ ہے عمر بن عبدالعزیز بن منذر بن زبیر بن عبدالرحمان بن ھبار بن اسود۔ یہ خاندان امویوں اور عباسیوں دونوں کے عہد میں سلطنت کے کاروبار میں دخل رکھتا تھا(۳) اس نے حجازیوں کا سردار بن کر عمران کو قتل کیا اور اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا ہوگا کہ عمر بن عبدالعزیز ھباری کو سندھ کے حجازی عربوں کی ریاست حاصل ہوگئی ہوگی۔ سنہ ۲۴۰ھ میں خلیفہ متوکل کے زمانہ میں سندھ کے والی ہارون بن خالد نے جب انتقال کیا تو عمر بن عبدالعزیز نے دربار خلافت میں ایک عریضہ بھیج کر درخواست کی کہ سندھ کی ولایت اس کے سپرد کی جائے۔ خلیفہ نے اس کی درخواست بہر حال منظور کی۔ یعقوبی (المتوفی سنہ ۲۷۸ھ) جس کی تصنیف کا زمانہ سنہ ۲۵۹ھ ہے اپنی تاریخ میں لکھتا ہے ''سندھ کے والی ہارون بن خالد نے سنہ ۲۴۰ھ میں انتقال کیا'' اور عمر بن عبدالعزیز سامی نے جو سامہ بن لوی کیطرف منسوب ہے اور جو سندھ پر قابض ہو چکا تھا لکھا کہ وہ ملک کا بہت اچھا انتظام کر رہا ہے تو متوکل نے اس کی درخواست قبول کی اور متوکل کے پورے زمانہ خلافت میں وہ مستقل رہا۔(۴)

یعقوبی کا عمر بن عبدالعزیز کو سامہ بن لوی کی نسل سے بتانا صحیح نہیں ہے۔ عمر بن

۱- ایضاً ص ۴۴۶

۲- ایضاً

۳- ابن خلدون ج ۲ ص ۳۲۷

۴- تاریخ یعقوبی جلد دوم ص ۵۹۹ (لیدن)

عبدالعزیز ھبار بن اسود کی اولاد سے تھا جو کعب بن لوی کی نسل سے تھا (ابن خلدون ج ۲ ص ۳۲۷ مصر) غالبًا یعقوبی کو ملتان کے امیروں کا دھوکا ہوا جو بنو سامہ تھے۔

بہرحال عمر بن عبدالعزیز ھباری کی امارت کے بعد بھی عباسی تعلق قائم رہا۔ چنانچہ معتمد کے زمانہ میں (سنہ ۲۵۶۔۲۷۹ھ) بغداد کے انتظامات ملکی میں سندھ کا نام بھی نظر آتا ہے کیونکہ اس عہد میں خراسان کے صفاری خاندان کے بانی یعقوب بن لیث کو سنہ ۲۵۷ھ میں ترکستان، سجستان، کرمان کے ساتھ سندھ کا علاقہ بھی سپرد ہوتا ہے (۱) اور سنہ ۲۶۱ھ میں معتمد اپنے اولوالعزم بھائی موفق کو تمام دیگر مشرقی ممالک کے ساتھ سندھ کی ولایت بھی عطا کرتا اور اسی زمانہ میں ادھر خلیج فارس کے عربی اور عراقی کناروں پر قرمطیوں (قرامطہ) کی بغاوت شروع ہوتی ہے اور ادھر مغرب میں اسماعیلی فاطمیوں کی تحریک اٹھتی ہے جو بالآخر مصر تک چھا جاتی ہے۔

غالبًا یہی وہ موزوں زمانہ ہے جب سندھ کا یہ برائے نام رشتہ بھی بغداد سے کٹ جاتا ہے۔ بلاذری جو سنہ ۲۷۹ھ میں مرا ہے وہ لکھتا ہے کہ ''بنو کندہ کا آزاد کردہ غلام ابوالصمہ جو تیسری صدی کے شروع کے ایک عباسی والی عمر بن حفص بن ہزار مرد کے ساتھ سندھ گیا تھا۔ اس کا بیٹا صمہ آج کل سندھ میں زبردستی خودمختار بن بیٹھا ہے۔'' (۲)

مگر معلوم ہوتا ہے کہ عمر بن عبدالعزیز ھباری کی اولاد نچلی نہیں بیٹھی، خود عمر بن عبدالعزیز ھباری سندھ کے شہر یا بنیا یا بانیہ میں رہتا تھا (۳) مگر اس کی اولاد نے مستقل طور سے سندھ زیریں کے علاقہ پر قبضہ کر کے منصورہ کو اپنا پایہ تخت بنا لیا۔ سنہ ۲۷۰ھ میں عمر بن عبدالعزیز ھباری کا بیٹا عبداللہ منصورہ کا فرمانروا تھا۔ اسی کے زمانہ کا واقعہ ہے کہ الرا (الود واقع سندھ) کے ہندو راجہ نے اس سے ایک ایسے مسلمان مبلغ اور عالم کی فرمائش کی تھی جو اس کو دین اسلام سے آگاہ کر سکے (۴) سنہ ۳۰۳ھ میں جب مسعودی آتا ہے تو وہ اس عبداللہ کے بیٹے عمر کو منصورہ کا فرمانروا پاتا ہے اور ساتھ ہی بہت سے عرب سردار وہاں اس کو ملتے ہیں

۱- تاریخ ابن خلدون جلد ۳ صفحہ ۳۴۳ (مصر)

۲- بلاذری ص ۴۴۵

۳- ابن حوقل ذکر السند

۴- عجائب الہند، بزرگ بن شہریار ص ۳ (لیدن)

سادات اور علوی خاندان کے لوگ بھی وہاں نظر آتے ہیں بادشاہ کا نام عمر بن عبداللہ، وزیر کا نام ریاح اور قاضی ال ابی الشوارب تھے۔ مسعودی کی اصل عبارت یہ ہے۔(۱)

''میرے منصورہ پہنچنے کے زمانہ میں ابوالمنذر عمر بن عبداللہ بادشاہ تھا اور وہیں اس کے وزیر ریاح اور اس کے دونوں بیٹوں محمد اور علی کو دیکھا اور ایک اور عرب سردار کو جو وہاں کے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ تھا جس کا نام حمزہ تھا(۲) اور حضرت علی بن ابی طالب کی بہت سی اولاد کرام وہاں نظر آئی جو عمر بن علی اور محمد بن علی کی نسل سے تھی۔ منصورہ کے بادشاہوں اور وہاں کے قاضی کے خاندان ال ابی الشوارب میں قرابت تھی اور منصورہ کے یہ بادشاہ ھبار بن اسود کی اولاد ہیں جو بنو عمر بن عبدالعزیز کہلاتے ہیں''۔

مسعودی کے بعد سنہ ۳۶۷ھ میں ابن حوقل آیا اس وقت تک یہی خاندان یہاں حکمراں تھا اور گو خلافت عباسیہ سے کوئی سیاسی و انتظامی تعلق باقی نہیں رہا تھا مگر مذہبی رشتہ باقی تھا، چنانچہ عباسی ہی خلفاء کے نام کا وہ خطبہ پڑھتے تھے۔ اصل عبارت یہ ہے۔(۳)

''ملک کا بادشاہ ایک قریشی ہے جس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ ھبار بن اسود کی نسل سے ہے۔ اس کے باپ دادا اس ملک پر حکمران تھے اور اب وہ ہے مگر خطبہ خلیفہ بغداد ہی کے نام کا پڑھا جاتا ہے''۔

سنہ ۳۷۵ھ میں مقدسی جب آیا تو اسی خاندان کو اسی طرح حکمران پایا لیکن اس درمیان میں دیلمیوں کا شیعی خاندان جو فارس پر حکومت کر رہا تھا اس کا اثر بھی بلوچستان کے راستے سے سندھ تک پہنچ رہا تھا۔ تاہم خلیفہ بغداد کا نام بھی باقی تھا۔ بشاری کہتا ہے۔(۴)

''منصورہ پر ایک سلطان کی حکومت ہے جو قریش کے خاندان سے ہے لیکن

۱- مروج الذھب مسعودی جلد اول ص ۳۷۷

۲- ڈاکٹر برڈ (Bird) جن کا حوالہ الیٹ نے دیا ہے (ج ا ص ۴۸۸) انہوں نے اس فقرہ کا مطلب بالکل غلط سمجھا ہے کہ ''یہاں حمزہ سید الشہداء کی اولاد آ کر بسی تھی'' حمزہ کے نام سے ان کو شبہ ہوا یہ حضرت آنحضرتؐ کے چچا حمزہ نہیں بلکہ کوئی حمزہ نام دوسرا عرب سردار تھا اور مسعودی خود حمزہ کا ذکر کر رہا ہے اور اس کی اولاد کا نہیں۔ حضرت حمزہ کی کوئی اولاد نرینہ نہ تھی اور نہ ان کی نسل پھیلی۔

۳- سفرنامہ ابن حوقل ذکر السند

۴- احسن التقاسیم بشاری ص ۴۸۵

وہ خطبہ خلیفہ عباسی کا پڑھتے ہیں اور کبھی عضدالدولہ (ویلمی) کا خطبہ
پڑھتے تھے جس زمانہ میں ہم شیراز میں تھے اس وقت یہاں سے ایک سفیر
شیراز عضدالدولہ کے بیٹے کے پاس گیا تھا''۔

شہر منصورہ کی آبادی اور وسعت

ابن حوقل کا بیان ہے کہ منصورہ ایک میل لمبا اور ایک ہی میل چوڑا تھا اور چاروں طرف دریا سے گھرا ہوا تھا یہاں کے باشندے مسلمان تھے۔ بشاری کہتا ہے کہ ''منصورہ سندھ کا مرکزی شہر اور ملک کا دارالحکومت ہے' دمشق کی طرح ہے' مکانات لکڑی اور مٹی کے ہیں' جامع مسجد اینٹ اور پتھر سے بنی ہے اور بڑی ہے اور عمان کی جامع مسجد کی طرح سال کی لکڑی کے ستونوں پر قائم ہے...... بیچ بازار میں واقع ہے...... شہر میں چار دروازے ایک کا نام باب البحر (دریا کا دروازہ) دوسرے کا طوران دروازہ' تیسرے کا نام سندان دروازہ ہے' چوتھے کا نام ملتان دروازہ''۔(۱)

مملکت منصورہ کی وسعت اور سرسبزی

اس عرب حکومت کی وسعت میں سندھ کے متعدد شہر تھے۔ بشاری کہتا ہے کہ سندھ کا دارالحکومت منصورہ ہے اور اس کے شہروں میں سے دیبل' زندریج' کداز' مایل بتلی ہے۔ اصطخری نے اور بعض شہر بھی اس میں گنائے ہیں جیسے بانیہ' سدوسان' الور' سوبارہ' صیمور۔ مسعودی کا بیان ہے کہ ''منصورہ کے دائرہ حکومت میں جو گاؤں اور آبادیاں ہیں ان کا شمار تین لاکھ کا ہے۔ اس سے اندازہ ہوگا کہ منصورہ کی حکومت خاصی بڑی تھی''۔ پھر مسعودی کہتا ہے کہ ''تمام کھیت ہیں' درخت ہیں اور آبادیاں ملی ملی ہیں''(۲) اس سے اس کی سرسبزی اور آبادی کا قیاس ہوسکتا ہے۔

بادشاہ کی جنگی قوت

مسعودی کہتا ہے کہ
''منصورہ والوں کی میدیون کے ساتھ جو سندھ کی ایک قوم ہے برابر

۱- احسن التقاسیم ص ۴۷۹
۲- مروج الذہب ج ۱ ص ۳۷۸

لڑائیاں رہتی ہیں۔ بادشاہ کے پاس ۸۰ جنگی ہاتھی ہیں اور قاعدہ یہ ہے کہ ایک جنگی ہاتھی کے ساتھ پانچ سو پیادہ فوج ہوتی ہے۔ ان میں سے دو ہاتھی نہایت مشہور بہادر اور لڑنے والے تھے۔ ان میں سے ایک کا نام منصر قلس اور دوسرے کا نام حیدرہ تھا اور یہ سدھائے ہوئے تھے''۔(۱)

مسعودی نے گویا ہم کو منصورہ کی پوری فوجی قوت بتا دی' ایک ہاتھی کے ساتھ پانچ سو آدمی ہوتے ہیں تو اسی ہاتھیوں کے ساتھ چالیس ہزار فوج ہوگی۔

منصورہ کی علمی اور مذہبی حالت

اس کے متعلق سب سے بہتر بیان بشاری نے اپنے سفر نامہ میں قلم بند کیا ہے۔ کہتا ہے۔

''یہاں کے باشندے لائق اور بامروت ہیں ان کے ہاں اسلام کو تازگی حاصل ہے اور علم اور اہل علم یہاں بہت ہیں ان میں ذہانت و ذکاوت ہے اور نیکی اور خیرات کرتے ہیں''۔(۲)

''اہل ذمہ (غیر مسلم رعایا) بت پوجتے ہیں' مسلمانوں میں واعظوں کا وجود نہیں' مسلمانوں میں اکثر اہل حدیث ہیں۔ میں نے یہاں قاضی ابو محمد منصوری کو دیکھا جو داؤدی تھے اور اپنے مذہب کے امام تھے اور ان کا حلقہ درس تھا اور ان کی تصنیفیں ہیں' ان کی بہت سی اچھی تصنیفات ہیں...... بڑے بڑے شہروں میں حنفی فقہا بھی پائے جاتے ہیں لیکن یہاں مالکی اور حنبلی نہیں اور نہ معتزلی ہیں' سیدھے اور صحیح مسلک پر ہیں اور نیکی اور پاکدامنی ہے۔''(۳)

اس قدیم عہد میں یہاں اہل حدیث کا ہونا بڑی حیرت انگیز بات ہے۔ داؤدی فرقہ سے مراد داؤدی بوھرے نہیں بلکہ امام داؤد ظاہری کے پیرو مراد ہیں جو ایک قسم کے اہل حدیث ہی تھے۔

۱- ایضاً

۲- مروج الذھب ج ا ص ۳۷۹ احسن التقاسیم ص ۴۷۹

۳- احسن التقاسیم ص ۴۸۱

زبان

مسعودی کہتا ہے کہ ''سندھ کی زبان خاص ہے' ہندوستان سے الگ'' بشاری منصورہ کی بندرگاہ دیبل کے متعلق کہتا ہے کہ یہاں کل کے کل تاجر بستے ہیں ان کی زبان سندھی اور عربی ہے''(۱) اس سے یہ قیاس ہوسکتا ہے کہ یہاں کی زبان پر عربی کا کتنا گہرا اثر پڑا ہوگا جس کا ثبوت آج بھی موجود ہے کہ ان کی سندھی زبان میں عربی کے الفاظ اسی طرح ملے ہوئے ہیں جس طرح ہماری اردو میں اور سب سے بڑا اثر یہ ہے کہ سندھی کا خط آج بھی بعینہ عربی ہے۔

منصورہ کا خاتمہ

منصورہ کی عربی حکومت کا خاتمہ کیونکر ہوا اس کے متعلق کوئی تصریحی بات نہیں ملتی۔ بشاری کے زمانہ یعنی سنہ ۳۷۵ھ تک وہ یقیناً قائم تھی۔ اسکے پندرہ برس کے بعد محمود کے حملے شروع ہوتے ہیں۔ سنہ ۴۱۶ھ میں جب سلطان محمود نے سومنات پر اپنا مشہور حملہ کیا ہے تو وہاں سے واپسی میں اس نے سندھ کا راستہ اختیار کیا' گجرات سے سندھ اور سندھ سے دریائے سندھ کے کنارے کنارے ملتان اور ملتان سے غزنین۔ اس راستہ میں مورخین نے تصریح کی ہے کہ وہ منصورہ ہوکر گزرا(۲) لیکن ابن اثیر نے اپنی تاریخ کامل میں اسی سال کے واقعات کے ضمن میں ایک اہم فقرہ لکھا ہے۔(۳)

> ''اور سلطان نے منصورہ کا قصد کیا' یہاں کا والی اسلام سے پھر گیا تھا تو جب اس کو سلطان کی آمد کی خبر ہوئی تو شہر سے نکل گیا اپنے آدمیوں کو لے کر جھاڑیوں میں چھپ گیا۔ سلطان محمود نے اس کا تعاقب کیا' بہت سے آدمی مارے گئے اور بہت سے دریا میں ڈوب کر مر گئے تھوڑے بچ گئے وہاں سے سلطان بھاٹیہ ہوکر غزنین چلا گیا۔''(۴)

۱- مروج الذھب جلد اول ص ۳۸۱

۲- زین الاخبار گردیزی ص ۸۷ (برلن)

۳- کامل ابن اثیر ج ۹ ص ۲۴۳ (لیدن)

۴- الیٹ نے ابن اثیر کے حوالے سے لکھا ہے کہ ''سلطان محمود نے ایک مسلمان کو منصورہ کا بادشاہ بنایا'' (جلد اول) مگر ابن اثیر میں یہ قصہ نہیں بلکہ وہ بیان ہے جو میں نے لکھا ہے اس سے یہ غلطی شائد کسی یورپین ترجمہ پر اعتماد کرنے سے ہوئی ہے

سوال یہ ہے کہ ''اسلام سے پھر جانے اور مرتد ہو جانے'' کے کیا معنی؟ اگر اس حملہ کو مسلمانوں کے نزدیک بجا ثابت کرنے کے لئے والی منصورہ کو مرتد مشہور نہ کیا گیا ہو تو اس زمانہ کے محاورہ کے مطابق اس کے یہ معنی قرار دیئے جائیں گے کہ ملتان کی طرح منصورہ کا بادشاہ بھی شاید اسماعیلی قرمطی مذہب میں داخل ہو گیا ہو ورنہ اس حملہ سے ۴۱ برس پہلے بشاری کی شہادت اہل منصورہ کے سمنیہ بلکہ اہل حدیث ہونے کی تمام تر شہادت موجود ہے۔

بہرحال اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ منصورہ کی اس ھباری حکومت کا سنہ ۴۱۶ھ میں سلطان محمود کے ہاتھ سے خاتمہ ہوا۔ مشہور محقق ابن خلدون ایک موقع پر ھبار بن اسود کے خاندانی تذکرہ میں لکھتا ہے۔

''انہیں ھبار بن اسود کی نسل سے عمر بن عبدالعزیز تھا جو خلیفہ متوکل کے قتل کے بعد شروع ہنگامہ میں سندھ پر قابض ہو گیا تھا اس کی اولاد نے سندھ پر یکے بعد دیگرے حکومت کی یہاں تک کہ غزنین کے سلطان محمود کے ہاتھوں ان کا خاتمہ ہوا۔ ان کا پایہ تخت منصورہ تھا۔'' (۱)

کیا منصورہ والے بھی قرمطی اسماعیلی تھے؟

اوپر کی سطروں میں بشاری نے جو خود ایک فقیہ و عالم تھا جس دھوم دھام سے سنہ ۳۷۵ھ میں اہل منصورہ کے دیندار اہل سنت ہونے کی شہادت دی ہے اس کو پیش نظر رکھتے ہوئے سنہ ۴۱۶ھ میں ان کا قرمطی ہونا مشکل معلوم ہوتا ہے۔ ابن خلدون کے بیان سے ثابت ہے کہ محمود نے ھباری امیر کے ہاتھ سے سندھ کی ریاست چھینی اور ابن اثیر کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ جس امیر کے ہاتھ سے اس نے سلطنت چھینی اس کے متعلق سلطان کو یہ معلوم ہوا کہ وہ مرتد ہو گیا ہے جس کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ وہ قرمطی اسماعیلی ہو گیا تھا۔

جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے کہ اہل منصورہ کے قرمطی اسماعیلی ہو جانے کی شہرت منصورہ کی اسلامی ریاست پر سلطان کے حملہ کے جواز کے لئے نہیں دی گئی تو ابن اثیر کے بیان سے یہی سمجھ سکتے ہیں کہ سنہ ۳۷۵ھ کے بعد ھباری سمنیہ خاندان کا خاتمہ قرمطیوں نے کیا یا ملتان کے ان کے ہاتھ سے نکل جانے کے بعد انہوں نے سندھ میں اپنی ریاست قائم کر لی اور اسی قرمطی ریاست کا سلطان محمود نے سنہ ۴۱۶ھ میں خاتمہ کیا۔

۱- تاریخ ابن خلدون جلد ۴ ص ۳۴۷ (مصر)

دروزی خط

جس دروزی خط کا اقتباس پہلے گزر چکا ہے اس کی حیثیت اس مسئلہ میں بھی نہایت اہم ہے۔ اس دروزی خط میں جو شام کے اسماعیلی دروزیوں کے مذہبی امام کی طرف سے بھیجا گیا ہے یہ لکھا ہے۔

''ملتان اور ہندوستان کے سرحدوں کے نام عموماً اور شیخ ابن سومر راجہ بل کے نام خصوصا''۔

اس خط میں ابن سومر راجہ بل کو جائز وارث بھوتر وا اورھودل ہیلا کا لکھا ہے۔ اسی خط میں اس خاندان کے اور بہت سے ارکان کے نام لکھے ہیں جن میں بعض عربی اور بعض ہندی نام ہیں اور انکو غیرت دلا کر لکھا ہے کہ:

''اے معزز راجہ بل، اپنے خاندان کو اٹھا، موحدین کو اور داؤد اصغر (چھوٹے داؤد) کو سچے دین میں واپس لا کہ مسعود نے جو اسے حال ہی میں قید اور غلامی سے آزاد کیا ہے وہ اس وجہ سے ہے کہ تو اس فرض کو انجام دے سکے جو تجھ کو اس کے بھانجے عبداللہ اور ملتان کے تمام باشندوں کے برخلاف انجام دینے کے لئے مقرر کیا گیا ہے تا کہ تقدیس (۱) اور توحید کے ماننے والے جہالت، ضد اور سرکشی و بغاوت والی جماعت سے ممتاز ہو جائیں۔'' (۲)

اس خط سے نہایت اہم نتائج نکالے جا سکتے ہیں۔

۱- سومر جو سندھ کا باشندہ تھا اور جو اس کے بعد سومری خاندان کا بانی ہوا وہ اسماعیلی مذہب کے تھے۔

۲- ان کے نام ہندوانہ اور عربی قسم کے ہیں جن سے پتہ لگتا ہے کہ یہ خاندان عربی ہندی آمیز تھا۔

۳- ملتان کے بادشاہ ابوالفتح داؤد وغیرہ اور سندھ کے یہ سومری ایک ہی مذہب کے پیرو تھے۔

۱- اسماعیلیوں کا بار بار توحید و تقدیس کا دعویٰ اس بنا پر ہے کہ وہ خدا میں صفات کا ماننا جیسا عموماً اہلسنّت مانتے ہیں شرک سمجھتے تھے۔ وہ نفی صفات کے قائل تھے جس کا نام ان کے ہاں توحید و تقدیس تھا۔ معتزلہ کا بھی یہی عقیدہ تھا اسی لئے وہ بھی اپنے کو اہل عدل و توحید کہتے تھے۔

۲- الیٹ جلد اول ص ۴۹۱

۴- سومر غالباً سندھ کے اسماعیلیوں کا ''شیخ'' اور امام تھا کیونکہ شیخ خاص طور سے اسماعیلی اپنے مذہبی سردار کے لئے استعمال کرتے تھے۔

۵- معلوم ہوتا ہے کہ ابوالفتح داؤد کے بعد اس کا کوئی بیٹا تھا جو چھوٹے داؤد کے نام سے مشہور تھا اور جس کو سلطان مسعود نے اسماعیلی مذہب سے توبہ کر لینے پر قید سے آزاد کر دیا تھا۔

۶- عبداللہ ابوالفتح داؤد اکبر کا نواسہ اور داؤد اصغر کا بھانجہ تھا جس کو ملتان کے لوگ اپنا امیر بنالینا چاہتے تھے۔

۷- اس خط کا منشا یہ ہے کہ ابن سومر راجہ بل کو سلطان مسعود اور عبداللہ اور اہل ملتان کے خلاف اپنے قبیلہ کو جنگ کے لئے ابھارے اور قرمطی اسماعیلیوں کی جو طاقت زائل ہو گئی تھی اس کو پھر واپس لائے چنانچہ ملتان میں یہ کوشش بار بار کی گئی اور ناکام و کامیاب ہوتی رہی۔

۸- اور آخری اہم بات اس خط سے سومر کی شخصیت کے متعلق معلوم ہوتی ہے کہ یہ کوئی طاقتور اور پرزور شخص تھا۔ سومر کا بیٹا جب سلطان مسعود کا معاصر تھا تو کہنا چاہیئے کہ سومر سلطان محمود (التوفی سنہ ۴۲۱ھ) کا معاصر تھا۔

۹- یہی سومری ہیں جو اس خط کی تاریخ کے بیس برس بعد سلطان، عبدالرشید بن محمود غزنوی (التوفی سنہ ۴۴۴ھ) کی کمزور حکومت کے زمانہ میں غزنویوں کے بجائے سندھ کے مالک ہو گئے۔

ھباری خاندان کی ایک زندہ جاوید یادگار

ھباری سلاطین کی گو ظاہری یادگار ہمیشہ کے لئے مٹ گئی مگر اس کی ایک روحانی یادگار ہمیشہ کے لئے باقی رہ گئی اور وہ ان کا وہ خاندان ہے جو غزنویوں کے زیر سایہ یہاں سے ملتان جا کر آباد ہوا۔ شیخ الاسلام زکریا ملتانی سنہ ۵۸۷ھ میں اور بقول اخبار الاخیار سنہ ۶۶۱ھ میں وفات پائی۔ شیخ عبدالحق دھلوی نے آپ کو ''اسدی'' لکھا ہے۔ (۱) جو معلوم ہو چکا ہے کہ حضرت ھبار کا قبیلہ تھا۔ شیخ عین الدین بیجاپوری نے ان کا نسب حضرت (ھبار) بن اسود بن

۱- اخبار الاخیار ص ۲۶ مطبع ہاشمی میرٹھ

مطلب بن اسد تک پہنچایا ہے(۱) پیرزادہ محمد حسین صاحب نے ابن بطوطہ کے اپنے اردو ترجمہ (جلد دوم ص ۸) میں شیخ کے موجودہ خاندان کے ذخیرہ میں سے ایک پرانی کتاب خلاصۃ العارفین کا ایک عربی اقتباس نقل کیا ہے جو ملفوظات سید جلال بخاری سے منقول ہے۔ اس میں جو نسب نامہ لکھا ہے اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔ اس طرح شیخ الاسلام کے خاندان کے ہندوستان آنے کی جو دو تاریخیں ملتی ہیں یعنی ایک یہ کی وہ پہلی صدی ہجری میں عرب فاتحین ہند کے ساتھ آیا جیسا کہ ابن بطوطہ میں ہے اور دوسری یہ کہ وہ گویا پانچویں صدی ہجری میں عرب سے آئے۔ یہ دونوں مل جاتی ہیں اور وہ اس طرح کہ سندھ میں اس خاندان کا ورود پہلی تاریخ کے مطابق ہوا یعنی دوسری صدی ہجری میں اور ملتان میں منصورہ کی تباہی کے بعد پانچویں صدی میں غزنوی سلطنت کے زیر سایہ آ کر آباد ہوئے۔ البتہ خوارزم ہو کر یہاں آنے کا بیان صحیح نہ ہوگا جیسا کہ تاریخ فرشتہ میں ہے لیکن اس سے زیادہ اہم بیان تاریخ طاہری کے مصنف کا ہے جس نے تفصیل کے ساتھ یہ بتایا ہے کہ شیخ بہاؤالدین سندھی تھے اور سمہ قوم نے پہلے محمد نور کے تباہ ہونے کے بعد سکور (موجودہ سکھر) کے پرگنہ میں جو محمد نور نے آباد کیا تھا وہ وہیں کے رہنے والے تھے۔ (۲)

سندھ غزنویوں اور غوریوں اور سلاطین دہلی کے ہاتھ میں

سندھ کا غزنویوں کے ہاتھوں میں سنہ ۴۴۴ھ تک رہنا اس سے ثابت ہے کہ سلطان عبدالرشید غزنوی (سنہ ۴۴۴ھ) تک سندھ سے خراج کا آنا ثابت ہوتا ہے۔ ان کے بعد ہی غزنوی سلطنت میں انتشار پیدا ہو گیا گو برائے نام آخر تک (سنہ ۵۷۸ھ) تک وہ پنجاب اور سندھ کے مالک کہلاتے رہے۔ سنہ ۵۸۷ھ میں غزنویوں کے بجائے غوریوں کا عمل دخل شروع ہو گیا اور شہاب الدین کے ایک سپہ سالار ناصر الدین قباچہ نے سندھ پر اور ایلتمش نے دہلی پر قبضہ کیا اور بالآخر ایلتمش نے قباچہ کو شکست دے کر سندھ سے اس کو نکال دیا۔ اس وقت سے وہ گو دہلی سے برائے نام وابستہ رہا لیکن درحقیقت وہ خود مختار ہی رہا۔ محمد شاہ تغلق کے زمانہ میں (سنہ ۷۵۲ھ میں) سندھ ایک مقامی حکمراں خاندان سے نکل کر دوسرے مقامی حکمراں کے ہاتھ میں گیا۔ سلطان فیروز شاہ نے سنہ ۷۶۲ھ میں اس پر مصالحانہ قبضہ کیا اور آخر

۱- فرشتہ جلد ۲ ص ۴۰۴ نولکشور

۲- تاریخ طاہری الیٹ ص ۲۵۶

انہوں نے مقامی حکمرانوں کے سپرد کیا جن کے ہاتھ میں وہ سنہ ۹۶۷ھ تک رہا۔ان سے ایک تاتاری امیر ارغون نے اس کو فتح کیا اور آخر سنہ ۱۰۰۰ھ کے خاتمہ پر وہ اکبری مقبوضات میں داخل ہوگیا۔

سومری

اوپر کی پوری تاریخ سے ہم کو کوئی بحث نہیں ہے ہم کو گزشتہ تاریخ کے صرف دو خود مختار قبیلوں کی اصلیت پر غور کرنا ہے جن میں سے ایک سومری اور دوسرے سما کہلاتے ہیں۔ غزنویوں کی کمزوری کے عہد میں جس مقامی قبیلہ نے سندھ پر قبضہ کیا وہ سومری کہلاتے ہیں۔ پھر محمد شاہ تغلق کے عہد میں سنہ ۷۵۲ھ میں جو دوسرا مقامی قبیلہ برسر حکومت آیا اور جو سنہ ۹۲۷ھ (۱۵۲۱ع) تک قائم رہا وہ سمہ کہلاتا ہے۔ان دونوں قبیلوں کی اصلیت کے متعلق مورخین میں سخت اختلاف ہے اور خصوصاً سومری خاندان کی قومیت بہت کچھ بحث طلب ہے اوراسی طرح ان کا مذہب بھی۔

اوپر جس دروزی خط کا حوالہ گزرا ہے اس سے صاف ثابت ہے کہ سنہ ۴۲۲ھ (سلطان مسعود کے زمانہ میں) شیخ ابن سومر راجہ بل موجود تھا اور وہ اسماعیلی مذہب تھا اور اس کو دروزیوں کے امام نے ملتان اور سندھ کے اسماعیلیوں کی دوبارہ حکومت قائم کرنے کے لئے بڑی غیرت دلائی تھی اس لئے عجب نہیں کہ غزنویوں کے زور ٹوٹنے پر سلطان عبدالرشید (سنہ ۴۴۴ھ) کے زمانہ میں سومریوں نے سندھ میں اپنی سلطنت قائم کر لی۔

ان کی یہ سلطنت سنہ ۴۴۴ھ سے لے کر سنہ ۷۳۴ھ کے چند سال بعد تک کسی نہ کسی طرح قائم تھی۔ چنانچہ اس سلسلہ میں ابن بطوطہ کی شہادت سب سے زیادہ اہم ہے۔ وہ ہندوستان میں سندھ کے راستہ سے سنہ ۷۳۴ھ میں اس وقت ہندوستان آیا تھا جب سومری قوم سلاطین دہلی کے ماتحت حکمراں تھی اور ابن بطوطہ نے ان کو دیکھا تھا وہ کہتا ہے۔

۱- اس کے بعد ہم خنانی [1] پہنچے جو دریائے سندھ کے کنارے ایک خوبصورت اور بڑا شہر ہے اور جس میں خوش نما بازار ہیں۔ یہاں کے باشندے وہ لوگ ہیں جن کو سامرہ کہتے ہیں جو یہاں اس وقت بسے اور انکے نزدیک یہاں آباد ہوئے جب حجاج کے زمانہ میں سندھ فتح ہوا جیسا کہ مورخین نے لکھا ہے...... یہ لوگ جو سامرہ کہلاتے ہیں یہ کسی

۱- یہ شہر بے نشان ہے معلوم ہوتا ہے کہ دریا برد ہوگیا۔ابوالفضل نے بھی اس کا ذکر نہیں کیا ہے۔

کے ساتھ کھاتے نہیں اور نہ کھاتے وقت ان کو کوئی دیکھ سکتا ہے اور نہ وہ اوروں سے اور نہ اور لوگ ان سے شادی بیاہ کرتے ہیں۔

اس زمانہ میں جوان کا امیر ہے اس کا نام اور ہے جس کا ذکر ہم آگے کریں گے۔

چنانچہ آگے چل کر وہ سیوستان (سیہوان) کے ذکر میں کہتا ہے۔ (سیوان اب کراچی کے ضلع میں ہے)۔

۲- اسی شہر میں سامری امیر دنار جس کا ذکر اوپر گزرا اور امیر قیصر رومی رہتے ہیں اور یہ دونوں سلطان (دہلی) کی ماتحتی میں ہیں اوران دونوں کے ساتھ اٹھارہ سو سوار تھے اور یہاں ایک ہندو رہتا تھا جس کا نام رتن تھا جو حساب و کتاب میں بڑا ماہر تھا۔ وہ بعض امراء کے ساتھ سلطان کے دربار میں گیا' سلطان نے اس کو پسند کیا اور اس کو "سندھ کا راجہ" خطاب اور راجگی کے ماہی مراتب دے کر سیوستان بھیجا اور اس کو وہ جاگیر میں دے دیا۔ جب وہاں پہنچا تو ونار اور قیصر کو یہ برا معلوم ہوا کہ ایک کافر کو ان پر فوقیت دی جائے تو باہم مشورہ کر کے اس کو قتل کر دیا...... اور خزانہ لوٹ لیا اور سب نے مل کر اونار کو ملک فیروز کا خطاب دے کر اپنا بادشاہ بنا لیا...... پھر ونار یہ سمجھ کر کہ وہ اس وقت اپنے قبیلہ سے دور ہے۔ ڈرا اور اپنے قبیلہ میں چلا گیا...... لشکریوں نے قیصری کو امیر بنا لیا...... جب ملتان کے نائب کو خبر لگی تو اس نے اس کی سزا کیلئے فوج بھیجی اور سخت سزا دی۔[1] (باختصار)

ابن بطوطہ اسی وقت پہنچا تھا' ایک مدرسہ میں ٹھہرا تھا۔ لاشوں کی بدبو سے اس کو نیند نہیں آتی تھی۔ ان دونوں اقتباسوں سے کئی باتیں ثابت ہوتی ہیں۔

۱- سامری لوگ اپنے بزرگوں کی آبادی کو حجاج بن یوسف ثقفی کی آمد سے متعلق کرتے تھے۔

۲- وہ مذہباً ہندو نہ تھے اور نہ ہندوؤں کی ماتحتی پسند کرتے تھے ساتھ ہی ان میں بعض باتیں ایسی بھی پائی جاتی تھیں جو عام مسلمانوں سے ان کو الگ کرتی تھیں۔

۳- اس وقت سندھ سلطان دہلی کے ماتحت اس طرح تھا کہ سلطان کی طرف سے ایک امیر یا ریزیڈنٹ سومریوں کے ساتھ رہتا تھا۔

۴- سندھ انتظام ملکی میں ملتان کے ماتحت ہو کر دہلی کا ماتحت تھا۔

۱- سفرنامہ ابن بطوطہ جلد دوم ص ۲۴ (مصر)

سومرہ کا مذہب

دروز والے خط سے سومرہ کا اسماعیلی ہونا تو ثابت ہی ہو چکا ہے مگر چند مزید باتیں ابن بطوطہ سے بھی معلوم ہوتی ہیں۔ ابن بطوطہ کے اس بیان سے واضح ہوتا ہے کہ سومری لوگ عرب فاتحین ہند کے ساتھ آ کر بسے تھے۔ ظاہر ہے کہ یہ راجپوت نہیں ہو سکتے لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی ظاہر ہے کہ کھانے پینے اور شادی بیاہ کے بعض خاص غیر اسلامی مراسم بھی ان میں تھے مگر بااین ہمہ وہ اپنے کو ہندو یا کافر نہیں بلکہ موحد اور مسلمان ہی سمجھتے تھے اور اسلامی لقب ملک فیروز اختیار کرتے تھے اور کافر کی اطاعات کو اپنے لئے تحقیر کا باعث سمجھتے تھے اس لیے وہ ہندو قطعاً نہیں تھے۔ ایسا مخلوط مذہب قرمطیوں اور اسماعیلیوں ہی کا تھا جو اسلام کے ساتھ کچھ ہر جگہ کے ملکی مراسم اور اعتقادات کو شامل کر لیتے تھے چنانچہ انہوں نے ہندوستان میں حضرت علی کو وشنو کا اوتار بنایا تھا اور اسی قسم کی باتیں وہ مخلوط کر لیتے تھے۔ اس سے ان کو ہر ملک میں مذہب کی تبلیغ میں آسانی ہوتی تھی اور پرانے زمانہ میں اسماعیلیوں کے قلعہ الموت سے سندھ میں مبلغین کا آنا تاریخوں سے ثابت ہے(1) اور یہ عقائد کے اخفا کا مسلک بھی انہیں میں تھا۔ وہ نام بھی ہندوؤں کے اختیار کر لیتے تھے جیسا کہ آج بھی بمبئی کے خوجہ قوم میں ان باتوں کی مثالیں مل سکتی ہیں۔ اس سلسلہ میں ایک عجیب واقعہ شیخ الاسلام زکریا ملتانی کے مرید در مرید مخدوم جہانیاں سید جلال الدین بخاری (سنہ ۷۰۷۔۸۰۰ھ) کے حالات کے ضمن میں ملتا ہے۔ یہ ان کا ذکر آگے کسی موقع پر آئے گا۔ یہ سندھ کے شہر اوچ میں سکونت پذیر اور مرجع خلائق تھے۔ لکھا ہے کہ اوچ کا والی ''سومرہ'' ان کی خدمت میں ایک دفعہ آیا' درویشوں کا ہجوم تھا۔ سومرہ نے ان میں سے کسی کو حضرت کی اجازت کے بغیر ''مسجد'' سے باہر نکال دیا۔ اس وقت مخدوم کی زبان سے نکلا کہ ''سومرہ مگر دیوانہ شدہ'' اسی وقت وہ پاگل ہو گیا۔ شہر میں غل ہو گیا آخر اس کی ماں نے آ کر بڑی منت کی' قصور معاف ہوا' وہ ہوش میں آیا اور ''مسجد'' میں آ کر پاؤں چومے' مرید ہوا اور مقبول بارگاہ ہوا(2) کیا اس واقعہ سے یہ سمجھا جائے کہ وہ اسماعیلیت سے تائب ہو کر سنی ہو گیا؟

اسماعیلی مذہب کی مصر والی فاطمی سلطنت کا خاتمہ سنہ ۵۶۷ھ میں سلطان صلاح الدین

۱- دعوت اسلام (پریچنگ آف اسلام) ڈاکٹر آرنلڈ ص ۲۹۳

۲- فرشتہ جلد ۲ ص ۴۱۶ (نولکشور)

کے ہاتھوں سے ہوگیا۔ اس کے بعد حسن بن صباح والی اسماعیلی نزاری سلطنت قلعہ الموت کی قائم رہی جو سنہ ۴۸۳ھ (۱۰۹۱ء) سے شروع ہو کر سنہ ۶۵۴ھ (۱۲۵۶ء) میں ہلاکو کی تلوار سے برباد ہوئی۔ ظاہر ہے کہ سندھ کی اسماعیلی جماعت پر اصل مرکز کی بربادی کا کیا اثر پڑا ہوگا۔ اس لئے ان سومریوں کا یا ان میں سے بعض کا سید جلال بخاری کے ہاتھ پر سمنیہ ہو جانا بالکل ممکن ہے۔

سومرہ کی قومیت

سومرہ لوگوں کی قومیت کے مسئلہ کے حل کرنے کے لیے سب سے پہلے ہم کو اپنے پرانے مورخوں کے بیانات سننے چاہئیں۔ ابن بطوطہ کا سب سے پہلا بیان سن چکے کہ یہ اپنے اسلاف کا سندھ میں حجاج بن یوسف کے زمانہ فتح سندھ میں آباد ہونا بیان کرتے تھے۔ اس کے بعد تاریخ معصومی کے مصنف میر محمد معصوم کا بیان ہے۔ وہ اپنی تاریخ کے دوسرے باب میں کہتا ہے کہ

> ''سلطان محمود نے ملتان اور سندھ فتح کر لیا۔ سلطان عبدالرشید بن محمود کے زمانہ میں (سنہ ۴۴۱۔۴۴۴ھ) جب سلطنت اس کی عیاشی اور آرام طلبی کے سبب سے کمزور ہوئی تو انہوں نے غزنویوں کا جوا اپنے کندھے سے اتار دیا اور سومرہ کے قبیلہ نے تھری کے مقام میں جمع ہو کر سومرہ نام ایک شخص کو تخت پر بٹھایا۔ انہیں اطراف میں سعد نام ایک طاقتور زمیندار تھا' سومرہ نے اس سے تعلق پیدا کیا اور اس کی لڑکی سے شادی کر لی۔ اس سے ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام بھونگر رکھا اور باپ کے مرنے پر وہی بادشاہ ہوا۔''(۱)

(اس کے بعد میر معصوم نے اس کی اولاد در اولاد کے حالات لکھے ہیں جن میں سے بعض کے عربی نام جیسے خفیف اور عمر اور بعضوں کے ہندی جیسے دودا لکھے ہیں)۔

تاریخ طاہری کے مصنف نے زیادہ تر افسانے اور قصے لکھے ہیں جن کا آغاز اس نے ''عمر سومرہ'' اور ایک ہندو خاتون کے عشق و محبت سے کیا ہے۔ اسی کے ضمن میں وہ کہتا ہے کہ

۱۔ تاریخ معصومی از الیت جلد اول ص ۲۱۵

''یہ قبیلہ ہندو تھا اور ہندو مذہب کا پابند تھا سنہ ۷۰۰ھ سے سنہ ۸۴۳ھ تک سلطنت کی الور کے قریب ان کا مقام تھا اور محمد نوران کا دارالسلطنت تھا'' (۱)

بیگ لارنامہ میں صرف اسی قدر ہے کہ سندھ کی اسلامی فتح کے بعد عرب قبیلہ تمیم نے حکومت کی، تھوڑے دنوں کے بعد سومرہ لوگوں نے قبضہ کیا، پانچ سو برس قابض رہے، ان کے پایہ تخت کا نام مہاتم نور تھا۔

کس قدر عجیب بات ہے کہ ان کے اشخاص کے عربی ہندی ناموں کی طرح ان کے پایہ تخت کا نام بھی عربی ہندی ہے یعنی وہی کبھی محمد نور ہے اور کبھی مہاتم نور۔ کہا جاتا ہے کہ مہاتم محمد ہی کی تحریف ہے، ممکن ہے کہ ایسا ہی ہو۔ یہ دیرگ کے پرگنہ میں جو موجودہ پرگنہ چاچ گم اور بادبن کی جگہ تھا جو پارکر اور ونکا بازار کے بیچ میں ہے۔

تحفۃ الکرام کے مصنف نے منتخب التواریخ (بدایونی نہیں) سے جو محمد یوسف کی تصنیف ہے یہ اقتباس نقل کیا ہے۔

''جب سلطان عبدالرشید بن سلطان محمود غزنوی کی حکومت ہوئی تو سندھ کے لوگوں نے اس کو کمزور پایا۔ سنہ ۴۴۵ھ (سنہ ۱۰۵۳ء) میں سومرو قبیلہ والوں نے تھری میں جمع ہو کر سومرہ نام ایک شخص کو بادشاہ بنایا اور اس کے ایک لڑکا بھنگر نام ایک زمیندار سعد نام کی لڑکی کے بطن سے پیدا ہوا۔ بھنگر نے ۵ برس حکومت کر کے سنہ ۴۶۱ھ میں وفات پائی (۲) (خلاصہ)

خود تحفۃ الکرام کا مصنف لکھتا ہے کہ

> ''سومرہ قوم سامرہ کے عربوں سے نکلی ہے جو سندھ میں دوسری صدی ہجری میں قبیلہ تمیم کے ساتھ آئی۔ تمیم عباسیہ کے زمانہ میں سندھ کے گورنر مقرر ہوئے تھے۔''

پھر وہ کہتا ہے کہ

''سندھ میں دلورائے راجہ تھا اس نے اپنے بھائی چھوٹا امرانی پر ظلم کیا، وہ خلیفہ بغداد کے پاس گیا خلیفہ نے سامرہ کے سو عرب اور سادات اس کے ساتھ کر دیئے۔ سید نے آ کر

۱۔ تاریخ طاہری (الیٹ) ص ۲۶۰، ۴۸۴

۲۔ تحفۃ الکرام الیٹ جلد اول ص ۳۴۴

سندھ میں سکونت اختیار کرلی اور دلورائے نے اپنی لڑکی اس سے بیاہ دی۔(۱)

تاریخ طاہری کے مصنف نے دلورائے اور چھوٹا امرانی دونوں بھائیوں کے درمیان اختلاف کی ایک وجہ یہ لکھی ہے کہ چھوٹا بچپن سے اسلام کی طرف مائل تھا اس نے قرآن پڑھا تھا اور دل میں مسلمان ہو گیا تھا۔ وہ چھپ کر حج کے لئے چلا' راستہ میں ایک عجیب طریقہ سے فاطمہ نام ایک لڑکی سے شادی کی حج سے لوٹ کر جب وہ سندھ کے مقام سیوستان میں پہنچا اس کا انتقال ہو گیا اور وہیں دفن ہوا اور اس کا مزار مرجع خلائق ہے۔(۲)

عربی ہندی مخلوط تھے

الغرض یہ تمام اقتباسات یہی بتاتے ہیں کہ یہ قبیلہ عربی اور ہندی مخلوط نسل تھا۔ جن لوگوں نے اس کو عرب بتایا ہے وہ اس کی ایک حیثیت کا اور جو ہندو بتاتے ہیں وہ دوسری حیثیت کا ذکر کرتے ہیں۔ سومر نام جیسا کہ دروز کے خط سے ظاہر اور فارسی تاریخوں میں مذکور ہے اس حکومت کا بانی تھا اس لئے ان لوگوں کو سومری' سامرہ وغیرہ کہنے لگے۔ عراق کے شہر سامرہ سے کوئی تعلق نہیں۔ شہر سامرہ کا اصلی نام سرمن رای تھا جو استعمال کی کثرت سے عوام کی زبان میں سامرہ ہو گیا' اس کو خلیفہ معتصم باللہ عباسی (سنہ ۲۲۷ھ) نے بسایا تھا۔

خالص راجپوت نہ تھے

یورپین مورخوں نے اس قبیلہ کو ''نومسلم راجپوت'' بتایا ہے جیسا کہ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے مضمون نگار سندھ نے بھی لکھا ہے(۳) ایلیٹ صاحب بھی یہی ثابت کرنا چاہتے ہیں مگر ان میں سے کوئی صاحب کوئی دلیل نہیں پیش کرتے۔ فارسی مورخین کے ملے جلے بیانوں سے یہ تو ظاہر ہی ہوتا ہے کہ وہ خالص ہندی بھی نہ تھے تو خالص راجپوت کیونکر ہوں گے۔

یہودی نہ تھے

مولوی عبدالحلیم صاحب شرر مرحوم نے ایک عجیب بات لکھی ہے کہ یہ لوگ ''نومسلم یہودی'' تھے۔ مولوی صاحب کو شاید اس لیے اشتباہ ہوا کہ یہودیوں کے ایک فرقہ کا نام

۱- تحفۃ الکرام ایلیٹ جلد اول ص ۳۴۳

۲- تاریخ طاہری ایلیٹ ص ۳۵۸

۳- گیارھواں ایڈیشن جلد ۲۵ ص ۱۴۳

سامری تھا جو شام کے کوہ شمرون کی طرف منسوب تھے۔ اس اشتباہ کی دوسری وجہ بشاری مقدسی کی ایک عبارت ہے جس کو مرحوم نے عجیب طریقہ سے اپنے مدعا کے مطابق کیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ بشاری نے اپنے مقدمہ میں جن قوموں اور فرقوں کا ذکر کیا ہے ان میں چار عدد کی خصوصیت دکھائی ہے اور لکھا ہے کہ ''اہل ذمہ بھی جن سے جزیہ لیا جا سکتا ہے چار ہیں' یہود' نصاریٰ' مجوس اور صابیؑ' پھر اعتراض کیا ہے کہ ''سامرہ'' بھی تو اہل ذمہ ہیں۔ اس طرح چار کے بجائے پانچ قومیں ہو جاتی ہیں۔ اس کا جواب دیا ہے کہ ''سامرہ دراصل یہود کی ایک قسم ہیں۔ دیکھو وہ بھی موسیٰ علیہ السلام ہی کو پیغمبر مانتے ہیں''۔ یہ تو اصل نسخہ کی عبارت ہے۔ حاشیہ میں ایڈیٹر نے ایک اور نسخہ کی عبارت بھی نقل کی ہے جس میں اس اعتراض کا جواب دیا ہے کہ ''سندھ کے بت پرست بھی تو اسلامی ملک میں رہتے ہیں۔ پھر اہل ذمہ چار سے زیادہ ہو جاتے ہیں''۔ بشاری اس کے جواب میں کہتا ہے کہ ''سندھ کے بت پرست اہل ذمہ نہیں ہیں کیونکہ وہ جزیہ نہیں ادا کرتے (۱) اس لئے بالآخر اہل ذمہ وہی چار رہے''۔

مرحوم نے ''سامرہ'' اور ''سندھ'' کو اوپر نیچے دیکھ کر باہم مربوط کر کے ایک دعویٰ پیدا کر لیا ہے جو سراسر بے بنیاد ہے۔ بشاری کی احسن التقاسیم موجود ہے جس کو دیکھ کر ہر شخص واقعہ کی حقیقت کو جان سکتا ہے۔

سومری بادشاہ

تحفۃ الکرام میں سومرہ کے حسب ذیل بادشاہوں کے نام اور سلطنت کے ایام لکھے ہیں۔

ہندوستان میں مسلمان

۱-سومرہ' زمانہ دراز تک' ۲-بھونگر بن سومرہ اول' ۱۵ سال سنہ ۴۱۱ھ میں مرا۔ ۳-دودا اول بن بھونگر' ۲۴ سال سنہ ۴۸۵ھ میں مرا۔ ۴-سنگھر ۱۵ سال' ۵-حفیف یا (خفیف) ۳۳ سال' ۶-عمر (۲) ۴۰ سال' ۷-دودا دوم' ۱۴ سال' ۸-پاتھو ۳۳ سال' ۹-گنہرا اول' ۱۶ سال' ۱۰-محمد تور (؟) ۱۵ سال' ۱۱-گنہرا دوم' چند سال' ۱۲-دودا سوم' ۱۴ سال' ۱۳-تائی ۱۵

۱- احسن التقاسیم بشاری ص ۴۲ (لیدن)

۲- یہ عمر نام شیعہ اسماعیلیوں میں عجیب معلوم ہوتا ہے۔ یہ شائد اصل میں اتر ہو جیسا کہ سراج عفیف میں ہے اور جس کا دوسرا تلفظ اونار یا دنار یا اتار ہے جیسا کہ ابن بطوطہ اور سندھ کی بعض فارسی تاریخوں میں ہے۔

سال، ۱۴-چینسر ۱۸ سال، ۱۵-بھونگر دوم ۱۵ سال، ۱۶-حفیف (یا خفیف) دوم ۱۸ سال، ۱۷-دود چہارم، ۲۵ سال، ۱۸-عمر سومرا ۳۵ سال، ۱۹-بھونگر سوم ۱۰ سال، ۲۰-ھمیر (امیر) آخری بادشاہ

گیارھویں بادشاہ کے چند مبہم سال اور آخری بادشاہ کا زمانہ اس میں شامل نہیں۔ اگر چند سال یہ بھی بڑھا لئے جائیں تو کم از کم ان کا زمانہ ۳۷۵ سال ہوتا ہے اور اگر ان کا آغاز سلطان عبدالرشید کے بعد سے یعنی سنہ ۴۴۴ھ سے کیا جائے تو ان کے خاتمہ کا سال سنہ ۸۱۹ھ ہوتا ہے لیکن گزر چکا ہے کہ ان کا خاتمہ محمد شاہ تغلق کے زمانہ میں سنہ ۷۵۲ھ میں ہوا اس لئے سڑسٹھ برس کا زمانہ ان بادشاہوں کی بیان کردہ مدت سلطنت میں زیادہ معلوم ہوتا ہے۔

سومریوں کا خاتمہ

محمد شاہ تغلق کے زمانے میں سلطان دہلی اور سومریوں کی باہمی آویزش شروع ہوتی ہے۔ محمد شاہ تغلق کے آخر زمانہ میں طغی نام ایک مغل گجرات میں باغی ہوتا ہے اور بادشاہ کے گجرات پہنچنے پر وہ بھاگ کر ٹھٹھہ (سندھ) کے سومریوں کے پاس پناہ لیتا ہے۔ بادشاہ اس کے تعاقب میں ٹھٹھہ جاتا ہے اور مغلوں اور سومریوں سے متحدہ مقابلہ پیش آتا ہے لیکن یکایک بادشاہ کا مزاج منحرف ہو جاتا ہے اور وہیں وفات پا جاتا ہے، بے بادشاہ کی فوج مغلوں اور سومریوں کے ہاتھوں سے سخت تکلیف اٹھاتی ہے اور آخر فیروز شاہ تغلق کو اپنا بادشاہ بنا کر اس دوطرفہ مشکل سے نجات پاتی ہے اور دلی واپس آتی ہے۔ یہ سنہ ۷۵۲ھ کا واقعہ ہے۔(۱)

لیکن چند سال کے بعد جب فیروز شاہ سنہ ۷۶۲ھ میں یہاں آتا ہے تو جاموں کی سلطنت یہاں ملتی ہے۔ جام انڑ اور اس کا بھتیجا بانھبنہ حکمراں ہوتے ہیں۔ یہ جام کا لقب سمہ کے بادشاہوں کا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہی زمانہ سومرہ کے خاتمہ اور سمہ لوگوں کے آغاز کا ہے۔ تحفۃ الکرام میں سنہ ۷۵۲ھ میں سمہ قوم کا آغاز لکھا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی محمد شاہ تغلق کے حملہ کے بعد ہی یہ انقلاب پیش آیا اور بقول فرشتہ اس انقلاب میں مسلمانوں کی کوشش کو سب سے زیادہ دخل تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اسماعیلی یا ہندونما سومریوں کی بغاوت کے بعد عام مسلمانوں نے یہی مناسب سمجھا کہ سومریوں کو یہیں کی ایک نومسلم دیسی

۱- فیروز شاہی ضیاء برنی ص ۵۲۳۔۵۲۵ (کلکتہ)

قوم کے ذریعہ سے مٹا دیا جائے۔ چنانچہ سمہ قوم کے ایک سردار اونر نام نے سومریوں کے آخری بادشاہ ھمیر (امیر) کو جس کی دوسری لفظی تحریف ارمائیل ہے قتل کر کے اپنی سلطنت قائم کر لی۔

نئی تحقیقات کی ضرورت

سومری بادشاہوں کی فہرست اوران کے زمانے کی تعین تنقیدی نظر سے بہت کچھ محتاج تحقیق ہے اوراس پر ہمارے ہندوستانی مورخین کو تھوڑی محنت کرنی ہے مثلاً سنہ ۶۲۰ ھ سے ایک دو سال پہلے جب سلطان جلال الدین خوارزم شاہ تاتاریوں سے بھاگ کر سندھ آیا اور ٹھٹھہ پہنچا تو جلسی نام سومری بادشاہ نے بھاگ کر کشتیوں میں اپنے ساز و سامان کو لاد کر کسی جزیرہ میں پناہ لی (۱) یہ جلسی نام فہرست میں نہیں نولکشوری نسخہ پر اعتبار نہیں۔ ممکن ہے کہ یہ جلسی نام چنیسر کی خرابی ہو جو ہماری فہرست میں چودھویں نمبر پر ہے۔ اسی طرح سنہ ۷۳۴ ھ میں ابن بطوطہ کے ورد سندھ کے زمانہ میں اونار بادشاہ تھا۔ یہ نام بھی اس فہرست میں نہیں مگر ممکن ہے کہ یہ وہی ہو جس کا نام عمر کی صورت میں اٹھارھویں نمبر پر ملتا ہے۔

سمہ

سومریوں کے بعد سمہ قبیلہ کے جو لوگ سندھ پر قابض ہوئے ان کی راجدھانی ٹھٹھہ تھی جس کو عرب دیبل کہتے ہیں۔

سمہ کو فارسی مورخین جمع کی صورت میں سمگان لکھتے ہیں جس طرح انگریز مصنفین S کے ساتھ جمع بنا کر سماس (Sammas) لکھتے ہیں۔ اس سے دھوکا کھا کر بعض لوگوں نے ان کا نام سماس لکھا ہے۔ یہ مذہباً مسلمان تھے گو اس میں اختلاف ہے کہ یہ شروع ہی سے مسلمان تھے یا بعد کو مسلمان ہو گئے۔ ان کا صدر مقام ٹھٹھہ تھا' سرکاری لقب جام تھا اور نام ہندی عربی ملا ہوتا تھا مثلاً مشہور سمہ بادشاہ کا نام جام نندا نظام الدین تھا۔ یہ لوگ اس قدر طاقتور تھے کہ مدت تک یہ سلاطین دہلی کا پرزور مقابلہ کرتے رہے۔ سنہ ۷۵۲ ھ (سنہ ۱۳۵۱ ع) سے سنہ ۹۲۷ ھ تک یعنی ایک سو پچھتر (۱۷۵) برس سندھ پر فرمانروائی کرتے رہے۔

اس قبیلہ کی اصلیت کی نسبت بھی مورخین میں سخت اختلاف ہے۔ سندھ کے بعض مورخین نے ان کو عربی النسل تسلیم کیا ہے۔ ان کو ابو جہل کی اولاد کہا ہے۔ بعد کے فارسی مورخین

فرشتہ اور ابوالفضل (آئین اکبری) نے ان کو ''جام'' کے لقب کی وجہ سے ایرانی بادشاہ جمشید کی اولاد کہا ہے جس کی بنیاد صرف لفظ ''جم'' اور جام کے تشابہ پر ہے جو سراسر غلط ہے۔ یورپین مورخین الیٹ (۱) اور انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا (۲) اور انسائیکلو پیڈیا آف اسلام (۳) کے مضمون نگار ان کو نومسلم راجپوت کہتے ہیں مگر اخیر کے سوا کسی نے کوئی دلیل پیش کرنے کی زحمت نہیں گوارا کی ہے۔ آخر الذکر کی دلیل کا خلاصہ اسی قدر ہے کہ ''جام'' کچھ اور نوانگر کے راجپوت راجاؤں کا لقب ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ بعض پرانے مورخین کے بیان سے بھی اس خیال کی تائید ہوتی ہے چنانچہ تاریخ معصومی میں ہے کہ سمہ لوگ کچھ سے سندھ آئے تھے (۴) چچ نامہ کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ سمہ قبیلہ کے لوگ سندھ میں محمد قاسم کے زمانہ (سنہ ۹۲ھ) سے پہلے ہی آباد تھے۔ چنانچہ جب محمد قاسم ان کی آبادی میں پہنچا تو ان لوگوں نے راگ اور باجے سے اس کا استقبال کیا اور بہت خوش ہوئے۔ محمد قاسم نے ایک عرب سردار کو جس کا نام خریم (؟) اور اسکے باپ کا نام ''عمر'' بتایا گیا ہے ان کا سردار مقرر کیا (۵) تاریخ طاہری کا بیان ہے کہ ''اس طرح وہ ملک جو سمندر کے کنارے ہے سمہ قوم کے ماتحت ہو گیا جہاں اس کی نسل اب تک آباد ہے۔ رائے بھارا اور جام سہتا اور چھوٹے اور کچھ کے راجہ اسی قوم سے ہیں۔ (۶)

لیکن تاریخ بلاذری میں جو سنہ ۲۹۷ھ کی تصنیف ہے۔ مجھے ایک فقرہ ملتا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے۔

> ''پھر سندھ کا والی داؤد بن یزید بن حاتم مقرر ہوا۔ اسی کے ساتھ صمہ کا باپ (ابوالصمة المتغلب الیوم) گیا تھا جو آج کل سندھ پر قابض ہے وہ قبیلہ کندہ کا آزاد کردہ غلام ہے''۔ (۷)

کیا یہ سمجھا جائے کہ اسی ''صمہ'' کی اولاد تھی جو بعد کو قبیلہ ''سمہ'' کے نام سے موسوم ہوئی

۱- تاریخ ہند جلد اول ص ۴۹۷
۲- مضمون سندھ جلد ۲۵ ص ۱۴۳ (طبع ۱۱)
۳- مضمون سمہ (Samma) انگریزی ایڈیشن
۴- معصومی (الیت) ص ۲۲۳
۵- چچ نامہ (الیت) ص ۱۹۱
۶- طاہری الیت ص ۲۶۸
۷- بلاذری ص ۴۴۵ (لیدن)

اور جو ممکن ہے کہ کچھ میں جاری ہو اور پھر وہاں سے سنہ ۷۵۲ھ میں آ کر اس نے سومرہ لوگوں سے سندھ چھین لیا ہو۔

سمہ بادشاہ

سمہ لوگوں کا زمانہ بہت بعد کا ہے یعنی جب دلی میں مسلمانوں کی مضبوط حکومت قائم تھی۔ اس لئے سمہ بادشاہوں کے نام اور لقب اور زمانہ زیادہ احتیاط سے محفوظ ہیں۔ فرشتہ کے بیان کے مطابق ان بادشاہوں کی تفصیل یہ ہے۔

> ''شاہ محمد تغلق کے عہد میں مسلمانوں کی کوشش سے سومریوں کے ہاتھوں سے نکل کر سندھ کی حکومت سمہ لوگوں کے ہاتھوں میں آئی۔ اس قبیلہ کے اکثر سردار اسلام کی دولت سے بہرہ مند تھے اور اکثر اوقات یہ بادشاہ دہلی کے مطیع اور باج گزار رہے۔ البتہ کبھی کبھی بغاوت اور سرکشی بھی کر بیٹھتے تھے۔ اسلام کے زمانہ میں سب سے پہلا شخص جوان کا بادشاہ بنا وہ جام افزا (انار یا ونار)(۲) تھا۔ وہ بہت عقلمند تھا اس نے ساڑھے تین سال حکومت کی اس کے بعد اس کا بھائی جام جونا بادشاہ ہوا جو بہت انصاف پسند تھا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا جام مانی ہوا جس نے سلطان دہلی سے مخالفت کی اور سنہ ۷۶۲ھ میں سلطان فیروز شاہ نے اس پر چڑھائی کی' پہلے ناکام رہا' پھر گجرات سے واپس آ کر سلطان نے اس کا مقابلہ کیا آخر جام مانی نے صلح کر لی۔''(۳)۔

اس لڑائی اور صلح کا حال فیروز شاہ کے عہد کے چشم دید مورخ سراج عفیف نے پوری تفصیل سے لکھا ہے لیکن اس زمانہ کے جام کا نام اس نے اونر لکھا ہے اور اس کے ساتھ اس کے بھتیجے کو جس کا نام بانہبنہ بتایا ہے شریک کیا ہے۔ سمہ لوگوں کی طاقت کا اندازہ اس سے ہوگا

۱- بلاذری ص ۴۴۵ (لیدن)

۲- فرشتہ کے مطبوعہ نولکشور نسخہ میں اس جام کا نام افزا لکھا ہے مگر یہ کاتب یا نسخہ کی غلطی ہے۔ اصل لفظ انار یا دنار یا اونر ہے جیسا کہ ابن بطوطہ اور سراج عفیف میں ہے۔

۳- تاریخ فرشتہ جلد دوم ص ۳۱۷ نولکشور

کہ جام نے چالیس ہزار پیادہ اور بیس ہزار سوار فوج سے فیروز شاہ سلطان دہلی کا مقابلہ کیا۔ رسد اور گھاس کی قلت کے سبب سے سلطان کو کامیابی نہ ہوئی اور وہ سندھ چھوڑ کر گجرات چلا گیا۔ دوسرے ہی سال وہاں سے واپس آ کر اس نے پھر حملہ کیا۔ جام ناچار صلح پر آمادہ ہوا۔ یہ سنہ ۷۶۲ھ (سنہ ۱۳۶۱ع) کا واقعہ ہے۔

یہ صلح کس طرح ہوئی؟

سید جلال الدین حسین بخاری جو اس عہد کے مشہور باخدا بزرگ تھے اور جن کا نام سومرہ کے مذہبی باب میں آ چکا ہے وہ اوچ میں مقیم تھے۔ جام نے مشورہ کر کے ان کی خدمت میں اپنے قاصد بھیجے کہ وہ یہاں تشریف لا کر سلطان سے میرا قصور معاف کرا دیں۔ سید جلال الدین بخاری تشریف لائے اور بادشاہ نے پوری عقیدت کے ساتھ خیر مقدم کیا۔ سید علیہ الرحمہ نے فریقین کو دلاسا دیا جام اور جام کے شریک حکومت بانہبنہ کو خود لے جا کر فیروز شاہ سے ملایا اور صلح کے شرائط طے ہو گئے۔ (۱)

سمہ بادشاہوں کے نام

میر معصوم اور فرشتہ نے سمہ بادشاہوں کے نام اور زمانے لکھے ہیں۔ شروع کے بعض ناموں میں ان دونوں میں کچھ اختلاف ہے مثلاً خیرالدین کا نام فرشتہ میں نہیں اس کی جگہ جام مانی لکھا ہے۔ ممکن ہے کہ مانی اور خیرالدین ایک ہی شخص ہو۔ آخر کے ناموں میں بھی کچھ اختلاف ہے۔

۱-	جام اونار یا ونار یا اونر	۳ سال ۶ مہینے
۲-	جام جونا برادر جام اونار بن بانہبنہ	۱۴ سال معاصر علاؤالدین خلجی
۳-	جام تماجی	۱۵ سال ایضاً
۴-	جام خیرالدین	۱۶ سال ایضاً
۵-	جام بانہبنہ	۱۶ سال ایضاً
۶-	جام تماجی	۱۶ سال ایضاً

۱- تفصیل کے لئے دیکھو فیروز شاہی شمس سراج عفیف ص ۲۴۰، ۲۴۱ (کلکتہ)

۷-	جام صلاح الدین	۱۱ سال
۸-	جام نظام الدین بن صلاح الدین	۲ سال چند مہینے
۹-	جام علی شیر بن نظام الدین	۶ سال چند مہینے
۱۰-	جام کرن بن جام تماجی	ڈیڑھ دن

جام اونر کا خاندان ختم ہو کر اسی سمہ قبیلہ کا ایک اور خاندان تخت پر بیٹھا اس کے پہلے بادشاہ کا نام فتح خاں تھا۔

۱۱-	فتح خان بن سکندر	۱۵ سال
۱۲-	جام تغلق بن سکندر برادر فتح خان	۲۸ سال
۱۳-	جام مبارک (جام تغلق کا ایک عزیز قریب)	۳ روز
۱۴-	جام سکندر بن جام فتح خاں بن جام سکندر	۱ سال ۶ مہینے
۱۵-	جام رائے ودن (مسلمان تھا)	سنہ ۸۵۸ھ میں کچھ سے آیا
۱۶-	جام سنجر (سمہ قوم کا ایک سردار)	۸ برس چند مہینے
۱۷-	جام نندا نظام الدین	۲۶ برس
۱۸-	جام فیروز بن جام نندا	آخری بادشاہ

جام نندا کے زمانہ میں سنہ ۸۹۰ھ میں شاہ بیگ ارغون نے قندھار سے آ کر سندھ پر حملہ کیا مگر ناکام رہا۔ جام نندا کے بعد اس کے بیٹے جام فیروز اور اس کے ایک مدعی عزیز جام صلاح الدین میں باہم حصول تخت کے لئے لڑائی ہوئی۔ جام صلاح الدین گجرات کے سلطان مظفر کی بیگم کا چچا زاد بھائی تھا اس لئے جام صلاح الدین کی مدد کے لئے سلطان مظفر گجراتی اٹھا۔ یہ دیکھ کر جام فیروز نے شاہ بیگ ارغون قندھاری سے مدد مانگی۔ شاہ بیگ ارغون نے اس موقع کو غنیمت سمجھ کر سنہ ۹۲۷ھ میں سندھ پر قبضہ کر لیا اور سمہ قوم کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔ [1]

اوپر بادشاہوں کے جو ایام حکومت لکھے ہیں ان کا مجموعہ ۱۹۲ ہوتا ہے۔ حالانکہ سنہ ۷۵۲ھ سے سنہ ۹۲۷ھ تک کل ایک سو پچھتر برس ہوتے ہیں۔ غالباً جام نندا کا زمانہ زیادہ بتایا گیا ہے۔ ناموں کے بڑھنے کی ایک وجہ یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ خاندان کے دو دو شخص ایک

۱- فرشتہ جلد دوم ص ۳۶۰ نولکشور)

ساتھ حکومت کرتے تھے جیسا کہ سراج عفیف سے معلوم ہوتا ہے۔(۱)

سمہ قوم کا مذہب

سمہ قوم مسلمان تو تھی مگر یہ کہ وہ کب مسلمان ہوئی اور مسلمانوں کے کس فرقہ سے اس کا تعلق تھا۔ اب تک تاریخ کا ایک راز ہے جس کے چہرہ سے تاریکی کا نقاب اٹھانے کی اب تک کوشش نہیں کی گئی ہے۔ مورخوں نے ان کے ہندی اور عربی ناموں کے ذریعہ سے ان کے مذہبی انقلاب کی تاریخ مقرر کی ہے' مثلاً فرشتہ نے انہیں ناموں کے قیاس سے چار پہلے بادشاہوں کو جن کے نام بالترتیب جام اونڑ' جام جونا' جام مانی اور جام تماجی لکھے ہیں ہندو سمجھا ہے اور پانچویں بادشاہ جام صلاح الدین سے مسلمان بادشاہوں کا سلسلہ شروع کیا ہے۔ چنانچہ لکھتا ہے۔

''واز نام جماعت مذکور خصوص از نام تماجی چنین ظاہر می شود کہ انہار زناردار بودند'' (ج ۲ ص ۳۱۸ نولکشور)

لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس قوم کے ناموں کی طرز و وضع سے دھوکا نہ کھانا چاہئے۔ سب سے پہلا ہی نام جو جام اونڑ ہے ابن بطوطہ کے بیان سے معلوم ہو چکا ہے کہ اونار (اونڑ) جس سامری کا نام اس کے زمانہ میں تھا وہ ہندو نہ تھا وہ اپنے کو مسلمان سمجھتا تھا اور ہندو کی ماتحتی سے اس قدر بے زار ہوا تھا کہ سلطان دہلی کے خلاف اس نے بغاوت کر دی تھی اور ملک فیروز اپنا بادشاہی لقب اختیار کر لیا تھا۔ تاریخ طاہری میں جس جام کا زمانہ اسلام کی اشاعت کے لئے خاص طور سے سراہا گیا ہے اس کا نام جام نندا اور اس کے باپ کا نام بانہبنہ بتایا ہے(۲) جام رائے ورن بالکل ہندو نام ہے مگر جب کچھ سے آ کر ٹھٹھہ پر اس نے قبضہ کیا ہے۔ تو اعلان کیا کہ میں صرف اس لئے آیا ہوں کہ ''مسلمانوں'' کے ملک کی حفاظت کروں۔ (۳)

معلوم ہوتا ہے کہ وہ شروع میں اپنا اصلی قومی نام رکھتے تھے بعد کو سلاطین دہلی کی پیروی میں صلاح الدین وغیرہ عربی القاب اختیار کرنے لگے چنانچہ جس جام نے خیرالدین اپنا لقب اختیار کیا ہے وہ بچپن میں اپنے باپ کے ساتھ مدتوں دہلی کے دربار میں رہا تھا۔(۴)

۱- فیروز شاہی ص ۱۹۹' ۲۳۷ (کلکتہ)

۲- تاریخ طاہری (الیت) ص ۲۷۳

۳- تاریخ معصومی (الیت) ص ۲۳۱

۴- ایضاً ص ۲۲۵

آخری بادشاہ جام نندا نظام الدین کو دیکھو کہ اس کے ہندی اور عربی دونوں نام ہیں۔ نندا قومی نام معلوم ہوتا ہے اور نظام الدین عربی شاہی لقب۔ اسی طرح سلطان فیروز شاہ کی لڑائی جس جام سے ہوئی تھی اس کا نام شمس سراج نے رائے اونڑ لکھا ہے۔ (۱) جو ہندو نام ہے مگر قرائن بتاتے ہیں کہ وہ مذہباً ہندو ہونے کے بجائے مسلمان تھا اور ظاہر ہے کہ اگر یہ رائے صحیح ہو کہ یہ عرب تھے تو وہ شروع ہی سے مسلمان ہوں گے اور اگر ہندو تھے تو میرا قیاس ہے کہ سلطنت پانے کے بعد نہیں بلکہ یہ لوگ شروع ہی سے یعنی سلطنت پانے سے پہلے ہی مسلمان تھے بلکہ اہل سنت تھے۔ اپنے قرائن کے پیش کرنے سے پہلے ہم اس بزرگ اور اس کے سلسلہ کا ذکر کرنا چاہتے ہیں جس کی کوششوں سے میرے خیال میں یہ قوم حلقہ اسلام میں داخل ہوئی ہوگی۔ آرنلڈ صاحب نے محض قیاس سے یہ لکھ دیا ہے کہ اس قوم کو عرب تاجروں کے ذریعہ سے اسلام کی دولت ہاتھ آئی (۲) مگر میری رائے میں تجارت کے بجائے تصوف اس کا ذریعہ تھا۔

شیخ الاسلام بہاؤ الدین زکریا اور سید جلال الدین بخاری

اوپر گزر چکا ہے کہ سندھ پر جو ھباری خاندان حکمراں تھا اس کی سلطنت کے مٹنے کے بعد اس خاندان کے بعض لوگ ملتان چلے گئے ان میں وہ زندہ جاوید شخصیت بھی تھی جو شیخ الاسلام بہاؤ الدین زکریا ملتانی کے نام سے مشہور ہے۔ ان کا زمانہ سنہ ۵۷۸ھ سے لے کر سنہ ۶۶۶ھ تک ہے۔ تمام بڑے بڑے اسلامی ملکوں کا انہوں نے سفر کیا تھا اور ان کی ذات سے ملتان علم و تصوف کا مرکز بن گیا تھا۔ سید جلال بخاری نے جو تصوف و سیادت کی ایک مشہور ہستی ہیں وہ بخارا سے ملتان آ کر انہیں شیخ بہاؤ الدین سے بیعت کی تھی' ان سید جلال بخاری کے پوتے مخدوم جہانیاں سید جلال الدین حسین بخاری تھے جن کا نام دوبار اس سے پہلے گزر چکا ہے (ولادت سنہ ۷۰۷ھ وفات سنہ ۸۰۰ھ) اس زمانہ کے بڑے بڑے صوفیہ کا دستور تھا کہ وہ اپنے بااستعداد مریدوں کو تربیت کر کے دور دراز علاقوں میں لوگوں کی رہنمائی اور خدمت کے لئے مقرر کرتے تھے۔ شیخ الاسلام زکریا ملتانی نے اسی طور سے سید جلال' بخاری اول کو سندھ کے شہر اوچ میں لوگوں کی ہدایت کے لئے بھیجا۔ اس وقت سندھ میں

۱- تاریخ فیروز شاہی شمس سراج عفیف ص ۱۹۹ (کلکتہ)

۲- دعوت اسلام (پریچنگ آف اسلام) اردو ص ۲۹۲ سنہ ۱۹۰۷ع

سومرہ قوم کی حکومت کا آخری زمانہ تھا اور سن چکے ہو کہ سومرہ والی اوچ کس طرح سید موصوف کا معتقد اور مرید بنا۔

تاریخ طاہری سے ظاہر ہوتا ہے کہ شیخ الاسلام مخدوم زکریا ملتانی کو نہ صرف سندھ سے بلکہ سمہ قوم (طاہری نے سمہ کے بجائے سومرہ لکھا ہے مگر جو زمانہ بتایا ہے اس کے لحاظ سے سومرہ کے بجائے سمہ چاہئے) سے بہت کچھ تعلقات تھے اور غالباً ان کے اپنے ایک سب سے بڑے مرید کو اس علاقہ میں متعین کرنے کا یہی راز تھا۔ تاریخ طاہری کی عبارت کا لفظی خلاصہ یہ ہے۔

''سنہ ۷۰۰ھ (سنہ ۱۳۰۰ع) سے سنہ ۸۴۳ھ (سنہ ۱۴۳۹ع) تک ۱۴۳ سال سومرہ (سمہ) نام ایک ہندو قبیلہ سندھ پر حکومت کرتا رہا' اس کا پایہ تخت محمد نور تھا اس کا ویرانہ نہ صرف میں نے بلکہ بہت سے لوگوں نے ویرک کے پرگنہ میں دیکھا ہے اس کی ویرانی کے بعد وہاں کے بہت سے باشندے سکورا (سکھر؟) کے پرگنہ میں آ کر بسے جو سمہ کے جام کے زمانہ میں آباد ہوا تھا اور یہیں انہوں نے ایک گاؤں بسایا تھا اس کا بھی نام وہی محمد نور رکھا۔ اس گاؤں میں شیخ الشیوخ مخدوم بہاؤالدین (زکریا) ملا خلیفہ سندھی جو ہندوستان میں بہت مشہور ہیں بہت بڑے بڑے لوگ اور زمیندار جوان کے مرید تھے وہ یہیں رہتے تھے''۔(۱)

دوسرا واقعہ پہلے گزر چکا ہے کہ مخدوم شیخ بہاؤالدین کے مرید سید جلال بخاری جن کو مخدوم نے سندھ کی ولایت مرحمت فرمائی تھی ان کے پوتے سید جلال الدین حسین بخاری جن کا زمانہ سنہ ۷۰۷ھ سے سنہ ۸۰۰ھ تک ہے اور جو اوچ (سندھ) میں قیام پذیر تھے ان کے ہاتھ پر اوچ کے سومرہ والی نے بیعت کی اور بقول فرشتہ۔

''بمسجد رفت و پائے سید بوسیدہ از درویشاں معذرت خواست و مرید گشتہ از مقبولان گردید''(۲)

سید بخاری اوچ میں ہمیشہ وعظ وتذکیر فرمایا کرتے تھے جس کو سن کر بڑے بڑے لوگ متاثر ہوتے تھے۔(۳)

۱- تاریخ طاہری الیٹ ص ۲۵۷

۲- فرشتہ ج ۲ ص ۴۱۶ نولکشور

۳- فرشتہ ج ۲ ص ۴۱۶ نولکشور

سید رحمۃ اللہ علیہ کے سوانح کے قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سومری والی کے مرید ہونے کا واقع سنہ ۷۵۰ھ کے گرد و پیش کا ہے جس کے تقریباً چند سال بعد سومرہ کی جگہ سمہ قوم برسر حکومت آئی اس لئے قرین قیاس ہے کہ بعد کی حکمراں قوم (سمہ) بھی سید موصوف سے خاص عقیدت رکھتی ہوگی۔

سمہ قوم کے دارالسلطنۃ ٹھٹھہ پر پہلے سنہ ۷۵۲ھ میں محمد شاہ تغلق نے جب حملہ کیا تو اس کو وہیں ناگہانی موت آ گئی اور جب سنہ ۷۶۲ھ میں فیروز شاہ تغلق نے پہلی دفعہ حملہ کیا تو ناکام رہا اور وہاں سے گجرات چلا گیا۔ اس واقعہ کو یہ لوگ ''شیخ'' کی کرامت سمجھتے تھے اور اپنی زبان میں سندھی فقرہ بنایا۔

''برکت شیخ تھیا' ایک موا' ایک تھا'' (۱)

یعنی یہ شیخ کی برکت ہے ایک مر گیا اور ایک ناکام بھاگا۔ اس فقرہ میں شیخ سے مراد شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی کی ذات ہے یا سید جلال بخاری کی۔

دوسرے سال جب فیروز شاہ نے گجرات سے واپس آ کر دوبارہ ٹھٹھہ پر حملہ کیا تو جام اونر اور بانبھنہ نے سوا اس کے اور کوئی تدبیر نہ دیکھی کہ ایک قاصد کو سید جلال الدین حسین بخاری کے پاس اوچ بھیجیں اور ان کو تکلیف دیں کہ وہ آ کر سلطان سے مصالحت کرا دیں چنانچہ سید رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے اور فریقین میں مناسب شرائط پر صلح کرا دی اور سلطان سے فرمایا کہ (سمہ لوگوں کے پایہ تخت) ٹھٹھہ میں ایک ولیہ خاتون تھی اسی کی دعا کی برکت سے یہ شہر فتح نہیں ہوتا تھا پرسوں اس کا انتقال ہو گیا۔ (۲)

یہ واقعات پوری طرح ظاہر کرتے ہیں کہ سمہ کے جاموں کو شیخ بہاؤالدین زکریا اور سید جلال الدین حسین بخاری سے کتنی گہری عقیدت تھی۔ ان واقعات سے ان جاموں کا نہ صرف مسلمان ہونا بلکہ اہلسنّت ہونا ظاہر ہوتا ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ ملتان کا یہی سہروردی خانوادہ ان کی ہدایت کا باعث ہوا ہے۔

ان واقعات کا تعلق سمہ قوم کے آخری زمانہ سے نہیں بلکہ بالکل ابتدائی زمانہ سے ہے۔ اس سے میری اس دعوے کی شہادت ملتی ہے کہ سمہ قوم بعد کو نہیں بلکہ شروع ہی سے

۱- فیروز شاہی شمس سراج عفیف ص ۲۳۱ (کلکتہ)

۲- فیروز شاہی ص ۲۴۱ (کلکتہ)

مسلمان تھی۔ خصوصاً جب اس صورتحال کو اس واقعہ کے ساتھ ملا کر دیکھا جائے کہ سمہ قوم کو بر سرحکومت لانے میں سب سے زیادہ مسلمانوں کا ہاتھ تھا۔ فرشتہ کے الفاظ ہیں۔

''درآخر عہد شاہ محمد تغلق شاہ بسعی و امداد مسلمانان دولت از خاندان طبقہ سومرگان بفرقۂ سمگان منتقل شد و اکثر حکام ایشان بدولت اسلام اختصاص داشتند''(۱)

ظاہر ہے کہ اگر یہ سمہ شروع ہی سے مسلمان نہ ہوتے تو مسلمانوں کو ان سے کیا ہمدردی ہوسکتی تھی؟

سندھ اور اطراف سندھ کے دوسرے شہر

ملتان اور منصورہ کے علاوہ سندھ میں اور اس کے اطراف میں عربوں کی اور چھوٹی چھوٹی ریاستیں اور نوآبادیاں بھی تھیں جن کا سراغ چوتھی صدی کے آخر میں محمود غزنوی سے پہلے تک ملتا ہے جن میں سے بعض کو سلطان کے باپ سبکتگین نے اور اکثر کو خود سلطان نے فتح کر کے اپنی سلطنت میں داخل کر لیا۔ ان شہروں میں حسب ذیل مقامات کے نام خصوصیت کے ساتھ چوتھی صدی کے عرب سیاحوں کے بیانات میں ملتے ہیں۔

دیبل یا ٹھٹھہ

یہ مشہور بندرگاہ تھی اور جیسا کہ ہم نے پہلے کہا ہے عرب اس کو دیبل اور فارسی مورخین ٹھٹھہ کہتے ہیں (۲) یہی وہ شہر تھا جو سمہ لوگوں کا پایہ تخت تھا اور جس پر فیروز شاہ سلطان دہلی نے حملہ کیا مگر ناکام رہا۔ آخر حضرت شیخ الاسلام زکریا ملتانی کے مرید کے جاں نشین حضرت شیخ جلال الدین کی وساطت سے فریقین نے صلح کر لی (۳) دیبل میں بڑے علماء اور محدثین گزرے ہیں جن کا ذکر علامہ سمعانی المتوفی سنہ ۵۶۲ھ نے کتاب الانساب میں کیا ہے (۴) یہ بندرگاہ ہونے کی وجہ سے عرب تاجروں کا مرکز

۱- فرشتہ دوم صفحہ ۳۱۷ (نولکشور)

۲- آئین اکبری (سندھ)

۳- تاریخ فیروز شاہی شمس سراج عفیف (کلکتہ) ص ۲۴۱

۴- کتاب الانساب طبع فوٹو گراف لفظ ''دیبلی''

تھا۔ اس کی آبادی کا اندازہ اس سے لگانا چاہئے کہ سنہ ۲۸۰ھ میں خلیفہ معتمد عباسی کے زمانہ میں یہاں ایک زلزلہ آیا تھا جس میں بہت سی عمارتیں گر گئی تھیں۔ اس سانحہ میں جو آدمی مکانات کے نیچے دب کر مر گئے ان کی تعداد ڈیڑھ لاکھ تھی (۱) بشاری (سنہ ۳۷۵ھ) نے لکھا ہے کہ "اس کے آس پاس ایک سو گاؤں ہیں' تعداد زیادہ ہندوؤں کی ہے سب لوگ بیوپاری اور سوداگر ہیں ان کی زبان سندھی اور عربی ہے۔ یہاں کی آمدنی بہت ہے"۔

عسیفان

بلاذری نے اس کا مقام ملتان کشمیر اور کابل کے بیچ میں بتایا ہے جو شاید زیادہ صحیح نہ ہو البتہ سندھ میں اس کے مماثل نام ملتے ہیں۔

ڈاکٹر آرنلڈ کو بھی دعوت اسلام لکھتے وقت اس کا پتہ نہ مل سکا (۲) اور مولانا شبلی مرحوم کے ذریعہ سے اس کی تحقیقات بھی کی (۳) لیکن میرا قیاس ہے کہ اس نام کی اصلیت' اسیوان ہے جس کو سیوان بھی کہہ سکتے ہیں۔ اس نام کے شہر دہلی اور سندھ کے بیچ میں ہیں۔ فارسی تاریخوں میں بھی یہ نام آیا ہے (۴)۔ سیہوان کا ذکر ابن بطوطہ نے بھی کیا ہے اور اب یہ کراچی کے ضلع میں ہے۔ بعضوں نے سیوستان اور سیوان کو ایک قرار دیا ہے۔ بہرحال تیسری صدی ہجری کے شروع میں (معتصم المتوفی سنہ ۲۲۷ھ کے عہد میں) یہاں مسلمان سوداگروں کی آبادی تھی۔ (۵)

تنبلی

تنبلی نام بھی سندھ میں ایک مقام تھا' سنہ ۳۷۵ھ میں یہاں بھی کچھ مسلمان آباد تھے۔ (۶)

۱- تاریخ الخلفا سیوطی مطبوعہ کلکتہ صفحہ ۳۸۰
۲- دعوت اسلام ص ۲۹۱
۳- مکاتیب شبلی جلد دوم ص ۱۷
۴- خزائن الفتوح امیر خسرو
۵- بلاذری ص ۴۴۶
۶- بشاری ص ۴۸۰

بوقان

بلاذری نے سندھ کے ایک مقام بوقان (یا بوکن) کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ ہمارے زمانہ میں یہاں کے باشندے سب مسلمان ہیں (۱) اس کا زمانہ تیسری صدی ہجری کا اخیر ہے۔

قصدار

بعض لوگوں نے اس کا نام قندار بھی لکھا ہے۔ سبکتگین غزنوی کے فتوحات میں اس شہر کا نام ملتان ہے (۲) یہ ہندوستانی افغانی سرحد کے پاس واقع تھا' یہاں خارجی مسلمانوں کی آبادی تھی اور انہیں کی ریاست بھی تھی۔ شاید چوتھی صدی کے وسط میں ایک معتزلی متکلم اور مناظر ابوالحسن علی بن لطیف جب یہاں پہنچے تو اس کو خارجیوں کی آبادی اور ریاست پایا۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ یہاں اس قدر امن وامان ہے کہ چوری کا نام ونشان بھی نہیں ہے' لوگ گھروں میں قفل بھی نہیں لگاتے' مسجد میں کوئی مسافر یوں بھی اپنا اسباب چھوڑ دے تو کوئی اس کا چھونے والا نہیں۔ یہاں ان کی ملاقات ایک مسلمان درزی سے ہوئی۔ شہر میں مسجد بھی تھی (۳) بشاری نے اس کا موقع یہ بتایا ہے کہ وہ بلوچستان کی بندرگاہ تیز سے ساحل پر مکراں کی لمبائی میں ۱۲ منزل پر واقع ہے (۴) ایک اور عرب جغرافیہ نویس کہتا ہے کہ ''وہ ملتان سے تقریبا ۲۰ منزل ہے'' (۵)

ابن حوقل (سنہ ۳۶۷ھ) کہتا ہے قزدار ایک شہر ہے جس کے ساتھ چند قصبے اور دیہات ہیں اور یہاں کے حاکم کا نام معین بن احمد ہے لیکن خطبہ خلیفہ (بغداد) کے نام کا پڑھا جاتا ہے اور اس کا محل با کز نان میں واقع تھا۔ بشاری مقدسی جو سنہ ۳۷۵ھ میں ادھر آیا تھا کہتا ہے۔

> ''قزدار طوران کا پایہ تخت ہے۔ یہ ایک صحرا میں واقع ہے۔ اس کے دو حصے ہیں' دونوں کے بیچ میں ایک ترائی ہے جس میں پل نہیں ایک میں سلطان کا

۱- بلاذری ص ۳۴۵

۲- طبقات ناصری ص ۷ (کلکتہ)

۳- معجم البلدان یاقوت رمی ج ۷ ص ۸۷ (مصر)

۴- احسن التقاسیم ص ۳۸۵

۵- تقویم البلدان ابوالفدا ص ۳۴۹

محل ہے اور اسی میں قلعہ ہے۔ دوسرے حصہ کا نام بودین ہے اس میں سوداگروں کے مکانات ہیں اور یہ حصہ نہایت صاف ستھرا ہے' شہر چھوٹا ہے مگر فائدہ مند ہے۔ خراسان' فارس' کرمان اور ادھر سے ہندوستان کے شہروں سے لوگ یہاں آیا کرتے ہیں لیکن یہاں کا پانی اچھا نہیں...... پانی نہر سے پیا جاتا ہے۔''(۱)

غرض یہ ایک چھوٹی سی اسلامی ریاست تھی۔ سلطان محمود کے باپ امیر سبکتگین نے ہندوستان سے پہلے سرحدی ریاستوں کو مٹانا ضروری سمجھا' چنانچہ سنہ ۳۷۵ھ اور سنہ ۳۸۷ھ (جو سبکتگین کی تاریخ وفات ہے) کے بیچ کے کسی سنہ میں اس شہر پر قبضہ کیا اور وہاں کے مسلمان حاکم کو اپنا باجگذار بنایا(۲)۔

طوران

ابن حوقل کے زمانہ میں (سنہ۳۶۴ھ) یہ ایک مستقل ریاست تھی چنانچہ وہ کہتا ہے کہ مغربی سندھ میں طوران ہے جس پر بصرہ کا ایک باشندہ ابوالقاسم حکمراں ہے جو خود ہی حاکم قاضی سپہ سالار سب کچھ ہے حالانکہ وہ تین اور دس میں فرق نہیں جانتا۔

ویہند

یہ ہندوستان کا مشہور پرانا شہر ہے۔ غزنوی فتوحات کے سلسلہ میں اس کا بھی نام آتا ہے۔ سنہ۳۹۳ھ میں پشاور کے بعد محمود نے اس پر قبضہ کیا (۳) اس شہر میں بھی محمود سے پہلے ہی مسلمانوں کی آبادی تھی۔ بیرونی نے قانون مسعودی میں اس کے ذکر میں لکھا ہے کہ ''یہ گندھار کا پایہ تخت ہے اور یہ وادی سندھ میں واقع ہے'' (۴) ونسنٹ اے اسمتھ صاحب ''دی ارلی ہسٹری آف انڈیا'' میں اوھند نام دارالسلطنت کو دریائے سندھ پر جگہ دیتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ مسلمانوں کے سنہ ۲۵٦ھ میں کابل فتح کر لینے کے بعد وہاں کا دارالسلطنت

۱- بشاری کی احسن التقاسیم ص ۴۷۸ (لیدن)

۲- تاریخ فرشتہ نولکشور جلد اص ۱۹

۳- زین الاخبار گردیزی (مطبوعہ برلن) ص ٦٦

۴- تقویم البلدان ابوالفدا اص ۳۵۷ (پیرس سنہ ۱۸۴۰ع)

او ہند کو منتقل ہو گیا جو دریائے سندھ پر واقع تھا اور ہندو شاہیہ خاندان کا پایہ تخت تھا۔(۱)

چوتھی صدی کے آخر میں (سنہ ۳۷۵ھ یعنی محمود کے حملہ سے پندرہ سولہ برس پہلے) بشاری مقدسی بیان کرتا ہے کہ "میں نے ابوالھیثم نوشاپوری کے شاگردوں میں سے ایک سے اور شیراز کے ایک عالم سے جو اس ملک کی اچھی طرح سیاحت کر چکے تھے تحقیق کی تو معلوم ہو کہ ویھند پایہ تخت کا نام ہے اور اس کے ماتحت شہر ودھان، بتیر 'نوج لوار اور سمان کوج وغیرہ ہیں۔"(۲)

دیہند کے علاقہ میں بھی مسلمانوں کی آبادی خاصی تھی یہاں تک کہ ان کی ریاست قائم تھی۔ ہندوؤں کا راجہ الگ تھا اور مسلمانوں کا امیر الگ۔ باشندوں کی غالب تعداد ہندو تھی۔(۳)

قنوج

ہندوستان کے مشہور قنوج کو چھوڑ کر سندھ اور پنجاب کی سرحد کے پاس بھی اس نام سے ایک علاقہ آباد تھا جس کا عرب سیاحوں نے بکثرت ذکر کیا ہے۔ یہاں بھی مسلمانوں کی آبادی تھی۔ سنہ ۳۰۰ ھ کے بعد یہ شہر مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا تھا چنانچہ مسعودی نے (سنہ ۳۰۳ھ میں) جب اس کو دیکھا ہے تو وہ ملتان سے ملحق تھا اور اسلامی حکومت میں داخل تھا (۴) بشاری اس کے ستر پچھتر برس کے بعد آیا ہے اس وقت اس کی حیثیت خود مختار ریاست کی تھی' کہتا ہے کہ یہ بڑا شہر ہے اس کی چاروں طرف فصیل ہے یہاں گوشت کثرت سے بکتا ہے' باغ بہت ہیں پانی اچھا ہے تجارت وسیع ہے لوگ حسین ہیں شہر پناہ کے اندر جامع مسجد ہے مسلمانوں کی غذا گیہوں ہے' یہاں بڑے بڑے معززین اور علما رہتے ہیں (۵) آگے چل کر کہتا ہے کہ یہاں کے باشندوں کی گو غالب تعداد ہندو ہے لیکن مسلمانوں کا سلطان الگ ہے۔(۶)

۱- The Early History of India, Vol.I.p.345

۲- احسن التقاسیم ص ۴۷۷

۳- ایضاً ص ۴۸۵ مع حاشیہ

۴- مسعودی جلد ا ص ۳۷۲ (پیرس)

۵- احسن التقاسیم بشاری ص ۴۸۰

۶- بشاری ج ا ص ۴۸۵

اودھ کے قنوج سے بھی عرب کے سیاح اور جغرافیہ نویس واقف تھے۔ مصر کا وزیر مہلبی (تقریباً سنہ ۳۸٦ھ) اپنے جغرافیہ کی کتاب عزیزی میں بیان کرتا ہے کہ "قنوج ہندوستان کے دور ترین شہروں میں ہے، ملتان کے پورب ہے ملتان اور قنّوج کے بیچ میں دوسو بیاسی فرسنگ کی مسافت ہے اور وہ ہندوستان کا پایہ تخت اور سب سے بڑا شہر ہے۔ لوگوں نے اس کا حال بیان کرنے میں بہت مبالغہ سے کام لیا ہے۔ کہتے ہیں اس میں صرف جوہریوں کے تین سو بازار ہیں اور اس کے راجہ کے قبضہ میں اڑھائی ہزار ہاتھی ہیں اس میں سونے کی کانیں بھی ہیں"۔

ادریسی جس نے سسلی (اٹلی) میں بیٹھ کر سنہ ۵۴۸ھ میں اپنا جغرافیہ لکھا ہے کہتا ہے کہ "یہ بہت خوبصورت شہر ہے، تجارت کی منڈی ہے اسی شہر کے نام سے یہاں کے راجہ کو بھی قنوج کہتے ہیں"۔ ادریسی نے قنوج کی وسعت پنجاب بلکہ کشمیر تک بتائی ہے۔ مراکو کا جغرافیہ نویس ابن سعید مغربی (سنہ ۵۸۵ھ) لکھتا ہے "یہ شہر گنگا کے دونوں بازوؤں پر واقع ہے"۔ (۱)

نیرون

سندھ کے ساحلی شہروں میں ایک شہر نیرون نام تھا بعضوں نے غلطی سے اس کو بیرون پڑھا ہے اور ابوریحان بیرونی کو یہیں کا رہنے والا بتایا ہے (۲) یہ دیبل اور منصورہ کے بیچ میں تھا اور منصورہ سے پندرہ فرسنگ دور تھا۔ مصر کا وزیر مہلبی چوتھی صدی میں اپنے جغرافیہ میں لکھتا ہے کہ "یہاں کے باشندے مسلمان ہیں" (۳) الفنسٹن صاحب نے تاریخ ہند میں بتایا ہے کہ موجودہ شہر حیدر آباد (سندھ) ہی کا پرانا نام نیرون ہے۔ (۴)

مکران

یہ سندھ کی سرحد پر واقع ہے۔ ابن حوقل کے زمانہ میں یہاں کا عرب حاکم عیسیٰ بن معدان تھا اس کی دارالامارۃ کا نام کیز تھا جس کی وسعت ملتان سے آدھی تھی۔

مشکی

اسی کے قریب ایک اور عرب ریاست تھی جس کا نام مشکی تھا اور جہاں کا حاکم ابن حوقل

۱- تقویم البلدان ابوالفدا ۱ صفحہ ۳٦۰ (پیرس)

۲- تقویم البلدان ابوالفدا ۱ ص ۳۴۹ بحوالہ سعید مغربی و تاریخ الاطباء ابن ابی اصیبعہ جلد ۲ ص ۲۰ (مصر)

۳- تقویم البلدان ابوالفدا ۱ ص ۳۴۹

۴- تاریخ ہند الفنسٹن جلد دوم ص ۴۹۳۔ سنہ ۱۸٦۷ء (علی گڑھ)

کے زمانہ میں مظاہر بن رجاء نام تھا۔ یہ ریاست اتنی بڑی تھی کہ تین دن میں اس کی مسافت طے ہوتی تھی اور یہاں خطبہ میں خلیفہ بغداد کا نام لیا جاتا تھا۔

سندھ کے ریگستانوں میں چلتے چلتے ہم اور آپ دونوں گھبرا گئے' تھوڑی دیر آیئے ملک ''جنت نظیر'' کی سیر کریں کہ دماغ تر و تازہ ہو۔

کشمیر

یہ وہ ملک ہے جس کی نسبت یہ کہنا بجا ہے کہ اس کو مسلمان بادشاہوں کی تلواروں اور تدبیروں نے نہیں بلکہ مسلمان عالموں اور درویشوں کی تاثیروں نے فتح کیا۔ عرب جغرافیہ نویس اور سیاح اس کے پاس تک آئے مگر اس کے اندر نہیں گئے۔ انہوں نے اس کے راستہ کی دشواریوں کا ذکر کیا ہے وہ سمندر سے لے کر کشمیر کے سلسلہ کوہستان تک سب کو سندھ ہی کہتے تھے۔ عربوں کے بعد سلطان محمود نے بھی اس کی چٹانوں سے سر ٹکرایا مگر کامیابی نہیں ہوئی لیکن اسی زمانہ میں ہم یہاں مسلمان سوداگروں اور تاجروں کو آتے جاتے دیکھتے ہیں۔ سلطان محمود کی وفات کے تین سال بعد سنہ ۴۲۴ھ میں سلطان مسعود غزنوی نے اس پر حملہ کیا اور اہل شہر قلعہ بند ہو گئے تو اس وقت جو مسلمان تاجر وہاں تھے وہ بھی قلعہ میں مقید تھے۔ (۱)

تاریخ ہند کی اس مختصر خیالی سیر و سیاحت کے بعد ہم ناظرین سے رخصت ہوتے ہیں۔

خاتمہ

ان گزشتہ اوراق میں کوشش کی ہے کہ ہمسفروں کو عرب و ہند اور اسلام و ہندوستان کے تعلقات کے وہ مناظر دکھائیں جو خیبر سے آنے والے فاتحین سے پہلے یہاں جلوہ گر تھے۔ ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان فتوحات سے پہلے بھی اس ملک میں کہار مسلمان آباد تھے اور ان کے تعلقات ہندوؤں کے کیسے چند در چند اور گہرے تھے اور اسلام کا ہندوستان سے تعلق کتنا پرانا اور قدیم ہے۔

ماقصۂ سکندر و دارا نہ خواندہ ایم
از ما بجز ''حکایت مہر و وفا'' مپرس

۱- فرشتہ جلد اول ص ۴۱ (نولکشور)